....اور ایک بُت شکن پیدا ہوا

(حصہ سوم، حصہ چہارم)

(سلطان محمود غزنوی کے جہاد اور جاسوسوں کی جذباتی اور واقعاتی داستان)



عنایت اللہ

.....اور ایک بُت شکن پیدا ہوا

جلد دوئم

(تیسرا اور آخری حصہ)

سلطان محمود غزنوی کے جہاد اور جاسوسوں کی جذباتی اور واقعاتی کہانیاں

عنایت اللہ

iqbalmt@oneurdu.com

علم و عرفان پبلشرز

34۔ اردو بازار، لاہور، فون :7232336 فیکس:7352332
www.ilmoirfanpublishers.com. E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب ....اور ایک بُت شکن پیدا ہوا
(جلد سوئم، جلد چہارم)

مصنف .... عنایت اللہ

ناشر .... گلفراز احمد
علم و عرفان پبلشرز، لاہور

مطبع .... زاہد نوید پرنٹرز، لاہور

سرورق .... نفیس کیانی

سن اشاعت .... جون 2008ء

قیمت .... =/240 روپے

علم و عرفان پبلشرز

34۔ اردو بازار، لاہور فون: 7232336-7352332

سیونتھ سکائی پبلیکیشنز

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ 40۔ اردو بازار، لاہور
فون: 7223584، موبائل 0300-4125230

فہرست

iqbalmt@oneurdu.com

پیش لفظ

سُلطان محمُود غزنوی کے دَور کی تاریخ ساز اور ولولہ انگیز کہانیوں کا تیسرا مجموعہ بعنوان .... "اور ایک بُت شکن پیدا ہُوا" پیش کیا جا رہا ہے۔ اس میں پانچ کہانیاں شامل کی گئی ہیں جو آپ کو اُس دَور میں لے جائیں گی جب ہندوستان کے میدانوں، وادیوں اور دریاؤں میں حق اور باطل کی تلواریں ٹکرا رہی تھیں اور بُت خانوں میں اذانیں گونج رہی تھیں۔ بُتوں کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو غزنی کے گھوڑے روند رہے تھے۔

میں اس سلسلے کی پہلی جلد میں اُس بے انصافی اور دھاندلی کا ذکر تفصیل سے کر چکا ہوں جو سلطان محمُود غزنوی کے جہاد کی تاریخ کے ساتھ ہندو تاریخ نویسوں نے کی ہے۔ ایک دو مسلمان تاریخ نویسوں نے بھی ہندوؤں کا اثر قبول کر کے تاریخ اسلام کے اس بُت شکن کو ڈاکو اور لٹیرا لکھا اور یہ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے کہ ہندوستان پر سلطان محمُود غزنوی کے حملے جہاد نہیں تھا۔ حقیقت اُن کتابوں میں ملتی ہے جو غیر جانبدار تاریخ دانوں نے اُس دَور کے مؤرخوں کے حوالوں سے لکھی ہیں۔

یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح ہندوؤں نے بھی غزنی سے آنے والے حق کے طوفانوں اور بگولوں کو روکنے اور ان کی شدت کو ختم کرنے کے لیے اپنی حسین و جمیل بیٹیوں کو استعمال کیا تھا مگر ہندوستان کا حُسن اور عیاری بُت شکنوں کے عزم کو متزلزل نہ کر سکی۔

ہندو لڑکیوں کے حُسن و جوانی اور عیاری نے اور شکست خوردہ راجوں اور مہاراجوں کی درپردہ اسلام کُش سرگرمیوں نے ان کہانیوں کو جنم دیا ہے جو میں آپ کو سنا رہا ہوں۔ ہندوؤں اور یہودیوں کی اسلام کُش سرگرمیاں آج بھی نہ صرف جاری ہیں بلکہ پہلے سے زیادہ دلکش، طلسماتی اور تباہ کُن ہو گئی ہیں۔ ہندوؤں نے سُلطان محمُود غزنوی کے جذبۂ حریت کو مسخ کرنے کی پوری کوشش اس لیے کی ہے کہ آج کے مسلمان نوجوانوں میں غزنوی کا جذبہ پیدا نہ ہو۔

میں نے پاکستانی نوجوانوں میں غزنی کے بُت شکن کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے اُس دَور کی تاریخ کو چھان مارا اور یہ کہانیاں اخذ کی ہیں۔ ان کہانیوں میں آپ کو تفریحِ طبع کا خاصا سامان بھی ملے گا جو تفریح کے ساتھ ساتھ ایمان کو تر و تازہ کر دے گا۔

عنایت اللہ

مدیر "حکایت" لاہور

قتل، قنوج اور ضربِ کلیم

غزنی

غزنی کا شہر آج رُوسیوں اور افغان وطن پرستوں کا میدانِ جنگ بنا ہُوا ہے۔ افغانستان کی فوج کے افسر اور سپاہی فوج سے بھگوڑے ہو کر مجاہدین کے ساتھ مل رہے ہیں۔ روسی ٹینک افغانستان کے دیگر شہروں کی طرح غزنی میں بھی دندناتے پھرتے ہیں۔ فضا سے روسی ہیلی کاپٹر آگ برساتے ہیں۔ اگر افغانیوں نے غزنی کی عظمت کو یاد رکھا تو وہ رُوسیوں کے قدم اکھاڑ کر ہی دم لیں گے۔

غزنی کی عظمت صرف اس سے نہیں تھی کہ وہاں ایک بُت شکن پیدا اور دفن ہُوا تھا بلکہ اس شہر کی عظمت کے کچھ اور نشان بھی ہیں جن میں ایک مسجد ہے۔ محمُود غزنوی نے اس مسجد کا نام عروسِ فلک رکھا تھا۔ اُس نے یہ مسجد متھرا کی فتح کی یادگار کے طور پر تعمیر کرائی تھی۔ غزنی والے اس فتح پر جتنا بھی ناز کرتے، کم تھا۔ متھرا ہندوؤں کا ویسا ہی مقدس شہر ہے جیسے ہمارے لیے مکہ اور مدینہ ہے۔ یہ سری کرشن مہاراج کی جائے پیدائش ہے اور یہاں بے شمار مندر اور بے حد قیمتی بُت تھے۔ محمود غزنوی جب متھرا کا بُت خانہ توڑ کر واپس گیا تو اُس نے غزنی میں سنگِ مرمر کی ایسی مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا جو حُسنِ تعمیر میں یکتا ہو۔

دُور دُور سے معمار بلائے گئے جنہوں نے محمود غزنوی کے تخیل اور تصوّر سے زیادہ حسین جامع مسجد تعمیر کر دی۔ محمود نے اس کی چھت اور دیواروں میں جو بیل بوٹے کھدوائے، ان میں سونا اور چاندی پگھلا کر ڈالا۔ مسجد کے اندر بیش قیمت قالین بچھائے۔

iqbalmt@oneurdu.com

میناروں کے کلسوں پر سونا چڑھایا۔ پھر اس کے قریب ایک یونیورسٹی کا سنگِ بنیاد رکھا جس میں کتابوں کے انبار لگا دیئے۔ کتابیں مختلف زبانوں کی تھیں۔ یونیورسٹی کا عجائب گھر بھی بنایا جس میں نادر اشیاء رکھیں۔ یہ مسجد اور یونیورسٹی علم و فن کا مرکز بن گئی۔ محمود نے یونیورسٹی کے علماء، اساتذہ اور طلباء کے لیے کثیر رقم الگ کر دی۔

امرائے جب اپنے سلطان کا ذوق دیکھا تو انہوں نے اپنے لیے نہایت خوبصورت مکان اور دلکش مسجدیں تعمیر کرانی شروع کر دیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں غزنی خوبصورت مکانوں، باغوں، مصنوعی چشموں اور حسین مسجدوں کا شہر بن گیا۔ آج غزنی اُن تعمیرات کے کھنڈروں کا شہر بن گیا ہے۔

جن فتوحات کی یاد میں محمود غزنوی نے ساڑھے نو سو سال پہلے یہ جامع مسجد اور یونیورسٹی تعمیر کی تھی، وہ فتوحات اُسے آسانی سے حاصل نہیں ہوئی تھیں۔ اس مسجد اور یونیورسٹی کی بنیادوں میں غزنی کے اُن ہزاروں مجاہدین کا خون شامل تھا جن کی لاشیں غزنی واپس نہیں لائی جا سکی تھیں۔ بلند شہر، متھرا، مہابن اور قنوج کے علاقے میں گنگا اور جمنا کے کنارے اُن شہیدوں کی قبروں کے نشان تو مٹ ہی گئے ہیں، ساڑھے نو سو برسوں میں اُن کی ہڈیاں بھی وہاں نہیں رہیں۔ انہوں نے جس طرح متھرا اور اس کے بعد قنوج فتح کیا تھا، اس کے پیچھے ایک ولولہ انگیز اور جذبات کو ہلا دینے والی داستان ہے۔

۱۰۱۸ء کے آخر میں محمود غزنوی بلند شہر سے متھرا تک بگولے کی طرح پھر گیا تھا۔ نقشے پر دیکھیں تو اُس کی پیش قدمی اور فتوحات کی شکل بگولے کی سی بنتی ہے۔ اُسے اس ایک ہی حملے میں کئی بار دریائے گنگا اور جمنا عبور کرنے پڑے۔ جنگ کے مبصر حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ اپنے وطن سے تین ماہ کی مسافت جتنی دور آ کر اتنی لڑائیاں لڑنا اور ہر لڑائی میں کامیابی حاصل کرنا معمولی دماغ اور جنگی فہم و فراست کے جرنیل کے بس کی بات نہیں تھی۔

متھرا بہت بڑا شکار تھا جسے وہ مار چکا تھا۔ ہندوستان کے اتنے بڑے بت خانے میں اذانیں گونج رہی تھیں۔ سلطان نے فوج کو متھرا میں آرام اور تنظیم میں رد و بدل کے لیے روک لیا۔ اُسے اب قنوج کی طرف پیش قدمی کرنی تھی۔ قنوج کے متعلق اُسے بتایا گیا

تھا کہ اس کی فتح آسان نہیں ہو گی۔ مہاراجہ قنوج کو دوسرے مہاراجوں کی نگاہ میں احترام حاصل تھا۔ وہ دانشمند تھا۔ یہی وجہ تھی کہ محمود غزنوی نے قنوج پر حملے سے پہلے فوج کو آرام دینے اور دستوں کو از سرِ نو منظم کرنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ اُس نے قنوج اور گرد و نواح میں اپنے جاسوس بھیج دیئے تھے۔ اُسے جو معلومات دی گئی تھیں، ان کے مطابق، قنوج کے راستے میں دو اور ریاستیں تھیں جن کے حکمران مہاراجے نہیں راجے تھے۔ ان میں ایک رائے چندا تھا اور دوسرا چاندل بھور۔ چھوٹے چھوٹے اور راجے بھی تھے اور یہ سب مہاراجہ قنوج راجیا پال کے اتحادی تھے۔

جاسوسوں نے جن مقامی باشندوں کو مخبر (ایجنٹ) بنایا تھا، ان کی زبانی پتہ چلا تھا کہ لاہور کا مہاراجہ بھیم پال نڈر بھی اس خطے میں کہیں موجود ہے اور وہ یہاں کے مہاراجوں اور راجوں کو محمود غزنوی کے خلاف متحد کرتا پھر رہا ہے۔ وہ خود محمود غزنوی کے سامنے نہیں آ سکتا تھا کیونکہ وہ سلطان کا باجگزار تھا اور اُس نے سلطان کے ساتھ جنگ نہ کرنے اور غزنی کی فوج کو ہر طرح کی مدد دینے کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ سلطان محمود نے اُسے ڈھونڈنے اور اگر ممکن ہو سکے تو پکڑ لانے کے لیے آدمی بھیج رکھے تھے مگر اُس کا کہیں سراغ نہیں مل رہا تھا۔

قنوج متھرا سے ڈیڑھ سو میل دور دریائے گنگا کے دائیں کنارے پر واقع ہے اور متھرا دریائے جمنا کے دائیں کنارے پر۔ اس طرح محمود غزنوی کو دو دریا عبور کرنے تھے مگر راستے میں جو راجے اور رائے قلعوں میں بیٹھے تھے، انہیں زیرِ تیغ کرنا ضروری تھا، ورنہ قنوج کو محاصرے میں لینے کی صورت میں یہ سب سلطان پر عقب سے حملہ کر دیتے۔ سلطان پیش قدمی جلدی کرنا بہتر سمجھتا تھا تاکہ قنوج کا دفاع زیادہ مضبوط نہ ہونے پائے۔

راستے میں جمنا کے بائیں کنارے پر منج نام کا ایک مضبوط قلعہ اور چھوٹی سی ریاست تھی۔ اسے مہاون بھی کہتے ہیں۔ اُس زمانے میں یہ "برہمنوں کا قلعہ" کے نام سے مشہور تھا۔ قنوج اور منج کا درمیانی فاصلہ صرف ستائیس میل تھا۔ منج ہندو راجپوتوں کا گڑھ تھا۔ یہ لوگ غیر متمدن اور جنگ و جدال کے شیدائی تھے۔ ان کی عورتیں بھی بہادر اور

iqbalmt@oneurdu.com

بر قربانی دینے ڈال رکھی تھیں۔ مہاراجہ قنوج کو مُنج کے راجپوتوں پر اعتماد تھا۔ اُس نے ان کے ساتھ دوستی اور جنگی تعاون کا معاہدہ کر رکھا تھا۔

ایک روز مُنج کے لوگ دریائے جمنا میں نہا رہے تھے۔ مردوں سے دُور عورتیں بھی دریا میں اُتری ہوئی تھیں۔ ہندوؤں کے لیے صبح دریا میں نہانا مذہبی فریضہ ہے۔

مُنج کا قلعہ دریا کے عین کنارے پر واقع تھا۔ اچانک عورتوں کی چیخ و پکار بلند ہوئی اور عورتیں کنارے کی طرف بھاگیں۔ مرد دوڑے آئے۔ وہ سمجھے کہ دریا سے شاید مگرمچھ یا کوئی اور آفت نکلی ہے مگر وہاں کچھ اور ہی نظر آیا۔ دریا میں لاشیں بہتی آ رہی تھیں اور پانی کا رنگ بھی بدلا ہوا تھا۔ پہلے چند ایک لاشیں نظر آئیں پھر دریا جیسے لاشوں کا دریا بن گیا ہو۔ دریا پر جو پنڈت اور دیگر مذہب پرست لوگ تھے، وہ ہاتھ جوڑ کر دوزانو بیٹھ گئے اور بھجن الاپنے لگے۔ اُن کے جسم کانپ رہے تھے اور اُن کے بھجن بھی کانپ رہے تھے۔

قلعے کی دیواروں پر کھڑے سنتریوں نے دیکھا تو اُن کی بھی حالت غیر ہونے لگی۔ یہ راجپوت کسی سے ڈرنے والے نہیں تھے لیکن وہ زندہ لوگوں سے نہیں ڈرتے تھے۔ اتنی زیادہ لاشیں کسی غیبی آفت کا پتہ دیتی تھیں۔ دریا سے جو پنڈت بھاگ آئے تھے انہوں نے مندر کے گھڑیال اور سنکھ بجانے شروع کر دیئے۔ سارے شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ رائے چندر کو اطلاع ملی تو وہ دوڑتا قلعے کی دیوار پر جا چڑھا۔ اُس کے ساتھ اُس کے فوجی افسر اور درباری تھے۔

"جانتے ہو یہ کیا ہے؟"۔۔۔ اُس نے سب سے مخاطب ہو کر کہا۔۔۔ "یہ متھرا اور مہابن کی لاشیں ہیں۔ کیا تم نے یہ خبر نہیں سُنی تھی کہ غزنی کے مسلمانوں نے متھرا پر قبضہ کر کے وہاں کے تمام مندر اجاڑ ڈالے ہیں؟"۔۔۔ قلعے کی دیوار سے اُسے وہ لوگ شہر کی جانب دوڑتے نظر آ رہے تھے جو لاشوں کو دیکھ کر دریا سے بھاگے آ رہے تھے۔

رائے چندر نے کہا۔۔۔ "دیکھو ان بزدلوں کو۔ لاشوں سے ڈر کر بھاگے آ رہے ہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ یوں بزدلی دکھائی تو ہم سب کی لاشیں اسی طرح دریا میں بہیں گی۔ اور ہماری عورتیں مسلمانوں کے قبضے میں ہوں گی۔"

مندر کی گھنٹیوں، گھڑیال اور سنکھوں کی آوازیں اور زیادہ بلند ہو گئی تھیں اور اب لوگ گلیوں میں بھی "ہرے رام، ہرے کرشن" کا بلند ورد کرنے لگے تھے۔ عورتیں بھی گلیوں میں نکل آئی تھیں۔ شہر کی یہ آوازیں بڑی ڈراؤنی تھیں۔ رائے چندر کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ آخر وہ پھٹ کر بولا۔۔۔ "بند کرو یہ سنکھ اور گھڑیال۔ شہر میں یہ کیا ماتم ہو رہا ہے۔ راجپوت کسی کی لاش پر رو رہے ہیں۔ پنڈتوں کو یہاں لے آؤ۔"

رائے چندر کے محافظ اور سپاہی دوڑ پڑے اور کچھ دیر بعد شہر پر سناٹا طاری ہو گیا۔

رائے چندر نیچے چلا گیا اور اپنے خاص کمرے میں جا بیٹھا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ دو پنڈت آ گئے اور ان کے ساتھ ہی ایک اور آدمی کو اندر لایا گیا جس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے اور اُس کی سانسیں اُکھڑی ہوئی تھیں۔ رائے چندر کو بتایا گیا کہ یہ آدمی دریا سے زندہ نکالا گیا ہے۔ لکڑی کے ایک شہتیر کے سہارے تیرتا آ رہا تھا۔ رائے چندر نے اُسے کہا کہ وہ سب کو بتائے کہ جن لاشوں کے ساتھ وہ تیرتا آیا ہے وہ کن لوگوں کی ہیں اور کہاں سے آئی ہیں۔

"یہ مہابن کی فوج کی لاشیں ہیں"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "اور میں مہابن کی فوج کا آدمی ہوں۔ ہمیں بتایا گیا کہ غزنی کی مسلمان فوج قلعوں پہ قلعے فتح کرتی آ رہی ہے اور اس کا رُخ متھرا کی طرف ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ مہابن کا جنگل کتنا گھنا اور کتنی دُور دُور تک پھیلا ہوا ہے۔ ہمارے مہاراجہ کُول چند نے تمام فوج اس جنگل میں پھیلا دی، تیر اندازوں کو درختوں پر چڑھا دیا۔ ہاتھیوں کو ایک طرف کھڑا کر دیا کہ حکم ملتے ہی مسلمانوں کو کچلنے کے لیے دوڑا دیئے جائیں گے۔ مسلمانوں کی فوج کو اسی جنگل سے گزرنا تھا۔ پھر میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ کیا ہوا۔ جنگل کے اندر مسلمانوں کی بہت تھوڑی سی فوج آئی۔ ہماری فوج نعرے لگانے لگی۔۔۔ ایک کو بھی نہ جانے دو..... ان کی لاشیں متھرا کے مندر کے سامنے جلائیں گے۔ جنگل کی تین طرفوں سے جیسے طوفان آ گیا ہو۔ پیچھے سے، دائیں اور بائیں سے مسلمان ہم پر ٹوٹ پڑے۔ جن ہاتھیوں کو مسلمانوں پر چھوڑنا تھا، وہ چنگھاڑتے ادھر اُدھر دوڑ پڑے۔ درختوں پر ہمارے جو تیر انداز تھے وہ تیر کھا کھا کر گرنے لگے۔

iqbalmt@oneurdu.com

اُن کے تیروں سے مسلمان بھی مرے لیکن وہ خود بھی زندہ نہ رہے۔ درختوں سے اُن کی لاشیں گر رہی تھیں .....

"ہماری فوج بھاگ اُٹھی۔ ہمارے پیچھے مسلمان جنگل کو صاف کرتے آ رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا جیسے درخت جڑوں سے اُکھڑ رہے ہوں۔ آگے جمنا تھا۔ ہماری فوج جمنا میں کود گئی۔ زخمی بھی دریا میں اُتر گئے۔ مسلمان تیر انداز دریا کے کنارے سے ہم پر تیر برسانے لگے۔ وہ گھوڑے کنارے کے ساتھ ساتھ دوڑاتے اور ہم پر تیر چلاتے تھے۔ دریا میں چیخوں اور واویلے کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ تیروں سے بچنے کے لیے جو ڈبکی لگاتے تھے وہ ڈوب جاتے تھے۔ تیر اندازوں نے کسی کو دوسرے کنارے پر بھی نہ جانے دیا۔ میں ایک لکڑی کے تختے پر تیرتا آیا ہوں۔ بے شمار آدمی بہت دور آ کر بھی دریا سے نہ نکلے کہ مسلمان مار ڈالیں گے۔ یہاں آ کر میں نے باہر آنے کی جرأت کی۔ مجھے معلوم نہیں کہ مہابن میں ہمارے بعد کیا ہوا ہے۔"

"وہ میں بتاتا ہوں" ——— رائے چندا نے گرج کر کہا ——— "مجھے اطلاع مل چکی ہے۔ تمہارے راجہ کول چند نے اپنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ خودکشی کر لی ہے۔ اُس کے تمام ہاتھی مسلمانوں کے پاس ہیں، اور غزنی کے سلطان محمود نے متھرا کا بڑا مندر اور تمام چھوٹے مندر صاف کر دیئے ہیں۔ وہاں کے لوگ اب سنکھ اور گھڑیال نہیں اذانیں سنتے ہیں۔"

"ہرے رام۔ ہرے رام" ——— دونوں پنڈتوں نے کہا اور بڑا پنڈت بولا ———

"ان ملیچھ مسلمانوں پر ایسی آفت پڑے گی کہ ان کی بوٹیاں چیلیں، گدھ اور کتے کھائیں گے۔ کرشن واسدیو کا قہر ان کے بچوں کو بھی بھسم کر دے گا۔ مہاراج! ہر ہر مہادیو بہت بڑی قربانی مانگتے ہیں۔ اگر آپ قہر سے بچنا چاہتے ہیں تو ایک کنواری کی جان کی قربانی دینی پڑے گی۔ میں آپ کو حساب کر کے بتاؤں گا کہ اور کیا کچھ کرنا پڑے گا۔ آکاش پر ستاروں کی گردش کے راستے بدلے بدلے سے ہیں۔ یہ میں آپ کو ابھی بتا دیتا ہوں۔ یہ کچھ چند رماں کا ہے گھا، پوربا، پھالگنی، ہست، چترا استری بکھر ابن چندرماں چل بڑھوں سے گزر رہا ہے۔ یہ سمے راج پاٹ کے لیے بہت بُرا

iqbalmt@oneurdu.com

ہے۔ نرگ کے دروازے کھل گئے ہیں۔ ملیچھ مکھیوں کی طرح مریں گے۔ آپ دیکھ رہے ہیں۔ اس میں ہری کشن واسدیو کا کرودھ شامل ہو گیا ہے۔ یہ سمے پُن اور پراتھنا کا ہے..... ہم آپ کی جنم پتری پھر دیکھیں گے۔ اگر بلیدان میں دیر ہوئی تو ہندو دیویاں مسلمانوں کے بچے پیدا کریں گی۔ اپنی دیویوں کی کوکھ کو ملیچھوں کے بیج سے بچانے کے لیے اور انہیں پوتر رکھنے کے لیے ہمیں مہادیو کے چرنوں میں ایک سے زیادہ کنواریوں کا بلیدان دینا ہو گا۔"

رائے چندا کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔ اُس کی گھنی مونچھیں کانپنے لگی تھیں۔ وہ پنڈتوں کو قہر کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پنڈت ابھی بول رہا تھا کہ رائے چندا پھٹ پڑا۔

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہو گا مندر میں ہو گا" ——— رائے چندا نے گرج کر کہا ——— "دو تین کنواریاں آپ کے حوالے کر دی جائیں گی اور آپ انہیں دس پندرہ روز اپنے پاس رکھیں گے پھر ان کی گردنیں کاٹ دیں گے۔ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ بچہ بچہ باہر نکلے اور غزنی کے لٹیروں سے انتقام لے؟"

"چھی چھی چھی مہاراج!" پنڈت نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر کہا ——— "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ دھرم کی یوں اپمانا نہ کریں۔ یہ برہمنوں کا قلعہ ہے اور برہمن بھگوان کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ جو ہم جانتے ہیں وہ آپ نہیں جانتے۔ آپ آکاش کے تاروں کے راستے نہیں روک سکتے۔ خون کا بلیدان ....."

"بلیدان۔ بلیدان" ——— رائے چندا نے گرج کر کہا ——— "خون کی قربانی صرف دو تین کنواریاں نہیں دیں گی۔ راجپوتوں کا بچہ بچہ اپنے خون کی قربانی دے گا۔ راجپوتوں کی ہر ایک کنواری خون کی قربانی دے گی... اور یاد رکھو پنڈت جی مہاراج! اس قلعے کا نام برہمنوں کا قلعہ ہے لیکن یہ قلعہ راجپوتوں کا ہے۔ راجپوت ایک ہی بات سمجھتے ہیں... دشمن کی موت یا اپنی موت..... راجپوت اپنی فتح پر اپنے مذہب کو بھی قربان کر دیا کرتا ہے۔"

"مہاراج!" ——— پنڈت نے کہا ——— "اپنی رعایا پر رحم کریں۔ میں جو کہتا ہوں

سن لیں۔ مذہب کی قربانی کی بات نہ کریں۔"

"ہمیں مذہب کی زنجیریں نہ ڈالو" ۔۔۔ رائے چندا نے کہا ۔۔۔ "راجدھانی کی بے عزتی ہو رہی ہو، لوگ بھوک کے مر رہے ہوں، دنیا فنا ہو رہی ہو۔ آپ جیسے مذہبی پیشوا اپنا ہی راگ الاپتے رہتے ہیں۔ آپ کو میدان میں جا کر لڑنا نہیں پڑتا۔ مندر میں بیٹھے آپ کی پیٹ پوجا ہوتی رہتی ہے۔ آپ کو دکشنا بھی ملتی رہتی ہے۔ آپ کو مٹھی بھر چاول کے لیے کنواریاں بھی ملتی رہتی ہیں۔"

"مہاراج! ۔۔۔ پنڈت نے غصے سے کہا ۔۔۔ "متھرا کی تباہی کی خبر سن کر اور دریا میں اتنی زیادہ لاشیں بہتی دیکھ کر آپ کا دماغ چل گیا ہے۔ آپ میری نہیں، اپنے دھرم کی بے عزتی کر رہے ہیں۔"

"کونسے دھرم کی بات کر رہے ہیں آپ؟" ۔۔۔ رائے چندا نے طنزیہ کہا ۔۔۔ "کیا آپ نے سنا نہیں کہ بلند شہر کے دس ہزار ہندو اپنے راجہ ہردت سمیت دھرم پر لات مار کر مسلمان ہو گئے ہیں؟ کیا آپ جانتے ہیں انہوں نے اپنا دھرم کیوں چھوڑا ہے؟"

"اپنی جانیں بچانے کے لیے" ۔۔۔ پنڈت نے کہا ۔۔۔ "وہ بزدل تھے۔ مسلمانوں کی تلواروں سے اور قید سے ڈر گئے۔"

"نہیں" ۔۔۔ رائے چندا نے کہا ۔۔۔ "انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ دیوتاؤں کے بت اور دیویوں کی مورتیاں نہ اپنے آپ کو بچا سکیں نہ کسی راجے کی پرجا کو۔"

وہاں رائے چندا کی جوان بہن شیلا کماری اور نوجوان بیٹی رادھا بھی موجود تھیں اور رادھا کی ماں بھی وہیں تھی۔ شیلا کماری نے پنڈت سے کہا ۔۔۔ "کیا عورت مندر میں پنڈتوں کے ہاتھوں قربان ہونے کے لیے پیدا ہوئی ہے؟"

"اب کسی لڑکی کی جان کی قربانی نہیں دی جائے گی" ۔۔۔ رائے چندا کی رانی لکشمی نے کہا ۔۔۔ "اگر آپ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں نے جو تباہی مچائی ہے وہ دیوتاؤں کا قہر ہے تو ہم اس قہر کا مقابلہ کریں گے۔"

دونوں پنڈت غصے میں کچھ بڑبڑاتے چلے گئے۔

رائے چندا کی بہن شیلا نے اسے کہا ۔۔۔ "بھیا! کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ غزنی کے سلطان محمود کو کسی طریقے سے قتل کر دیا جائے تو اس کے آئے دن کے حملے ختم ہو سکتے ہیں!"

"ہمیں بہت کچھ سوچنا ہے میری بہن!" ۔۔۔ رائے چندا نے کہا ۔۔۔ "ہمارے امتحان کا وقت آ رہا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ محمود غزنوی کو جنگ میں قتل کرنا آسان نہیں اور اسے دھوکے سے قتل کرنا بھی مشکل ہے۔ پھر بھی میں سوچوں گا۔ سب سے پہلے ہمیں مہاراج قنوج کے پاس چلنا ہے۔ غزنی کا یہ سلطان متھرا میں نہیں بیٹھا رہے گا نہ وہاں سے ہی واپس جائے گا۔"

اس نے حکم دیا کہ قنوج کو روانگی کا انتظام کیا جائے۔

فاصلہ صرف ستائیس میل تھا۔ رائے چندا اپنی رانی لکشمی، بہن شیلا اور بیٹی رادھا کے ساتھ اسی وقت روانہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ فوجی مشیر اور افسر بھی تھے اور وزیر بھی ساتھ تھا۔ یہ قافلہ شام تک قنوج پہنچ گیا۔

اسی رات رائے چندا نے مہاراجہ قنوج راجیا پال سے صورت حال کے متعلق بات چیت کر لی۔ راجیا پال نے اسے کہا ۔۔۔ "ہم اکیلے کھلے میدان میں نہیں لڑ سکتے۔ میرے پاس مہابن اور متھرا سے جو آدمی آئے ہیں، انہوں نے بتایا ہے کہ کھلے میدان میں غزنی والوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں قلعہ بند ہو کے لڑنا پڑے گا۔ مجھے نظر یہ آ رہا ہے کہ محمود آپ کا محاصرہ کرے گا۔ اس کی دراصل نظر قنوج پر ہے۔ اگر اس نے آپ کا محاصرہ کیا تو میں باہر سے محاصرے پر حملے کر کے اسے کمزور کرنے کی کوشش کروں گا، اور اگر وہ سیدھا قنوج پر آیا تو میں آپ سے توقع رکھوں گا کہ آپ اس کے عقب پر حملے کرتے رہیں گے۔"

صبح کا رائے چندا بہت بھڑکا ہوا تھا۔ تقریباً تمام مورخوں نے لکھا ہے کہ منج کے راجپوت صحیح معنوں میں غیرت مند اور دلیر تھے۔ میدانِ جنگ میں ان پر قابو پانا آسان نہیں ہوتا تھا۔ ان کی عورتوں کے متعلق لکھا گیا ہے کہ بہت حسین اور غیر معمولی طور پر

iqbalmt@oneurdu.com

جرأت مند تھیں اور یہ قوم برہمنوں سے بہت مختلف تھی۔ رائے چندا کا پنڈتوں اور مذہب کو دھتکار دینا اُس کی حماقت نہیں بلکہ جرأت اور بے خوفی کی دلیل تھی۔

رائے چندا کی بہن اور بیٹی کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ دونوں بہت ہی خوبصورت تھیں۔ اُن کے حسن کے چرچے دُور دُور تک ہوتے تھے۔ قنوج کے مہاراجہ راجیا پال کا بیٹا لکھمن پال رائے چندا کی بہن شیلا کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا مگر رائے چندا نے شیلا کی شادی لاہور کے مہاراجہ بھیم پال "نڈر" کے بھائی ترلوچن پال کے ساتھ کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ اگر محمود غزنوی حملہ نہ کر دیتا تو یہ شادی ہو چکی ہوتی۔

رات کو جس وقت مہاراجہ راجیا پال اور رائے چندا متھرا کی تباہی اور محمود غزنوی کے متوقع حملے کی باتیں کر رہے تھے اور اُن کے مشیر اور وزیر مقابلے کے منصوبے بنا رہے تھے، اُس وقت راجیا پال کا بیٹا لکھمن پال محل کے باغ کے اندھیرے کونے میں کھڑا کسی کا انتظار کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد دو عورتیں اس اندھیرے کونے کی طرف اس طرح جا رہی تھیں جیسے سائے چل رہے ہوں۔ ذرا آگے جا کر سائے رُک گئے۔ ایک عورت نے دوسری سے کہا۔ "آپ آگے چلی جائیں۔ راجکمار مل جائیں گے۔"

دوسری نے اُس کے ہاتھ میں سونے کا ایک سکہ دیتے ہوئے کہا "کسی کو پتہ نہ چلے کہ میں یہاں آئی اور راجکمار لکھمن سے ملی تھی۔"

وہ رائے چندا کی بہن شیلا تھی۔ لکھمن پال نے اپنی خاص ملازمہ کو بھیج کر شیلا کو ایک تاریک گوشے میں بلایا تھا۔

شیلا اپنی ماں اور بھتیجی رادھا کو بتلائے بغیر محل آئی تھی۔ یہ سب رائے چندا کے ساتھ قنوج آئی تھیں۔

اُسے دیکھ کر لکھمن پال آگے بڑھا اور بولا۔ "مجھے اُمید نہیں تھی کہ تم آجاؤ گی۔ میں یہاں سے تمہیں منہ پیغام بھجوا رہا ہوں اور تم ہر بار یہی جواب دیتی رہی ہو کہ تمہیں میری محبت قبول نہیں۔ مجھ میں کیا کمی ہے؟ کیا میں تمہارے قابل نہیں؟

میں جانتا ہوں تمہاری شادی مہاراجہ بھیم پال کے چھوٹے بھائی سے ہو رہی ہے۔ کیا تم یہ فیصلہ بدل نہیں سکتیں؟ کیا تمہیں وہی راجکمار پسند ہے؟"

"تم خوبصورت جوان ہو لکھمن!" شیلا نے کہا۔ "میرا اپنا کوئی فیصلہ نہیں لیکن اب میں سمجھنے لگی ہوں کہ تم میرے قابل نہیں۔ اُدھر غزنی کے مسلمان ہم پر طوفان کی طرح آ رہے ہیں، متھرا اور مہابن کی تباہی کو میں نے جمنا میں بہتی ہوئی ہزاروں لاشوں کی صورت میں دیکھا ہے۔ متھرا کے مندروں میں مسلمان اذانیں دے رہے ہیں، وہ ہری کرشن واسدیو کا بُت اُٹھا لے گئے ہیں، بلند شہر کے دس ہزار ہندو مسلمان ہو چکے ہیں اور تم مجھے حاصل کرنے کی فکر میں ہو۔ کیا تم میں غیرت نہیں! اب مسلمان قنوج اور منج کو فتح کرتے آ رہے ہیں۔"

"مجھ میں سب کچھ ہے۔" لکھمن پال نے کہا۔ "مگر تمہاری محبت نے مجھے پاگل کر رکھا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم شادی کا فیصلہ بدل سکتی ہو اور میرے ساتھ شادی کر سکتی ہو۔"

"میں کسی کو نہیں چاہتی۔" شیلا نے کہا۔ "نہ مہاراجہ بھیم پال کے بھائی کو نہ تمہیں۔ میں اُسی کو چاہنے لگوں گی جس کے ساتھ میری شادی ہو جائے گی ..... لکھمن پال! میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تمہیں میرے ساتھ محبت نہیں۔ تم میرا حسن اور میرا جسم چاہتے ہو۔ چند برسوں بعد جب میرے چہرے پر نوجوانی کے آثار مدھم پڑنے لگیں گے تو تم ایک اور نوجوان لڑکی لے آؤ گے۔ تمہارے باپ نے اس عمر میں میری عمر کی چمپا رانی سے شادی کی تھی۔ کہاں ہے چمپا رانی؟ متھرا کے قلعے میں غزنی کے ایک جاسوس کے ساتھ بھاگتے ہوئے ماری گئی۔ تم اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلو گے۔ مجھے تم سے محبت نہیں۔"

"پھر میرے بلانے پر کیوں آ گئی ہو؟" لکھمن پال نے پوچھا۔

"ایک شرط لے کر آئی ہوں۔" شیلا نے کہا۔ "اگر پوری کر دو تو تمہاری بیوی بن جاؤں گی۔ اگر میرا بھائی نہیں مانے گا تو وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے پاس آجاؤں گی۔"

iqbalmt@oneurdu.com

"فوراً بتاؤ" — بھیمن پال نے خوش ہو کر کہا — "جو کہو گی کر دکھاؤں گا۔"

"غزنی کے سلطان کو متھرا میں قتل کرنا ہے۔" شیلا نے کہا۔

"متھرا میں کیوں؟" بھیمن پال نے کہا — "میں اُسے میدان میں قتل کروں گا۔ اُس کا سر کاٹ کر تمہارے قدموں میں لا رکھوں گا۔"

"بھیمن!" — شیلا نے سنجیدگی سے کہا — "تم قنوج کی ایک راجپوت لڑکی کے ساتھ باتیں کر رہے ہو۔ مجھے بھتا نے بتایا ہے کہ متھرا کے مندر میں تمام راجوں مہاراجوں نے واسدیو کے قدموں میں بیٹھ کر قسمیں کھائی تھیں کہ محمود کا سر اس بت کے قدموں میں رکھیں گے اور اس کے خون سے کرشن مہاراج کے پاؤں دھوئیں گے۔ کہاں ہیں وہ راجے اور مہاراجے؟ سب بھاگ گئے اور بلند شہر کے راجہ ہردت نے اپنی دس ہزار فوج کی تلواریں محمود کے قدموں میں رکھ کر اُس کا مذہب قبول کر لیا۔ ہمارے ہری کرشن واسدیو کے قدموں تلے سے وہ چبوترا نکل گیا ہے جس پر اُسے پنڈتوں نے کھڑا کیا تھا۔"

"یہ مسلمان لٹیرے ہیں" — بھیمن پال نے کہا — "انہیں سونا مندروں سے ملتا ہے، اس لیے مندر اُجاڑ جاتے ہیں۔"

"بھیمن! ہوش میں آؤ" — شیلا نے کہا — "بھارت ماتا کی عزت کے محافظ صرف راجپوت ہیں اور میں ایک راجپوت کی بیٹی ہوں۔ میرے بھائی نے مجھے جس استاد کے حوالے کیا تھا وہ بہت دانشمند بزرگ ہے۔ میں نے پہلے پہل جب غزنی کے حملوں کے متعلق سنا تھا تو اپنے استاد سے کہا تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان لٹیرے ہیں اور لوٹنے آتے ہیں۔ میں نے اب متھرا کی تباہی کی خبر سنی تو بھی اس سے پوچھا تھا کہ مسلمان صرف لوٹنے آئے ہیں یا ہمارے علاقوں پر قبضہ کر لیں گے؟.... اُس نے مجھے بتایا ہے کہ محمود غزنوی لٹیرا نہیں۔ وہ ہمارے مذہب کو ختم کرنے اور اپنا مذہب پھیلانے آیا ہے۔ استاد نے کہا ہے کہ لٹیرے کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ اگر محمود کو مذہب کی بجائے دولت سے دلچسپی ہوتی تو راجہ ہردت اپنی فوج کے ساتھ اُس کا مذہب قبول نہ کرتا....

"اور میں نے استاد سے پوچھا تھا کہ مسلمان عورتیں کیسی ہوتی ہیں؟ کیا وہ ہندو راجپوتوں کی عورتوں کی طرح دلیر ہوتی ہیں؟ استاد نے بتایا ہے کہ وطن سے اتنی دور آ کر لڑنے اور فتح پانے والے سپاہیوں کی مائیں یقیناً دلیر ہوتی ہیں۔ مسلمان عورتیں غیر مسلموں کے خلاف جنگ میں اپنے بیٹوں کو بھیج کر فخر کرتی ہیں.... بھیمن! تم جنہیں لٹیرا کہہ رہے ہو وہ کسی معمولی قوم کے لوگ نہیں۔ میں ان کا مقابلہ کرنا چاہتی ہوں۔ میں اپنی قوم کو بتانا چاہتی ہوں کہ ہندو راجپوت عورت مسلمان عورت سے زیادہ دلیر ہوتی ہے۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ تم نہیں مانو گے تو میں فوج کے کسی سپاہی کو ساتھ لے لوں گی اور محمود غزنوی کو قتل کروں گی۔ اگر میں زندہ رہی تو اپنا آپ ہمیشہ کے لیے اس سپاہی کے حوالے کر دوں گی.... کہو، تم محمود کو قتل کرو گے؟"

"تمہاری خاطر تمہاری شرط پوری کروں گا۔"

"میری خاطر نہیں" — شیلا نے کہا — "اپنے دھرم اور اپنے دیس کی خاطر.... اگر پیٹھ دکھا جاؤ گے تو میں، میری بھتیجی رادھا اور تمہاری بہنیں مسلمانوں کے خیموں میں ہوں گی اور وہ مسلمان بچوں کو جنم دیں گی۔"

"میں محمود کو قتل کروں گا۔"

"متھرا میں" — شیلا نے کہا — "وہ مر گیا تو اُس کی فوج بیکار ہو جائے گی۔ وہ متھرا سے آگے نہ آئے۔ تم برہمن ہو۔ برہمن کو اپنے مذہب کا زیادہ خیال ہوتا ہے۔ میری رگوں میں راجپوت کا خون ہے۔ میں تمہیں صاف بتا دیتی ہوں کہ میرے دل میں تمہاری وہ محبت نہیں جو تم اپنے دل میں بٹھائے ہوئے ہو لیکن میں وعدہ کرتی ہوں کہ محمود کو قتل کر دو تو ساری عمر تمہاری غلام رہوں گی۔"

"اور اگر میں مارا گیا؟"

"تو تمہاری چتا پر کھڑی ہو کر زندہ جل جاؤں گی۔"

بھیمن اور شیلا دربان کے روکنے کے باوجود اُس کمرے میں داخل ہو گئے جس میں قنوج کا راجیا پال اور منج کا رائے چندرا اپنے مشیروں، وزیروں اور فوج کے اعلیٰ افسروں کے ساتھ بیٹھے

iqbalmt@oneurdu.com

محمود غزنوی کو ہندوستان سے نکالنے کے منصوبے تیار کر رہے تھے۔ راجیپال نے دونوں کو دیکھ کر کہا کہ وہ چلے جائیں۔

"ہم اسی کام کے لیے آئے ہیں جس پر آپ غور کر رہے ہیں"۔ بھیم پال نے کہا — "بدتمیزی کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ نے جو کچھ بھی سوچا ہے اسے ذرا الگ رکھ دیں ... کیا آپ نے یہ سوچا ہے کہ غزنی کے سلطان کو متھرا میں قتل کیا جا سکتا ہے؟ اس کے قتل سے اس کی ساری فوج آپ کی قیدی ہوگی"۔

سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ راجیپال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"ہم نے ابھی یہ نہیں سوچا"۔ رائے چندا نے کہا — "اس کام کے لیے بہت دلیر اور بڑے ہی عقلمند آدمیوں کی ضرورت ہے"۔

"اور ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو محمود غزنوی کو اپنا ذاتی دشمن سمجھیں"۔ — بھیم پال نے کہا — "کرائے کے قاتل یہ کام نہیں کر سکیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کرائے کے قاتل وہاں جا کر مسلمانوں سے انعام و اکرام لے لیں اور انہی کے ہو کے رہ جائیں۔ یہ کام کوئی راجکمار کر سکتا ہے"۔

"ایسا راجکمار کون ہو سکتا ہے"؟ راجیپال نے پوچھا۔

"وہ آپ کے سامنے کھڑا ہے"۔ بھیم پال نے کہا — "وہ میں ہوں ... بھیم پال"۔

رائے چندا نے مہاراجہ راجیپال کے کندھے پر ہاتھ مار کر بھیم پال سے کہا "راجکمار! تم نے اپنے باپ کا سر فخر سے اونچا کر دیا ہے۔ اگر میرا کوئی بیٹا ہوتا تو میں اسے تمہارے ساتھ بھیجتا"۔

"ہاں بھیم!" — اس کے باپ راجیپال نے کہا — "اگر تم یہ کام کر سکو تو غزنی کا سب بھی مر جائے گا اور ہماری فوج کی لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی"۔

"کیا آپ اس کام کو آسان سمجھتے ہیں؟" — ایک بوڑھے فوجی مشیر نے کہا — "کیا آپ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ لڑکا متھرا جائے گا اور غزنی کے سلطان کے دل میں خنجر اتار کر اسی طرح واپس آ جائے گا جس طرح یہ اب کھڑا ہے؟"

"میں بھارت ماتا پر اپنی جان قربان کرنے کا عہد کر چکا ہوں"۔ — بھیم پال نے کہا۔

"اور غزنی کا سلطان یہ عہد کر کے آیا ہے کہ یہاں کسی مندر کو اور کسی مہاراجے کی راجدھانی

کو سلامت نہیں رہنے دے گا"۔ بوڑھے مشیر نے کہا — "ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ محمود غزنوی کے بازو بڑے لمبے ہیں۔ ہماری کوئی بات اور کوئی حرکت اس سے پوشیدہ نہیں۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ جس محافظ کو ہم اپنا سب سے زیادہ قابلِ اعتماد سمجھتے رہے ہیں اور جو راج محل کے اُن رازوں سے بھی واقف تھا جن سے راجکمار بھی واقف نہیں ہوتے، وہ غزنی کا جاسوس تھا"۔

"اس کے باوجود میں اُسے قتل کرنے جاؤں گا"۔ بھیم پال نے کہا — "مجھے ایسے کام کا کوئی تجربہ نہیں۔ مجھے بتا دیں کہ ایسے کام کس طرح کیے جاتے ہیں"۔

اس کے باپ مہاراجہ راجیپال نے اس بوڑھے فوجی اور اپنے وزیر سے کہا کہ وہ بھیم کو محمود غزنوی کے قتل کے لیے تیار کریں۔ اس نے کہا — "میں اپنے بیٹے کو اپنے دھرم اور دھرتی پر قربان کرتا ہوں"۔

"سب سے پہلے ذہن سے یہ خیال نکال دو کہ تمہارا مقابلہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کے ساتھ ہے"۔ — دوسرے دن دو تجربہ کار بوڑھے بھیم پال کو بتا رہے تھے — "محمود غزنوی صحیح معنوں میں جنگجو ہے اور اس کے سامنے جنگ کا ایک مقصد ہے۔ وہ اپنے ساتھ اپنا مذہب لایا ہے۔ اسے میدان میں شکست دینا آسان نہیں۔ اس کی عقل تک ہمارے مہاراجے نہیں پہنچ سکتے ... اور اُس تک اس طرح نہیں پہنچ سکتے کہ اُسے جا ملو اور قتل کر دو۔ صرف ایک بات یاد رکھو۔ مذہب کا کوئی کتنا ہی پابند کیوں نہ ہو، وہ ہوتا انسان ہے اور انسان کی سب سے بڑی کمزوری عورت ہے اور عورت کی سب سے بڑی کمزوری مرد ہے۔ تم ایک بہروپ میں متھرا جاؤ گے ....

"بہروپ یہ ہوگا کہ تم قنوج کے جنگلوں میں بسنے والے ایک قبیلے کے سردار ہو۔ قبیلہ جنگجو ہے اور اُس کی تعداد پندرہ ہزار سے زیادہ ہے۔ تم کہو گے کہ مہاراجہ قنوج نے اس قبیلے کو غزنی کی فوج کے خلاف لڑنے کے لیے تیار کر لیا ہے، مگر تم جو اس قبیلے کے سردار ہو مسلمانوں کے خلاف نہیں لڑنا چاہتے۔ اس کی بجائے تم راجہ بردت کی طرح اپنے تمام قبیلے سمیت مسلمان ہونا چاہتے ہو۔ یاد رکھو راجکمار! تمہیں سلطان محمود تک کوئی

iqbalmt@oneurdu.com

نہیں جانے دے گا۔ تم کہو گے کہ ایک دو راز کی باتیں ہیں جو تم صرف سلطان کو بتانا چاہتے ہو۔ اس کے باوجود تمہیں سلطان سے نہ ملنے دیں تو کہنا سلطان خفیہ طریقے سے قتل ہو جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ ملاقات کی اجازت دے دیں گے۔"

"آپ نے عورت کا ذکر کیا تھا" کھیمن پال نے کہا ۔۔۔ "اس سے آپ کا مطلب کیا ہے؟"

"تمہارے ساتھ کم از کم دو نہایت خوبصورت اور جوان عورتیں ہونی چاہئیں" ۔۔۔ استاد نے کہا ۔۔۔ "انہیں بیٹیاں ظاہر کرو گے" ۔۔۔ اُس نے رازداری سے کہا ۔۔۔ "اگر یہ عورتیں عقل مند ہوں تو سلطان کی فوج کے سالاروں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا سکتی ہیں۔ مجھے یہ بھی توقع ہے کہ سلطان بھی ان عورتوں پر فریفتہ ہو جائے گا۔ اگر وہ انہیں اپنے ساتھ رکھنے کو کہے تو مان جانا۔ ان کے پاس زہر ہونا چاہیے جو وہ اُسے شربت یا شراب میں پلا سکتی ہیں۔ ہم تمہیں ایسی دو جوان لڑکیاں دے دیں گے۔ تمہیں جنگلی قبیلے کے سرداروں جیسا لباس پہنائیں گے۔"

فوجی مشیر اور وزیر نے جو جاسوسی اور جنگ کا تجربہ رکھتا تھا کھیمن پال کو عملی تربیت دینی شروع کر دی کہ وہ محمود غزنوی کو کس طرح قتل کرے گا اور وہاں سے کس طرح نکلے گا۔

"ایک عورت میں خود ہوں گی اور دوسری میری بھتیجی رادھا ہو گی" ۔۔۔ رائے چندا کی بہن شیلا کھیمن پال سے کہہ رہی تھی۔ کھیمن پال اُسے رات کو ملا تھا اور اُسے بتایا تھا کہ اُس کے استادوں نے اُسے کس طرح تیار کیا ہے اور کہا ہے کہ دو جوان اور خوبصورت عورتوں کا ہونا لازمی ہے۔ شیلا نے رادھا کو بھی بلا لیا اور اُسے بتایا کہ وہ کیا فیصلہ کر چکی ہے اور کھیمن پال کس کام کے لیے جا رہا ہے۔ رادھا نے فوراً رضامندی کا اظہار کر دیا۔ تینوں رائے چندا کے پاس چلے گئے .... وہ کچھ ہچکچایا۔

"یہاں لڑکیوں کو مندروں میں قربان کر دیا جاتا ہے" ۔۔۔ رادھا نے کہا۔ "آپ

iqbalmt@oneurdu.com

خود کہتے ہیں کہ انسانی قربانی سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ ہم دونوں جو قربانی دینے جا رہی ہیں، اس سے آپ کو بہت کچھ حاصل ہو گا۔ اگر کھیمن پال کے ساتھ کوئی اور عورتیں گئیں تو وہ اسے دھوکہ دے سکتی ہیں۔"

شیلا اور رادھا کا حسن اور ان کے جسموں کی دلکشی سارے علاقے میں مشہور تھی۔ ان کی بہادری پر بھی کسی کو شک نہیں تھا۔ ان میں عقل بھی تھی اور وہ محمود غزنوی کے قتل کو اپنا ذاتی فرض سمجھتی تھیں۔ دونوں نے اپنے باپ اور کھیمن پال کو مجبور کیا کہ وہ اُس کے ساتھ چلی جائیں۔

ان سب کے لیے ایسے جنگلی قبیلے کا لباس تیار کیا گیا جس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ان کے ساتھ دو قابل اعتماد اور دلیر فوجیوں کو ان کے نوکروں اور محافظوں کے لباس میں تیار کیا گیا۔ شیلا اور رادھا کو ایسا لباس پہنایا گیا جس میں اُن کی ٹانگیں گھٹنوں کے اوپر تک اور کندھے اور سینے اور پیٹ کا کچھ حصہ اور بازو ننگے تھے۔ اُن کے بال کھول دیئے گئے۔ اس لباس میں اُن کا جسمانی حسن اور دلکشی ایسی نکھری کہ دیکھنے والے اُن سے نظریں نہیں ہٹا سکتے تھے۔ کھیمن پال بھی جنگلی لباس میں نیم عریاں تھا۔ اُس کا گورا جسم تنومند اور بہت خوبصورت لگتا تھا۔

انہیں محمود غزنوی کو دینے کے لیے جو تحفے دیئے گئے ان میں دو انسانی کھوپڑیاں، دو چیتوں کی کھالیں، اس علاقے کے دو زندہ ہرن اور سونے کا ایک چھوٹا سا بت تھا جس کا اوپر کا دھڑ انسان کا اور باقی دھڑ گھوڑے کا تھا۔ اس کے متعلق انہیں سلطان محمود کو یہ بتانا تھا کہ وہ اس بت کی پوجا کیا کرتے ہیں مگر اب مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔

رات کو یہ قافلہ گھوڑوں پر سوار ہو کر قنوج سے نکلا۔ انہیں مہابن کے جنگل کے قریب جا کر دریائے جمنا پار کرنا تھا جو قنوج سے تقریباً ایک سو پچیس میل دور تھا۔ اُن کے کھانے پینے کا سامان دو خچروں پر لدا ہوا تھا۔ انہیں مہابن کے جنگل میں سے گذر کر متھرا تک پہنچنا تھا۔

سلطان محمود غزنوی ابھی متھرا میں تھا۔ یہ جگہ اُسے بہت ہی اچھی لگی تھی۔ متھرا مندروں کا شہر تھا۔ مسلمان سپاہی مندروں کو آگ لگا رہے تھے۔ بڑے مندر کے صحن میں جو ہندوؤں کے کرشن مہاراج کی جائے پیدائش تھا، فوجی نماز باجماعت پڑھتے تھے۔ وہاں کے ہندو ایسے گئے گذرے بھی نہیں تھے کہ اپنے مذہب اور دیوتاؤں کی توہین برداشت کر لیتے۔ انہوں نے غزنی کے چند ایک فوجیوں کو دھوکہ دے کر قتل کر دیا تھا اور تخریبی کارروائیاں بھی کی تھیں۔ سلطان محمود نے حکم دے دیا تھا کہ شہر کو کھنڈر بنا دیا جائے اور انسانی سانپوں کو زندہ رہنے کے قابل نہ رہنے دیا جائے۔ چنانچہ شہر جل رہا تھا اور محمود غزنوی اپنی فوج کو قنوج کی طرف پیشقدمی کے لیے تیار کر رہا تھا۔ اس کے سامنے فوج کا خطیب اور بڑے دستوں (ڈویژنوں) کے امام جو غزنی سے ہمیشہ فوج کے ساتھ آیا کرتے تھے، بیٹھے تھے اور ان کے ساتھ اُس کے سالار، نائب سالار اور کماندار بھی تھے۔

"ہم قنوج کی طرف پیشقدمی کرنے والے ہیں"۔ سلطان محمود غزنوی نے کہا ___ آپ کو اس علاقے کا نقشہ دکھانے اور اپنا منصوبہ بتانے سے پہلے کچھ اہم باتیں کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں اتنی بڑی فوج کو اکٹھا کر کے خطاب نہیں کر سکتا۔ آپ سب اپنے سپاہیوں تک میرا پیغام لفظ بہ لفظ پہنچا دیں۔ خطیب اور امام نماز کے بعد سب کو میرا پیغام سنائیں۔ انہیں بتائیں کہ یہ جنگ میری نہیں، ان کی ذاتی نہیں، یہ خدا اور رسولؐ کی جنگ ہے۔ ہم یہاں کفر کے اُس فتنے کو ختم کرنے آئے ہیں جس کے متعلق خدا کا حکم ہے کہ اُس وقت تک لڑو جب تک کفر کا فتنہ ختم نہیں ہو جاتا۔ اگر میں ہندوستان میں بار بار نہ آتا تو یہ ہندو غزنی کو فتح کر کے خانہ کعبہ کی طرف بڑھ رہے ہوتے۔ اُدھر یہودیوں اور عیسائیوں کا فتنہ ہے۔ ہم ایک طرف توجہ دے سکتے ہیں۔ میں نے ہندوستان کے بُت خانے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے اسے دارالاسلام بنانے کا تہیہ کر رکھا ہے....

مجھے اپنی سلطنت کی توسیع کا کوئی لالچ نہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں نے لاہور کے مہاراجوں کو کتنی بار شکست دی ہے مگر اس خطے کو اپنی سلطنت میں شامل نہیں کیا....

"ساری فوج سے کہہ دو کہ ہم وطن سے دُور صرف خدائے ذوالجلال کے بھروسے

پر آئے ہیں اور خدا صرف اس لیے ہماری مدد کر رہا ہے کہ ہم اُس کا عظیم پیغام اور ایمان ساتھ لائے ہیں۔ اگر مجھے دولت اور زروجواہرات کا لالچ ہوتا تو میں بار بار یہاں نہ آتا۔ ایک ہی بار لوٹ مار کر کے غزنی میں تخت پر بیٹھ کر عیش کرتا مگر میں ہر بار یہاں خودکشی کرنے آتا ہوں۔ ہر بار توقع ہوتی ہے کہ زندہ واپس نہیں جا سکوں گا لیکن خدا مجھے ہر بار نئی زندگی عطا کرتا ہے۔ یہ ثبوت ہے کہ خدا مجھ سے ہی اس عظیم مقصد کی تکمیل کرانا چاہتا ہے جس کے لیے ہم ہندوستان میں آتے ہیں۔ اب مجھے پتہ چلا ہے کہ قنوج میں مجھے قتل کرنے کے منصوبے بن رہے ہیں۔ میں کسی بھی وقت، کسی بھی جگہ، اس کمرے میں بیٹھے بیٹھے قتل ہو سکتا ہوں لیکن مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ ہے۔ میرے اندر سے آواز آ رہی ہے کہ میں قتل نہیں ہوں گا۔ یہ آواز خدا کی ہے....

"ساری فوج کو ایک بار پھر بتا دو کہ جہاد نماز سے افضل ہے۔ اسلام کا یہ نظریہ یاد رکھو کہ تم نماز پڑھ رہے ہو اور تمہارے سامنے سانپ آ جائے تو نماز چھوڑ دو اور سانپ کو مار دو۔ میں آپ کو نماز چھوڑنے کا مشورہ نہیں دے رہا۔ میں کہہ رہا ہوں کہ کوئی مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ وہ صرف نماز سے خدا کی خوشنودی حاصل کر لے گا تو وہ خوش فہمی میں مبتلا ہے۔ جب تک آپ اس سانپ کو نہیں ماریں گے جس کا نام ہندو ہے، آپ خدا کی خوشنودی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ میں آپ کو آج بتا دیتا ہوں کہ اس ملک میں اگر ہندوؤں کو بالادستی حاصل رہی تو وہ مسلمانوں کے لیے زندگی جہنم بنائے رکھیں گے۔ یہ ملک مسلمانوں کی قتل گاہ بنا رہے گا۔ اپنے سپاہیوں کو بتائیں کہ تمہیں اپنے ان ساتھیوں کے خون کا خراج ادا کرنا ہے جو یہاں شہید ہوتے ہیں اور ان کی لاشیں اپنے وطن واپس نہیں جا سکیں گی...

"میں اپنی فوج کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کا یہ خطہ جہاں ہم بیٹھے ہیں بڑا ہی دلفریب ہے۔ یہاں کے لوگ بھی حسین اور دلفریب ہیں۔ میں خود اس علاقے سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ گنگا اور جمنا نے مل کر اس خطے کو جو حسن اور دلکشی بخشی ہے، یہ انسانوں کو مسحور کر لیتی ہے۔ تم نے یہاں کی عورتیں دیکھی ہیں۔ میں ان کے حسن میں خطرے دیکھ رہا ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا کوئی عسکری اس جادو کا شکار ہو جائے۔ اپنے

iqbalmt@oneurdu.com

اور عورت کا سحر طاری کرنے والے کو کبھی فتح نصیب نہیں ہوتی۔ ہر فوجی کو، خواہ وہ سالار ہے یا سپاہی، خبردار کر دو کہ کسی نے خدا کے احکام کی خلاف ورزی کی تو میں اُسے فوراً خدا کے پاس پہنچا دوں گا تاکہ وہ دوزخ کی آگ میں جلے۔ میرے پاس ایسے آدمی کے لیے سزائے موت سے کم کوئی سزا نہیں۔"

سلطان محمود نے خطیب اور اماموں کو رخصت کر دیا اور سالاروں اور دیگر کمانداروں کے سامنے متھرا سے قنوج تک کا نقشہ پھیلا کر بتلانے لگا کہ پیش قدمی کا راستہ کون سا ہوگا۔ اُسے جاسوسوں نے مکمل معلومات دے دی تھیں۔ جاسوسوں کے علاوہ اُس کے اپنے کماندار بھیس بدل کر قنوج تک ہو آئے تھے۔

"راستے میں منج کا قلعہ آئے گا"۔ سلطان محمود نے کہا۔ "یہ راجپوتوں کا شہر ہے اور یہ راجپوت بہت دلیر ہیں۔ لڑنے میں ہندوستان کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہمیں سب سے پہلے انہیں ختم کرنا ہے، ورنہ یہ ہمیں اُس وقت پریشان کریں گے جب ہم قنوج کو محاصرے میں لے لیں گے .... جاسوسوں نے تصدیق کر دی ہے کہ لاہور کا مہاراجہ بھیم پال نِڈر اسی علاقے میں کہیں موجود ہے اور وہ یہاں کے چھوٹے بڑے راجوں مہاراجوں کو میرے خلاف متحد کرتا پھر رہا ہے۔ اُس کے بھائی بھی اُس کے ساتھ ہیں۔ بھیم پال کو زندہ پکڑنا ہے۔ کچھ اس قسم کی اطلاع بھی ملی ہے کہ اُس کی فوج بھی اِدھر آ رہی ہے۔ ہمیں ہوشیار اور چوکنا رہنا پڑے گا۔"

سلطان محمود نے ساتویں روز متھرا سے کوچ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُس نے کمک کے لیے کچھ دستے متھرا میں رہنے دیئے اور جنگ میں نام پیدا کرنے والے دستوں کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا۔

یہ طلوعِ آفتاب کا وقت تھا۔ سورج اُبھر آ رہا تھا۔ مہاراجہ راجیا پال کا بیٹا کھمن پال ایک خیالی جنگل قبیلے کے سردار کے بھیس میں، شیلا، رادھا اور دو مددگار نوجوانوں کے ساتھ مہابن کے جنگل کے سامنے والے کنارے تک پہنچ چکا تھا۔ وہ تیسری رات یہاں پہنچے اور رات یہاں ہی گزاری تھی۔ دسمبر جنوری کے دن تھے۔ سردی سخت تھی، ان

iqbalmt@oneurdu.com

ان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ رات کو یہاں پہنچے تھے اور دیکھ نہیں سکتے تھے کہ یہ دریا کا ایسا کنارہ ہے جو ایک جگہ سے اتنا اندر کو آ گیا ہے کہ جھیل بنا ہوا ہے اور یہ جھیل مگرمچھوں کا مسکن ہے۔ اگر سردی اتنی زیادہ نہ ہوتی تو مگرمچھ انہیں زندہ نہ رہنے دیتے۔

یہاں قریب کہیں سے انہیں دریائے جمنا پار کرنا تھا۔ کھمن پال اور شیلا جاگ اُٹھے۔ رادھا اور اُن کے دو ساتھی جو تجربہ کار اور دلیر فوجی تھے، ابھی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ کھمن پال نے شیلا سے کہا کہ وہ اکیلا کچھ دُور آگے جائے گا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ دریا پر کشتی ران مل جاتے ہیں جو اُجرت پر دریا پار کرا دیتے ہیں۔ وہ چلا تو شیلا بھی کچھ دُور تک اُس کے ساتھ چل پڑی۔ یہ علاقہ گھنا جنگل تھا۔ جھاڑیاں بھی تھیں۔ رات کو وہ یہ علاقہ نہیں دیکھ سکے تھے۔ اب سورج طلوع ہو چکا تھا۔ انہیں سوائے درختوں، جھاڑیوں اور کہیں کہیں ٹیلوں ٹیکریوں کے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ دونوں چپ چاپ جا رہے تھے۔

"تم اتنے خاموش کیوں ہو کھمن؟" — شیلا نے رُک کر پوچھا۔ — "ایسی خاموشی خوف کی علامت ہوتی ہے۔"

"خوف نہیں شیلا!" — کھمن بھی رُک گیا اور شیلا کو سر سے پاؤں تک دیکھ کر بولا — "میں کچھ سوچ رہا ہوں ...... تم بہت ہی خوبصورت ہو۔ تمہیں احساس نہیں کہ اس جنگلی لباس میں تم کتنی زیادہ خوبصورت لگ رہی ہو۔ میرے استاد نے ایک بار مجھے کہا تھا کہ انسان اپنے قدرتی رنگ میں رہے تو اُس کی صحت اور اُس کے چہرے کی رونق بڑھاپے میں بھی ماند نہیں پڑتی۔ جی میں آتی ہے ہم اسی حلیے اور اسی بھیس میں خون خرابے کی دنیا سے دُور اسی جنگل میں رہیں ...... میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ تمہارے بال اس قدر ریشمی اور اتنے دلکش ہیں۔ میں تمہاری کس کس چیز کی تعریف کروں۔"

شیلا پر جیسے کچھ اثر ہی نہ ہوا ہو۔ وہ اُسے چپ چاپ دیکھتی رہی۔ کھمن پر جیسے نشہ طاری ہو گیا ہو۔ وہ شیلا کی طرف بڑھا اور بازو یوں پھیلا دیئے جیسے حُسن کے اس شاہکار کو بازوؤں میں سمیٹ لینا چاہتا ہو مگر شیلا پیچھے ہٹ گئی۔

"ہوش میں آؤ کھمن!" — شیلا نے دھیمی مگر پُرعزم آواز میں کہا — "جاگو۔ یاد کرو ہم اِدھر کیوں آئے ہیں۔ اپنی مردانگی اور جرأت پر عورت کے حسن اور جسم کو [illegible] دو۔ یہ موت ہے

کھیلنے آئے ہیں۔"

"میں ہوش میں ہوں راجکماری!" لچھمن نے کہا۔ "جانتا ہوں کہ ہم موت سے کھیلنے آئے ہیں مگر ڈرتا ہوں کہ تمہارے جل پری جیسے اس جسم کے ساتھ مسلمان کھیلیں گے۔" وہ اچانک بے تاب ہو گیا اور بولا۔ "تم یہیں رہو۔ میں اکیلا متھرا جاؤں گا۔ غزنی کے سلطان کے سامنے جا کر اُسے کوئی دھوکہ دیئے بغیر قتل کر دوں گا۔ تم اور رادھا واپس چلی جاؤ۔ میں تمہارے لیے مر جاؤں گا..... لیکن ایک بار شیلا! صرف ایک بار..... ذرا سی دیر کے لیے میرے بازوؤں میں آجاؤ۔ میں ڈر رہا ہوں۔ اپنی موت سے نہیں، میں اُس وقت سے ڈر رہا ہوں جب وہ مجھے پکڑ کر قتل کر دیں گے اور تمہیں اور رادھا کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

"لچھمن!" شیلا نے گرج کر کہا۔ "چلے جاؤ۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ میں اپنا آپ تم سے بچا نہیں رہی۔ میں تم سے دور نہیں ہٹ رہی۔ میں ہمیشہ کے لیے تمہاری ہوں مگر اب نہیں۔ اگر ایک بار میرے ننگے بازو تمہارے عریاں کندھوں سے چھو گئے تو تم بھول جاؤ گے کہ ہم یہاں کیوں آئے تھے۔ میرے چہرے میں غزنی کے سلطان کو دیکھو۔ میری آنکھوں میں اپنی عزت کو دیکھو..... جاؤ! چلے جاؤ۔ کوئی کشتی دیکھو۔ ہمیں جمنا پار جانا ہے۔"

لچھمن پال گٹھے ہوئے جسم کا جنگجو جوان تھا۔ اُس کا سراپا بتا رہا تھا کہ تلوار کا دھنی ہے۔ اُس نے شیلا کو نظر بھر کر دیکھا اور یہ کہہ کر چلا گیا۔ "میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔ میں بھارت ماتا کو مایوس نہیں کروں گا..... میں کشتی کا بندوبست کر کے ابھی آیا۔" اور وہ دوڑ پڑا۔ شیلا اُسے جاتا دیکھتی رہی۔ جنگل کی جھاڑیوں نے لچھمن کو اُس کی نظروں سے اوجھل کر دیا تو بھی وہ اُدھر ہی دیکھتی رہی۔

اپنے قریب شیلا کو کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے اطمینان سے گھوم کر دیکھا۔ اس غیر آباد جنگل میں کون ہو سکتا تھا۔ غزنی کی فوج وہاں سے بیس پچیس میل دور متھرا میں تھی۔ یہاں کوئی اور انسان نہیں ہو سکتا تھا، مگر وہ ایک انسان تھا جو آنکھیں پھاڑے ہوئے اُسے دیکھتا آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر سیاہ داڑھی تھی۔

اُس کا لباس اس خطے کے لوگوں جیسا تھا۔ وہ سراپا ہندوستانی تھا۔ اُس کا چہرہ بھرا بھرا اور پُرشباب تھا۔ وہ شیلا کے قریب آ کر رکا۔

"شیلا؟" اُس آدمی نے پوچھا۔ "مجھے دھوکہ تو نہیں ہو رہا؟ تم منج کے راجے چندا کی بہن نہیں ہو؟..... تم جنگل کی مٹی نہیں ہو۔ میں تمہیں کل سے چھپ چھپ کر دیکھتا آرہا ہوں۔ یہ لچھمن ہے نا جو ابھی تمہارے پاس کھڑا تھا؟ مہاراجہ قنوج کا راجکمار؟"

"اور تم کون ہو؟" شیلا نے سرگوشی میں پوچھا۔

اُس آدمی نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا تو داڑھی اُس کے ہاتھ میں آگئی۔ شیلا کے سامنے ایک جوان چہرہ آگیا جو لچھمن پال کی طرح خوبرو تھا اور شباب سے دمک رہا تھا۔ عمر لچھمن جیسی تھی۔

"اوہ!" شیلا نے مسکرا کر کہا۔ "ترلوچن پال! تم یہیں ہو ابھی؟..... تمہیں یہیں ہونا چاہیئے۔"

"مگر تمہیں یہاں نہیں ہونا چاہیئے۔" ترلوچن پال نے کہا۔ "میں چند روز پہلے تمہارے بھائی سے ملنے گیا تھا تو تمہارے ساتھ بھی ملاقات ہوئی تھی۔ اس سے پہلے میں نے تمہیں اُس وقت دیکھا تھا جب تم اپنے بھائی کے ساتھ لاہور آئی تھیں۔ اگر میں چند روز پہلے تمہیں منج میں نہ دیکھتا تو میں اس حلیے میں تمہیں نہ پہچان سکتا۔ تمہارے گورے چٹے کندھوں پر بکھرے ہوئے یہ چمکیلے بھورے بال دیکھ کر اس بیابان میں تمہیں کوئی کسی بڑی خوبصورت لڑکی کی بھٹکتی ہوئی روح سمجھے گا اور کوئی تمہیں جنگل کی شہزادی کہے گا۔ میں کل سے چھپ چھپ کر تمہیں دیکھتا آرہا ہوں۔ تم جانتی ہو میں یہاں کیا کر رہا ہوں۔ میں غزنی کی فوج کی اگلی پیشقدمی دیکھ رہا ہوں۔ مہاراج بھیم پال یہاں سے تھوڑی ہی دور ہیں..... تمہارے ساتھ راجکماری رادھا ہے..... لیکن یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟ تم لوگ کہیں بھاگے جا رہے ہو؟"

وہ لاہور کے مہاراجہ بھیم پال نندر کا چھوٹا بھائی ترلوچن پال تھا۔ شیلا کی شادی اُس کے ساتھ ہو رہی تھی۔ سلطان محمود غزنوی کو صحیح اطلاع ملی تھی کہ بھیم پال نندر بھی یہیں کہیں موجود ہے اور اُس کے بھائی بھی اس کے ساتھ ہیں اور وہ یہاں راجوں

iqbalmt@oneurdu.com

مہاراجوں کو سلطان کے خلاف متحد کرتا پھر رہا ہے۔ اس سلسلے میں اُس کا چھوٹا بھائی ترلوچن پال بہروپیہ میں مُنج بھی گیا تھا اور قنوج بھی۔ اس سلسلے میں گھومتے پھرتے اُسے شیلا کا یہ عجیب و غریب قافلہ نظر آ گیا۔ وہ چھُپ کر اُن کا تعاقب کرتا رہا۔ آخر صبح بھیمن اور شیلا کو یہاں دیکھا۔ بھیمن چلا گیا اور شیلا اکیلی رہ گئی۔

ترلوچن پال سے چھپانے کی ضرورت نہیں تھی کہ یہ قافلہ کہاں جا رہا ہے۔ شیلا نے اُسے بتایا کہ وہ سلطان محمود کو قتل کرنے جا رہے ہیں۔

"کیا تمہارا بھائی راجے چندرا اپنی بہن اور بیٹی سے لڑنا چاہتا ہے؟" ترلوچن نے کہا۔ "راجپوتوں کی غیرت کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا وہ مسلمانوں سے ڈر گیا ہے؟ ہم اُسے یقین دلا چکے ہیں کہ اگر محمود نے اُسے شکست دے دی تو ہم اس کی شکست کا انتقام لیں گے۔ ہم ابھی اپنی فوج سامنے نہیں لائے۔ ہم نے یہ سوچا ہے کہ سلطان محمود یہاں لڑ لڑ کر اور قلعے فتح کر کر کے تھک جائے اور اس کی فوج کمزور ہو جائے تو ہم اس پر حملہ کر کے اُسے ختم کر دیں گے۔ بے شک ہم سلطان کے باجگزار ہیں لیکن ہم موقع کی تلاش میں ہیں۔ اُسے قتل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر اُسے قتل کرنا ہی ہے تو بھیمن پال جائے۔ اس کے ساتھ دو آدمی ہیں۔ تم اور رادھا یہیں سے واپس چلو۔"

شیلا نے اُسے بتایا کہ وہ اپنی مرضی سے آئی ہیں۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ وہ اور رادھا کس طرح سلطان محمود اور اس کے سالاروں کو دھوکہ دیں گی۔ ترلوچن پال نے اُسے کہا کہ مسلمان اتنی جلدی دھوکے میں نہیں آئیں گے البتہ وہ خود ہی دھوکے میں آ کر غزنی پہنچا دی جائیں گی اور انہیں رقاصہ بنا دیا جائے گا یا سالاروں کی داشتائیں بنی رہیں گی۔ شیلا نے اُسے راجپوتی غیرت یاد دلائی۔ اپنا عزم بتایا مگر ترلوچن پال کی غیرت گوارا نہیں کر رہی تھی کہ جس لڑکی کے ساتھ اُس کی شادی ہونی ہے وہ اتنے بڑے خطرے میں جائے۔

"پھر میری جگہ تم جاؤ"۔ شیلا نے اُسے غصے سے کہا۔ "تم بزدلوں اور چوروں کی طرح جنگلوں میں بھیس بدل کر مارے مارے پھر رہے ہو۔ تم غزنی کے باجگزار ہو تو یہ

iqbalmt@oneurdu.com

بھی تمہاری بزدلی کا ثبوت ہے۔ تم مسلمانوں سے ڈرتے ہو۔ سلطان نے تمہارے پاؤں میں بیڑیاں نہیں ڈال رکھیں۔ اپنی فوج کو یہاں لاؤ اور سلطان کو للکار کر کہو کہ تم اُسے باج نہیں دو گے۔ یہاں متھرا کے مندر تباہ ہو گئے۔ تم وہاں مسلمانوں کی اذانیں سن رہے ہو مگر تمہاری غیرت سو رہی ہے اور تم دوسروں کو بھڑکاتے پھر رہے ہو۔ میری غیرت مجھے گھر سے نکال لائی ہے۔"

"تم میری ہونے والی بیوی ہو"۔ ترلوچن پال نے غصے سے کہا۔ "میری منگیتر ہو۔ میں تمہیں آگے نہیں جانے دوں گا۔"

"میں کسی کی ہونے والی بیوی نہیں"۔ شیلا نے کہا۔ "میں اُس کی بیوی بنوں گی جو سلطان محمود کو قتل کرے گا، اور وہ بھیمن پال ہو گا۔ وہ مارا گیا تو محمود میرے ہاتھوں قتل ہو گا۔ رادھا کے ہاتھوں قتل ہو گا۔ اس مسلمان کی جان اب میری مٹھی میں ہے۔" اُس نے مٹھی بند کر کے اور دانت پیس کر کہا۔ "میرے یہ ہاتھ مہندی سے نہیں محمود کے خون سے لال ہوں گے۔ مُنج کی کوئی راجپوت لڑکی کسی مسلمان کے ہاتھ نہیں آئے گی۔ یہ تمہارے باپ دادا تھے جنہوں نے غزنی والوں سے شکست پہ شکست کھائی اور تم خزانہ باج میں لٹا رہے ہو۔ یہ میرے بھائی کا فیصلہ تھا کہ میری شادی تمہارے ساتھ ہو گی۔ میرا فیصلہ سن لو ترلوچن! مجھے تم جیسے بزدلوں سے نفرت ہے۔ عورت راجپوت کی ہو یا راج مزدور کی، وہ بھڑک اٹھے تو دریاؤں کو آگ لگا دیتی ہے۔۔۔ میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ میرا ساتھ بھیمن سے ہے۔ یہاں نہیں تو آکاش پر ہماری شادی ہو گی اور تم ان جنگلوں میں بھٹکتے پھرو گے۔"

"تم یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہیں اٹھا کر نہیں لے جا سکتا؟" — ترلوچن پال قہر سے اُس کی طرف لپکا۔

شیلا پیچھے کو دوڑی۔ ترلوچن اُس کی طرف دوڑا۔ شیلا ایک ٹیکری کی اوٹ میں چلی گئی۔ ترلوچن پال اُس طرف گیا تو اُسے شیلا ایک درخت کے ساتھ کھڑی نظر آئی۔ وہاں درخت زیادہ تھے اور دریا باہر کو آیا ہوا تھا۔ یہ جھیل سی بنی ہوئی تھی۔ ترلوچن پال نے شیلا کو ایک بار پھر کہا کہ وہ اُس کے پاس آ جائے۔ شیلا نے للکار کر کہا۔ "ہمت ہے تو مجھے پکڑ لو۔ میں تمہارے پاس اس لیے نہیں آؤں گی کہ تم مرد ہو اور میں عورت ہوں۔ سلطان محمود سے

پہلے میں تمہیں قتل کروں گی۔"

وہ اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگی۔ ترلوچن پال وہیں کھڑا اسے کہہ رہا تھا۔ "تم کسی کو قتل نہیں کر سکو گی۔ میں تمہیں بھاگنے نہیں دوں گا۔"

وہ اور پیچھے ہٹ گئی۔ ترلوچن پال نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آگے کو بھاگ آؤ شیلا! پیچھے نہ جانا۔"

"میں تمہارے ہاتھ نہیں آؤں گی۔" شیلا نے کہا۔

وہ سمجھ نہ سکی کہ ترلوچن اُسے کتنے بڑے خطرے سے خبردار کر رہا ہے۔ ترلوچن پال ایک بار پھر چلایا مگر بے سود۔ ایک مگرمچھ جو قریب ہی کہیں چھپا ہوا تھا، شیلا کے بالکل پیچھے پہنچ چکا تھا۔ اُدھر مگرمچھ آگے بڑھا۔ اِدھر سے شیلا نے بے خبری میں ایک اور قدم پیچھے ہٹایا تو مگرمچھ نے اُسے کمر سے دانتوں کے شکنجے میں جکڑ لیا۔ شیلا کی چیخیں اس قدر بلند اور ہولناک تھیں کہ رادھا جو اُس سے دُور سوئی ہوئی تھی جاگ اُٹھی۔ اُس نے دیکھا کہ لچھمن پال بھی نہیں، شیلا بھی نہیں۔ اُس نے دونوں فوجیوں کو جگایا اور اُن کے ساتھ اُدھر کو دوڑی جدھر سے چیخیں سنائی دی تھیں۔

ترلوچن پال ایک جھاڑی کے پیچھے ہو گیا۔ لچھمن پال کے دونوں فوجی وہاں پہنچے تو ایک سیٹی سنائی دی جو ترلوچن نے منہ میں انگلی رکھ کر بجائی تھی۔ کہیں سے دو تیر آئے، لچھمن پال کے دونوں ساتھی ایک ایک تیر سے اوندھے ہو گئے۔ یہ ترلوچن پال کے اُن دو محافظوں کے تیر تھے جو کہیں چھپے ہوئے تھے۔ رادھا نے نہ دیکھا۔ اُسے پانی کے کنارے ایک مگرمچھ نظر آیا جس کے منہ میں شیلا چیخ چلا رہی تھی اور مگرمچھ اپنے گز گز لمبے جبڑے اچھال اچھال کر اُسے نگل رہا تھا۔ رادھا کو چکر آنے لگا۔ اُس نے دیکھا کہ شیلا کا صرف ایک بازو مگرمچھ کے منہ سے باہر رہ گیا تھا اور اُس کے ریشم جیسے بال بھی نظر آ رہے تھے۔ رادھا کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

ترلوچن پال رادھا کی طرف بڑھا تو اُسے اپنے ایک محافظ کی آواز سنائی دی۔ "ہمکارا! مسلمان فوجی آ رہے ہیں۔"

ترلوچن پال وہاں سے پیچھے ہٹا اور غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد غزنی کے چار گھوڑسوار

iqbalmt@oneurdu.com

وہاں آ گئے جہاں سے ترلوچن پال بھاگا تھا۔ انہیں دُور گھوڑے دوڑنے کی آواز آئی۔ یہ ترلوچن پال اور اُس کے ساتھیوں کے گھوڑے تھے جنہیں وہ دُور کہیں چھوڑ آئے تھے۔ اگر ترلوچن پال کے محافظ غزنی کے فوجیوں کو نہ دیکھ لیتے تو انہیں بہت بڑا شکار مل جاتا۔ ترلوچن پکڑا جاتا تو اس سے معلوم کیا جا سکتا تھا کہ بھیم پال نڈر کہاں ہے۔

لچھمن پال کشتی کی تلاش میں نکل گیا تھا۔

غزنی کے ان فوجیوں میں ایک نائب سالار تھا اور باقی تین اُس کے دستوں کے کمانڈر تھے۔ وہ متھرا سے آئے تھے اور انہوں نے گھوڑوں پر دریا پار کیا تھا۔ چونکہ کچھ روز بعد پیش قدمی ہونے والی تھی اس لیے نائب سالار دریا اور اس سے آگے کا جائزہ لے رہا تھا اور اس علاقے میں متھرا کے دفاع کے لیے دو تین چوکیاں بھی قائم کرنی تھیں۔ وہ جب دریا کی بنائی ہوئی جھیل کے قریب آئے تو انہیں ایک لڑکی بے ہوش پڑی نظر آئی۔ ذرا پرے انہیں ایک مگرمچھ دکھائی دیا جو آدھا پانی میں تھا۔ اُس کے منہ سے لٹکتا ہوا ایک بازو نظر آ رہا تھا اور منہ سے لمبے لمبے بال بھی لٹک رہے تھے۔ نائب سالار نے ایک اور مگرمچھ دیکھا جو خشکی رادھا کی طرف آ رہا تھا۔

نائب سالار نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اُس کے کمانڈروں نے بھی گھوڑے دوڑائے۔ دونوں مگرمچھ پانی میں غائب ہو گئے۔ نائب سالار نے کمانڈروں سے کہا کہ یہ کوئی بہت خوبصورت جنگلی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ اسے اُٹھا لے چلو۔ رادھا کو ایک گھوڑے پر ڈال لیا گیا۔ وہاں سے ہٹ کر وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کہ شاید اس کے ساتھ کے کوئی لوگ کہیں ٹھہرے ہوئے ہوں۔ انہیں دو لاشیں دکھائی دیں۔ دونوں میں ایک ایک تیر اُترا ہوا تھا۔ انہیں ایک جگہ پانچ گھوڑے، دو خچر اور دو ہرن کھڑے نظر آئے۔ زمین پر بستر بچھے ہوئے تھے۔ سامان کی تلاشی لی گئی۔ اس میں سے ہتھیار اور سونے کے بے شمار سکے برآمد ہوئے۔ کچھ ایسی چیزیں بھی برآمد ہوئیں جو شک پیدا کرتی تھیں۔

نائب سالار پرانا تجربہ کار آدمی تھا۔ اُس نے رادھا کو جو ابھی تک بے ہوش تھی، غور سے دیکھا اور کہا کہ یہ لڑکی جنگلی نہیں ہو سکتی۔ اُس نے رادھا کو گھوڑے سے اُتروا کر منہ

میں پانی ٹپکایا اور منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تو اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ فوراً ہی وہ اُٹھ بیٹھی اور یہ دیکھے بغیر کہ اُس کے پاس کون کھڑا ہے، اُس نے اُٹھ کر چلانا شروع کر دیا۔

"شیلا! بھیم پال!"... وہ دوڑ پڑی ۔"راجکمار! کہاں ہو؟"

نائب سالار نے اُسے پکڑ لیا اور پوچھا کہ وہ کون سے راجکمار کو بلا رہی ہے۔ رادھا اس قدر حواس باختہ تھی کہ اُس کے منہ سے نکل گیا "قنوج کا راجکمار بھیم پال! تم نے اُسے دیکھا ہے؟"... وہ چونک پڑی اور اُس نے لب ولہجہ بدل کر اداکاری شروع کر دی ۔"میں قنوج کے قریب کے ایک جنگل کے قبیلے کی لڑکی ہوں۔ ہم غزنی کے سلطان کے پاس مسلمان ہونے کے لیے جا رہے ہیں"۔

"قبیلے کا نام کیا ہے؟"... نائب سالار نے پوچھا ۔"اور وہ جنگل قنوج سے کتنی دور ہے؟"

لڑکی گھبرا گئی۔ اُسے کسی نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ہر قبیلے کا نام بھی ہوتا ہے۔ اُس نے جنگل کے متعلق بتایا تو نائب سالار نے کہا ۔"دیکھو لڑکی! میں غزنی کا رہنے والا ہوں اور تمہاری زبان بول رہا ہوں۔ اس سے سمجھ لو کہ میں تمہارے علاقے سے واقف ہوں۔ میں قنوج کے ارد گرد کا علاقہ دیکھ آیا ہوں۔ وہاں کوئی ایسا جنگل نہیں ہے جس میں اتنا خوبصورت قبیلہ رہتا ہو جتنی خوبصورت تم ہو"۔

لڑکی کا راجپوتی خون جوش میں آ گیا۔ اُس نے نائب سالار اور کمانداروں کو للکارنا شروع کر دیا ۔"خبردار میرے قریب نہ آنا۔ میں زندہ تمہارے ہاتھ نہیں آؤں گی"۔

نائب سالار نے اُسے بازو سے پکڑ کر کہا ۔"تم خوش قسمت ہو کہ میرے ہاتھ آئی ہو۔ تم اتنی زیادہ خوبصورت ہو اور تم نے لباس ایسا عریاں پہن رکھا ہے کہ اس جنگل میں جس کسی کے ہاتھ آ جاتیں وہ تمہیں اپنی بیٹی اور بہن نہیں کہے گا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میری نیت میں فتور نہیں آئے گا، اور اگر تم مجھے جھانسے دیتی رہو گی تو میں تمہیں ان تینوں کے حوالے کر کے خود چلا جاؤں گا۔ انہیں اچھی طرح دیکھ لو۔ اگر اپنے آپ کو بچانا چاہتی ہو تو بتا دو کہ تم لوگ کون ہو اور راجکمار بھیم پال کہاں ہے اور یہاں کیوں آیا ہے"۔

رادھا اپنے قافلے کے سامان کی طرف دوڑی۔ سب اُسے دیکھتے رہے۔ اُس نے

سامان سے چھوٹی سی ایک ڈبیہ نکالی۔ وہ اُٹھ کر تیزی سے ڈبیہ کھولنے اور دوسری طرف دوڑنے لگی۔ اُسے پکڑ لیا گیا۔ اُس کے ہاتھ سے ڈبیہ چھین کر نائب سالار نے اُس سے پوچھا ۔"یہ زہر ہے نا؟... سنو لڑکی! تمہارا تڑپنا اور بھاگنا بیکار ہے۔ تم ہماری قیدی ہو۔ تمہیں سب کچھ بتانا پڑے گا"۔ نائب سالار کے حکم سے اُسے ایک گھوڑے پر بٹھا دیا گیا جس کی لگام ایک کماندار کے ہاتھ میں تھی۔

بھیم پال مایوس واپس آ رہا تھا۔ اُسے اگلے گھاٹ کوئی کشتی نہ ملی۔ وہاں بڑی کشتیاں تھیں جو بہت سے مسافروں کو پار لے جاتی تھیں۔ وہ گھوڑوں یا دوسرے جانوروں کو بھی پار لے جانا چاہتا تھا۔ ان کے لیے کشتی نہیں مل رہی تھی۔ وہ جھیل سے ذرا ہٹ کر گزرا تو اُسے خشکی پر ایک مگرمچھ نظر آیا جو ایک انسان کو نگل رہا تھا۔ مگرمچھ شکار کو کھانے کا یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ پہلے اسے نگل کر جان سے مار دیتا ہے پھر اسے خشکی پر اُگل کر اس کے گلنے سڑنے کا انتظار کرتا ہے۔ جب لاش یا کسی جانور کا مُردار گل کر نرم ہو جاتا ہے تو اُسے نگل لیتا ہے۔

شیلا کو نگلنے کے بعد مگرمچھ خشکی پر آ کر اُسے اُگل رہا تھا۔ بھیم پال نے دیکھا کہ لاش کے لمبے لمبے بال تھے اور لباس ؟... اُس کا جسم کانپنے لگا۔ وہ یقین نہیں کرنا چاہتا تھا کہ یہ شیلا کی لاش ہے۔ اُس نے ٹیکری پر چڑھ کر دیکھا تو اُسے لاش کا چہرہ صاف نظر آنے لگا۔ اتنے میں ایک اور مگرمچھ دوڑتا آیا اور لاش کو منہ میں لینے لگا۔ لاش کا مالک مگرمچھ اُس پر ٹوٹ پڑا۔ پھر ان میں لڑائی شروع ہو گئی۔ آخر ایک نے شیلا کی ایک ٹانگ منہ میں لے لی اور دوسری ٹانگ دوسرے نے منہ میں جکڑ لی۔ انہوں نے زور لگایا تو لاش سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اُس کا چہرہ بھیم پال کی طرف تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس میں تو اب اُدھر دیکھنے کی بھی ہمت نہیں رہی تھی۔ دونوں مگرمچھوں نے لاش کی ٹانگوں کو اپنی اپنی طرف کھینچا تو لاش کے دو حصے ہو گئے۔

بھیم پال آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر ٹیکری کی دوسری طرف اُترا تو اُسے اپنے دو ساتھیوں کی لاشیں نظر آئیں۔ وہ انہیں دیکھ ہی رہا تھا کہ اُسے رادھا کی چیخ نما آواز سنائی دی ــــ "بھیم پال!"... اُس نے اُدھر دیکھا تو سُن ہو کے رہ گیا۔ رادھا غزنی کے فوجیوں کے قبضے

iqbalmt@oneurdu.com

میں تھی۔ کھیمن نے بھاگ اُٹھنے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھا تو اُسے نائب سالار کی آواز سنائی دی۔
"گھوڑے سے تیز نہیں بھاگ سکو گے لڑکے! اِدھر آؤ۔ زندہ رہو گے۔"

اُسے ایک گھوڑے پر بٹھا کر نائب سالار نے کمانداروں سے کہا کہ واپس چلو۔ وہ کھیمن پال کو اپنے ساتھ لے کر سب سے پیچھے رہا۔ اُس نے کہا — "اس لڑکی نے سب کچھ بتا دیا ہے اس لیے ہم اسے پوری عزت کے ساتھ متھرا لے جا رہے ہیں۔ تم اس کے ساتھ رہنا اور دیکھنا کوئی مرد اس کے جسم کو ہاتھ نہیں لگائے گا لیکن اس کی عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کتنا کچھ سچ بولو گے۔ اگر تم نے جھوٹ بولا تو تم شاید تصور میں نہیں لا سکو گے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ دیکھو یہ لڑکی کتنی خوبصورت ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو یہ تین فوجی اس لڑکی کو اس طرح عزت سے متھرا نہ لے جاتے۔ بولو راجکمار! مجھے بتاؤ کہ قنوج کا راجکمار اِس عجیب سے حلیے میں یہاں کیوں آیا ہے؟"

"اگر آپ ہم دونوں کو چھوڑ دیں تو میں آپ کو اتنا معاوضہ دوں گا جتنا آپ کہیں گے" — کھیمن پال نے کہا — "آپ چاروں میرے ساتھ قنوج چلیں۔ میں آپ کے گھوڑے سونے سے لاد دوں گا۔"

"اگر ہمیں انعام کا خیال ہوتا تو یہ اتنی حسین لڑکی بہت بڑا انعام ہے جو ہم نے لیا ہے" — نائب سالار نے کہا — "اور تمہارے سامان سے سونے کے بے شمار سکے بھی ملے ہیں جو ہم چاروں آپس میں بانٹ سکتے ہیں۔ تم مجھے قنوج لے جانا چاہتے ہو ہم وہاں سے آ رہے ہیں۔ وہاں سے ہم خود اپنے گھوڑے سونے سے لاد لیں گے۔ میں تو تمہیں انعام دینا چاہتا ہوں۔ سچ بولو اور انعام میں اپنی جان اور یہ لڑکی لے جاؤ۔"

وہ چلتے گئے اور انہوں نے گھوڑوں پر دریا پار کیا۔ وہ جنگلوں میں سے گزرے۔ ویرانوں میں سے گزرے۔ سورج غروب ہو گیا تو تاریکی میں چلتے رہے۔ راستے میں ذرا آرام کے لیے رُکے۔ کسی نے بھی رادھا کے ساتھ بات نہ کی۔ رات خاصی گزر چکی تھی جب یہ قافلہ متھرا کے قریب پہنچ گیا۔

کھیمن پال کے ساتھ تمام راہ نائب سالار نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اُس نے کھیمن سے ایک ہی بار کہا تھا کہ وہ سچ سچ بتا دے کہ یہاں کیوں آیا ہے۔ کھیمن پال نے انعام پیش کرنے کے سوا کوئی جواب نہیں دیا تھا لیکن جب یہ ٹولہ متھرا میں داخل ہونے لگا تو کھیمن پال نے لپک کر نائب سالار کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میں سچ بولوں گا" — اُس نے کہا — "یہیں سُن لیں ... میں آپ کے سلطان کو قتل کرنے آیا تھا" — اور اُس نے اپنا تمام تر منصوبہ سنا دیا، مگر یہ نہ بتا سکا کہ شبلا گرمچھ کے پیٹ میں کیسے پہنچی اور اس کے دو ساتھیوں کو تیروں سے کس نے ہلاک کیا ہے۔ اُس نے کہا — "میں نے آپ کی سزا سے ڈر کر اعتراف نہیں کیا۔ میں آپ چاروں کے اخلاق سے متاثر ہو کر مجبور ہو گیا ہوں کہ آپ کے سامنے سچ بولوں۔ آپ نے میرا اتنا بڑا انعام ٹھکرا دیا۔ ہم نے سارا دن اجاڑ بیابان میں سفر کیا ہے۔ رات کے اندھیرے میں بھی سفر کیا ہے۔ مجھے یہ خطرہ پریشان کرتا رہا کہ آپ اس لڑکی کو خراب کریں گے مگر آپ کو جیسے احساس ہی نہیں تھا کہ آپ کے قبضے میں اتنی حسین لڑکی ہے جو غزنی نے بھی پیدا نہ کی ہوگی۔ آپ نے تمام راستے ہمارے ساتھ کوئی بات نہیں کی۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ کی فتح کا راز کیا ہے۔ اب مجھے سچ بولنے کا انعام دیں ... انعام صرف اتنا ہے کہ مجھے بے شک جلاد کے حوالے کر دیں لیکن اس لڑکی کو اس کے ماں باپ کو واپس کر دیں۔ اس کی دلیری اور جرأت دیکھیں۔ اگر آپ واقعی جنگجو ہیں تو ایک جنگجو باپ کی غیرت مند بیٹی کو اس کی دلیری کا خراج دیں۔ یہ کنواری لڑکی ہے۔"

"اس کا فیصلہ سلطان محمود کریں گے" — نائب سالار نے کہا — "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ لڑکی کنواری رہے گی اور مجھے اُمید ہے کہ تمہیں جلاد کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔"

"تم نے کوئی جرم نہیں کیا۔ ہم تمہیں جلاد کے حوالے نہیں کریں گے" — سلطان محمود نے کھیمن پال کی زبانی وہی کہانی جو اُس نے نائب سالار کو سنائی تھی، سن کر اُسے کہا — "ہم تم جیسے بیٹوں اور اس لڑکی جیسی بیٹیوں کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ سزائے موت تو بہت بڑی بات ہے، ہم تمہیں طعنہ بھی نہیں دیں گے کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ہم غیرت مند

iqbalmt@oneurdu.com

دشمن کی عزت کیا کرتے ہیں۔ مجھے قتل کرنے کی تمہیں ضرور کوشش کرنی چاہیے تھی۔ کامیابی اور ناکامی تمہارے کرشن واسدیو اور ہر ہر مہادیو کے اختیار میں نہیں، ہمارے خدا کے اختیار میں ہے۔ یہ ہے خدا کا وہ پیغام جو میں ہندوستان میں لایا ہوں۔"

محمود غزنوی نے اپنے ترجمان سے کہا۔ "اس شہزادے سے کہو کہ لڑکی کے باپ سے کہے کہ میں نے منج کے راجپوتوں کی غیرت اور جرأت کی بہت باتیں سنی ہیں لیکن غیرت والوں کی بیٹیاں یوں ننگی ہو کر اپنے دشمن کے لیے حسین دھوکہ بن کے اس کے پاس نہیں جایا کرتیں .... اور اس شہزادے سے کہو کہ اپنے باپ سے کہہ دے کہ ہم آ رہے ہیں اور وہ ہمیں قتل کرنے کے لیے سامنے آئے .... اور اس شہزادے سے کہو کہ ہم اسے یرغمال کے طور پر رکھ سکتے تھے مگر ہم اوچھے نہیں۔ ہم اپنی شرطیں میدانِ جنگ میں منوایا کرتے ہیں۔"

ترجمان نے ککھمن پال کو بتایا کہ سلطان کیا کہہ رہے ہیں۔

"اور ہم اس شہزادے سے کوئی فوجی راز بھی نہیں لیں گے۔" سلطان محمود نے کہا۔ "اسے کہو کہ ہم قنوج کے اندر اور باہر سے واقف ہیں۔ ہماری آنکھیں قنوج کے قلعے کے اندر ہیں۔"

ککھمن پال سلطان محمود کے چہرے پر نظریں گاڑھے ہوئے تھا۔ وہ حیرت کے عالم میں تھا۔ رادھا بھی حیران تھی کہ سلطان محمود اُن کی قسمت کا کیا فیصلہ کر رہا ہے۔

"تم دونوں اپنے اپنے باپ سے کہنا کہ لڑے بغیر قلعے ہمارے حوالے کر دیں۔" سلطان محمود نے کہا اور ترجمان نے اس کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا۔ "اگر ہم نے قلعے لڑ کر لیے تو تم دونوں کے باپوں کا انجام بہت بُرا ہو گا۔"

سلطان محمود غزنوی نے حکم دیا۔ "ان دونوں کو ان کے شہروں کے قریب چھوڑ آؤ۔ انہیں عزت سے لے جاؤ۔ ان کے گھوڑے اور ان کے خنجر انہیں دے دو۔"

ککھمن پال اور رادھا کچھ دیر محمود غزنوی کے چہرے پر ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے۔

انہیں جب وہاں سے چلنے کو کہا گیا تو ککھمن پال نے سلطان کے پاس جا کر اُس کا ہاتھ پکڑا اور چوم لیا۔ رادھا سلطان کو حیرت سے دیکھتی رہی۔

دونوں کو فوج کے دس بارہ سپاہیوں کے ساتھ رخصت کر دیا گیا۔ ان کا ایک کمانڈر

بھی ساتھ گیا۔ بڑی لمبی مسافت کے بعد وہ رادھا کو منج کے قلعے سے کچھ دور اور ککھمن پال کو قنوج کے قریب چھوڑ کر واپس آ گئے۔

ککھمن پال مایوسی اور شکست خوردگی کے عالم میں اپنے باپ مہاراجہ راجیا پال کے سامنے جا کھڑا ہوا اور اُسے بتایا کہ اُس پر کیا گزری ہے۔

"میں آپ کو صاف بتا دیتا ہوں کہ غزنی کے سلطان سے آپ شکست کھائیں گے" — ککھمن پال نے اپنے باپ سے کہا۔ "آپ اسے شکست نہیں دے سکتے پتا مہاراج! میں نے غزنی کے اس سلطان کی آنکھوں میں جادو کا اثر دیکھا ہے۔ اس کی فوج کے حاکم کسی اور ہی مٹی کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اُن کی فتح کا راز کچھ اور ہے۔ کون رادھا جیسی نوجوان اور خوبصورت لڑکی کو اور اپنے دشمن کے بیٹے کو اس طرح رہا کرتا ہے؟"

ککھمن پال نے اپنے باپ کو سارا واقعہ سنایا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ قنوج کے مہاراجہ راجیا پال پر ایسا تاثر طاری ہو گیا کہ اس نے خفیہ طور پر اپنا تمام خزانہ قنوج سے دور پہاڑی علاقے میں منتقل کرنے کا حکم دے دیا۔ اُسی رات خزانہ ایسے طریقے سے قلعے سے نکلنے لگا کہ کسی کو ذرا سا بھی شک نہیں ہوتا تھا۔

رادھا جب اپنے باپ رائے چندر کو بتا چکی تھی کہ اُسے اور ککھمن پال کو سلطان نے کس طرح رہا کیا ہے تو اُسے یقین نہ آیا۔ اُس نے کہا کہ راجپوت اپنی بے عزتی کا انتقام لیں گے۔

سلطان محمود غزنوی نے کچھ دستے متھرا میں رہنے دیے اور باقی فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ اُس نے متھرا کے قریب سے دریائے جمنا پار کیا اور دریا کے ساتھ ساتھ منج کا رخ کر لیا جہاں راجپوت زندگی اور موت کا آخری معرکہ لڑنے کے لیے تیار تھے۔

سلطان کو جاسوسوں نے بتایا تھا کہ غزنی کی فوج کا صحیح مقابلہ منج میں ہو گا۔ وہاں موذنین ہو سکتے بھی لڑنے اور مرنے کے لیے تیار تھے۔

iqbalmt@oneurdu.com

خدا جو دل میں اُتر گیا

قنوج

کے گرد و نواح میں جنگل تھا جو کہیں کہیں بہت گھنا ہو جاتا تھا۔ کہیں کہیں پہاڑیاں اور چٹانیں بھی تھیں۔

قنوج دریائے گنگا کے کنارے پر واقع تھا۔ قلعہ اس طرح تعمیر کیا گیا تھا کہ اس کی ایک طرف دریا تھا جس کا پانی (مورخوں کے الفاظ میں) قلعے کی ایک دیوار کو دھوتا رہتا تھا۔ یہ اپنے زمانے کا مشہور قلعہ تھا۔ مضبوط بھی تھا اور دور دور تک احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔

۱۰۱۸ء میں سلطان محمود غزنوی متھرا سے کوچ کر کے منج کی طرف پیشقدمی کر رہا تھا۔ قنوج وہاں سے ایک سو پچیس میل دور تھا۔ قنوج سے چار پانچ میل دور جنگل میں جہاں آبادی کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا، دو آدمی گڈریوں کے لباس میں ایک چٹان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سورج غروب ہونے کو تھا۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ رات یہیں گذار لیتے ہیں۔

"آج تیسرا دن ہے ہم قنوج کے قریب سے ہو آئے ہیں" ــــ ایک نے کہا ــــ "ہمیں قنوج کی یا کسی اور ہندو مہاراجے کی فوج نظر نہیں آئی۔ کیا قنوج کی فوج اُس وقت باہر آئے گی جب ہماری فوج قریب آ جائے گی؟"

"ہمیں اپنی فوج کے آنے تک اسی علاقے میں رہنا ہے طلال بھائی!" ــــ دوسرے نے کہا ــــ "یا ہم اُس وقت واپس جائیں گے جب ہمیں قنوج کی فوج نظر آ جائے گی۔ سلطان کو بتایا گیا ہے کہ وہ جب منج کا محاصرہ کرے گا تو قنوج کی فوج عقب سے حملہ کرے گی۔ سلطان کو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ہماری فوج کا مقابلہ منج اور قنوج کے

درمیان ہو گا۔ ہمیں معلوم کرنا ہے کہ قنوج کی وہ فوج کہاں ہے جسے ہماری فوج پر عقب سے حملہ کرنا ہے ... معلوم ہوتا ہے تم تنگ آ گئے ہو۔"

"نہیں صالح!" ــــ طلال نے کہا ــــ "میں اتنی جلدی تنگ آنے والا نہیں۔ میرا خیال ہے مہاراجہ قنوج باہر آ کر لڑنے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

"یہی تو ہمیں معلوم کرنا ہے کہ وہ ایسی جرأت کرے گا یا نہیں" ــــ صالح نے کہا ــــ "ہم دونوں غزنی کی فوج کی دو آنکھیں ہیں۔ ہمیں سلطان محمود کو بتانا ہے کہ جنگل صاف ہے یا یہاں کوئی خطرہ ہے۔"

"آؤ پھر یہیں سو جائیں" ــــ طلال نے کہا ــــ "سردی تو بہت ہے لیکن رات گذر جائے گی۔"

طلال ابراہیم اور صالح بروک ہندوستانی مسلمان تھے۔ صالح بروک اُن عربوں کی نسل سے تھا جو محمد بن قاسم کے ساتھ ہندوستان میں آئے اور یہیں آباد ہو گئے تھے اور طلال ابراہیم کے آباؤ اجداد کا مذہب کچھ اور تھا۔ وہ محمد بن قاسم کے دورِ حکومت میں مسلمان ہوئے تھے۔ اب ہندوستان میں محمود غزنوی کی جنگی مہمات اور بت شکنی کا سلسلہ شروع ہوا تو غزنی کی فوج کو انٹیلی جنس کے لئے ہندوستان کے مسلمان باشندوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ عام قسم کی فوجی بھرتی نہیں تھی کہ ہر اُس جوان کو بھرتی کر لیا جاتا جو تیغ زنی اور گھوڑ سواری کی سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ جاسوسی کے لیے ایسے افراد کی ضرورت تھی جو دماغی طور سے غیر معمولی طور پر تیز اور ذہین تھے اور جو اداکاری کی مہارت رکھتے تھے اور جو کئی کئی روز تک ہر قسم کے موسمی حالات میں جنگلوں، پہاڑوں، صحراؤں اور میدانوں میں تندرست رہنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ سب سے بڑی خوبی یہ دیکھی جاتی تھی کہ ان کا کردار پختہ ہو اور لالچ کتنا ہی دلکش کیوں نہ ہو، اسے قبول نہ کریں۔ ان میں بندروں کی پھرتی، گھوڑے کی طاقت، عقاب کی نظر اور چیتے کی جھپٹ کا ہونا بھی لازمی تھا۔ بنیادی ضرورت ایمان کی تھی۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ جذبہ موجود تھا۔ ہندوستان بے شمار راجوں مہاراجوں میں بٹا ہوا تھا۔ وہ سب ہندو تھے، اور وہ مسلمانوں پر بھروسہ نہیں کرتے تھے۔

iqbalmt@oneurdu.com

جب سے سلطان محمود غزنوی کے حملے شروع ہوئے تھے، ہندوؤں نے ہر مسلمان کو غزنی کا جاسوس کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے باوجود یہاں کے مسلمان غزنی کی فوج کی مدد اور راہنمائی کرتے تھے اور کئی ایک باقاعدہ مخبر (انٹیلی جنس ایجنٹ) بن گئے تھے مگر ان میں کوئی ایسا بھی نکل آتا تھا جو اپنے نفس کے دھوکے میں یا ہندوستان کے بچھائے ہوئے دلکش جال میں آجاتا تھا۔

طلال ابراہیم اور صالح بردک سلطان محمود کی انٹیلی جنس کے مخبر تھے۔ سلطان محمود کو متھرا میں بتایا گیا تھا کہ اس نے جس آسانی سے متھرا فتح کر لیا ہے، اتنی آسانی سے قنوج کا قلعہ سر نہیں کر سکے گا اور جب دریائے جمنا کے کنارے پر واقع منج نام کے قلعہ کا محاصرہ کرے گا تو قنوج کی فوج اس پر عقب سے حملہ کرے گی اور اسے دریائے گنگا اور جمنا کے درمیانی علاقے میں لڑنا پڑے گا جس میں اس کی شکست کا امکان زیادہ ہے۔ ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ لاہور کا مہاراجہ بھیم پال نند اس علاقے کے کئی راجے اور مہاراجے کو سلطان محمود کے خلاف اتحاد پر قائل کر رہا تھا۔ خطرہ یہ تھا کہ وہ اپنی فوج بھی لے آیا ہوگا۔

سلطان محمود کی فوج مسلسل لڑ لڑ کر تھک چکی تھی۔ فوج کی نفری زخمی اور شہید بھی ہوئی تھی اور یہ فوج اپنے مستقر غزنی سے تین ماہ کی مسافت جتنی دور تھی۔ وہ بہت بڑے خطرے میں آگیا تھا۔ جاسوسوں کی رپورٹوں کے مطابق اسے دریائے گنگا اور جمنا کے درمیان ہندوؤں کی کثیر تعداد اور تازہ دم فوج کے خلاف لڑنا تھا۔ اس نے متھرا سے کوچ کیا تو طلال ابراہیم اور صالح بردک کو چند روز پہلے قنوج کے گرد و نواح میں بھیج دیا گیا تھا کہ وہ ہندوؤں کی فوجوں، خصوصاً قنوج کی فوج کی نقل و حرکت دیکھ کر فوراً اطلاع دیں۔

دونوں کو اس علاقے میں غریب اور خانہ بدوش گڈریوں کے بھیس میں گھومتے پھرتے تین دن ہو گئے تھے۔ انہوں نے بلند درختوں اور پہاڑیوں پر بھی چڑھ کر دیکھا تھا۔ انہیں کسی فوج کا نام و نشان نظر نہیں آرہا تھا۔ انہوں نے دریائے گنگا کو بھی دیکھا تھا۔ انہیں فوج کی کوئی کشتی نظر نہیں آئی تھی۔ ان دونوں میں طلال ابراہیم

iqbalmt@oneurdu.com

کچھ اکتایا سا لگ رہا تھا۔ عربی نسل کا صالح بردک پہلے روز کی طرح تروتازہ تھا۔ وہ اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نومبر کا مہینہ تھا اور اس علاقے میں سردی خاصی زیادہ ہوگئی تھی۔ وہ چٹان پر ایسی جگہ لیٹ گئے جہاں سرد ہواؤں سے بچنے کے لیے اوٹ موجود تھی۔

رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا جب صالح بردک کی آنکھ کھل گئی۔ وہ کچھ آوازوں سے جاگ اٹھا تھا۔ وہ جس چٹان پر سوئے ہوئے تھے اس کے نیچے ان کے قریب ہی سے کچھ لوگ گزر رہے تھے۔ گھوڑوں کے ٹاپ بھی سنائی دے رہے تھے۔ صالح کو روشنی بھی نظر آئی۔ وہ کروٹ بدل کر پیٹ کے بل ہوگیا اور چند گز آہستہ آہستہ رینگ کر آگے ہوگیا جہاں سے اسے اپنے نیچے ایک عجیب قافلہ گزرتا دکھائی دیا۔ سب سے آگے دو آدمی مشعلیں اٹھائے چلے جا رہے تھے۔ ان کے درمیان ایک تنومند آدمی تھا۔ اس کے لباس سے پتہ چلتا تھا کہ پنڈت ہے۔ اس کے پیچھے پانچ خچریں جا رہی تھیں جو ایک دوسری کے پیچھے بندھی ہوئی تھیں۔ اگلی خچر کی لگام پنڈت کے ہاتھ میں تھی۔ سب سے آخری خچر کے ساتھ ایک لمبی رسی بندھی ہوئی تھی خچروں کے پیچھے سات آٹھ آدمی تھے۔ ہر ایک نے یہ رسی پکڑ رکھی تھی اور ایک ہاتھ اپنے سے اگلے آدمی کے کندھے پر رکھا ہوا تھا۔ عجوبہ یہ تھا کہ پنڈت کے سوا ہر آدمی کی آنکھوں پر سیاہ پٹی بندھی ہوئی تھی اور وہ اندھوں کی طرح آہستہ آہستہ چلے جا رہے تھے۔ مشعلوں والے آدمیوں کی بھی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

پنڈت تھوڑے تھوڑے وقفے سے کہتا جا رہا تھا ـــ ”چلے چلو، میں دیکھ رہا ہوں۔ راستہ صاف ہے“ ـــ یہ عجیب و غریب قافلہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ خچروں پر لکڑی کے بکس لدے ہوئے تھے۔ صالح بردک رینگ کر اپنے ساتھی طلال ابراہیم تک آیا۔ اسے جگایا اور اس کے کان میں سرگوشی کی کہ رینگ کر اس کے ساتھ آئے۔ اب دونوں نے اندھوں کا یہ قافلہ دیکھا۔ انہیں کچھ پتہ نہ چلا کہ یہ کیا ہے۔

چالیس پچاس گز آگے جا کر قافلہ رک گیا۔ وہاں ایک اور چٹان دیوار کی طرح سیدھی کھڑی تھی۔ طلال اور صالح چٹان کے اوپر اوپر دبے پاؤں چلتے وہاں تک چلے

گئے جہاں قافلہ رُکا تھا۔ دونوں وہاں چٹان پر ایک درخت کی اوٹ میں لیٹ گئے۔ قافلہ اس چٹان اور ساتھ والی عمودی چٹان کے درمیان رُکا ہُوا تھا۔ مشعلوں کے شعلے بہت بڑے تھے۔ طلال اور صالح کو وہاں دوسری چٹان میں ایک خلا نظر آیا جو نیچے سے اوپر تک چلا گیا تھا۔ خلا یا شگاف اتنا فراخ تھا کہ ایک خچر اس میں سے آسانی سے گذر سکتی تھی۔

پنڈت نے ایک مشعل بردار کے ہاتھ سے مشعل لے لی اور بولا "سب یہیں کھڑے رہو۔ میں واپس آکر تمہیں آگے لے جاؤں گا"۔ پنڈت شگاف میں چلا گیا اور بائیں کو چٹان کی اوٹ میں ہوگیا۔ کچھ دیر بعد نظر آیا۔ مشعل کی روشنی میں اس شگاف میں سے پیچھے چٹان کی دیوار نظر آئی۔ پنڈت وہاں کہیں غائب ہوگیا۔ مشعل کی روشنی بھی کہیں گم ہوگئی۔ تھوڑے سے وقت بعد اُس کی مشعل پھر نظر آئی۔ وہ شگاف سے باہر آگیا۔

"کوئی آدمی اپنی آنکھوں کی پٹی میں سے دیکھنے کی کوشش نہ کرے"۔ پنڈت نے کہا "کسی نے پٹی ہٹانے کی کوشش کی تو اس کی سزا موت ہوگی"۔

ان آدمیوں کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی رہیں۔ پنڈت ان کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر ان سے خچروں سے بکس اُتروانے لگا۔

ایک مشعل اُس نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ دوسرے مشعل برداروں کو اُس نے اپنی ضرورت کے مطابق کھڑا کر دیا تھا۔ یہ اندھے بکس اُٹھا کر چلتے تھے۔ بعض گر بھی پڑتے تھے اور غائب ہوتے جا رہے تھے۔ کرتے کرتے خچروں سے بکس اُتر کر چٹان کے اندر چلے گئے۔ خچریں باہر کھڑی رہیں اور تمام آدمی اندر چلے گئے۔ انہیں کوئی شک نہیں تھا کہ یہ مال و دولت تھا جو یہاں چھپایا جا رہا تھا، مگر ان آدمیوں کی آنکھوں پر پٹیاں کیوں بندھی ہوئی تھیں؟

"یہ آدمی ڈاکوؤں کا سردار ہے"۔۔۔ طلال ابراہیم نے کہا۔۔۔ "اور یہ باقی آدمی بیگار میں پکڑے ہوئے ہیں"۔

"شاید اس کا گروہ مزید لوٹ مار کے لیے چلا گیا ہوگا"۔

"صالح!"۔۔۔ طلال نے کہا۔۔۔ "اگر یہ لوگ یہاں پہرہ نہ بٹھائیں تو اس مال سے ہم کچھ حصہ جو ہم اٹھا سکتے ہیں، اُڑا کر لے جا سکتے ہیں۔ کیا ارادہ ہے؟"

"ہوش میں آؤ طلال!"۔۔۔ صالح بردک نے کہا۔۔۔ "ان خزانوں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ ہمیں وہ فرض ادا کرنا ہے جس کے لیے ہمیں یہاں بھیجا گیا ہے"۔

"میں فرض کو نہیں بھول رہا"۔۔۔ طلال نے کہا۔۔۔ "رات تو ہمیں یہیں گذارنی ہے۔ ہم کوئی کام نہیں کر رہے۔ جو کام ہوگا صبح ہوگا۔ بات کر یہ کام کرتے ہیں کہ یہ لوگ اگر چلے جائیں تو ہم غار کے اندر چلے جائیں گے۔ اندر کوئی نہیں ہوگا۔ کوئی ہوا تو وہ بھی بکس اندر لے جانے کے لیے باہر آتا"۔

"ہم اندر نہیں جائیں گے"۔۔۔ صالح نے کہا۔۔۔ "لُوٹے ہوئے خزانوں کو دل سے اُتار دو۔ خزانے اور عورت کی کشش نے بادشاہوں کے تختے اُلٹے ہیں۔ دل سے طمع نکال دو"۔

"تم بیوقوف ہو"۔۔۔ طلال نے جھنجھلا کر کہا۔۔۔ "تم پاگل ہو"۔

صالح بردک کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ مشعلیں باہر آگئیں اور اس کے ساتھ ہی وہ آدمی جو پنڈت لگتا تھا اور باقی سب آدمی اُس کے پیچھے پیچھے باہر آگئے۔ پنڈت ان کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر خچروں تک لایا۔ اُس نے انہیں خچروں پر سوار کرا دیا۔ خچریں تھوڑی تھیں اور آدمی زیادہ۔ ایک ایک خچر پر پنڈت نے دو دو آدمی سوار کرا دیئے اور ان کے لگام ایک دوسری خچر کے پیچھے باندھ کر خود اگلی خچر کی لگام پکڑ لی اور پیدل چل پڑا۔

وہ جب دُور نکل گئے تو طلال نے ایک بار پھر صالح سے کہا کہ چلو دیکھتے ہیں کیا ہے مگر صالح نے اُسے سختی سے منع کر دیا اور اُسے یہ بھی کہنا پڑا کہ طلال نے اگر یہ ضد جاری رکھی تو صالح اُسے قتل کر دے گا۔ طلال ابراہیم ہنس پڑا اور دونوں پھر سو گئے۔ رات تھوڑی رہ گئی تھی۔

ابھی صبح دُھندلی تھی جب یہ پنڈت مہاراجہ قنوج راجیا پال کی خواب گاہ کے دروازے پر جا کھڑا ہُوا۔ یہ مہاراجہ کے جاگنے کا وقت نہیں تھا مگر خواب گاہ کی خادمہ

iqbalmt@oneurdu.com

جو باہر کھڑی تھی، پنڈت کو دیکھتے ہی اندر چلی گئی اور باہر آ کر پنڈت سے کہا کہ اندر چلا جائے۔ وہ دروازے میں داخل ہوا تو شکنتلا رانی اندر سے نکلی۔ شکنتلا تیس سال سے کم عمر کی چھوٹی رانی تھی۔ بڑی رانی لکشمی کی عمر چالیس سال سے خاصی اوپر ہو گئی تھی۔ شکنتلا بہت خوبصورت اور بڑے ہی دلکش جسم کی عورت تھی۔ وہ خواب گاہ سے نکلی تو یوں چل رہی تھی جیسے خواب میں چل رہی ہو۔ آنکھیں نیم وا تھیں اور قدم بے خیالی میں اٹھ رہے تھے۔ اس کے جسم سے جہاں مدہوش کر دینے والے عطر کی خوشبو آ رہی تھی وہاں شراب کی بو بھی تھی۔

مہاراجہ راجیا پال نے پنڈت سے کہا کہ دروازہ بند کر کے اس کے قریب بیٹھ جائے۔

"رات خزانے کی آخری کھیپ وہاں پہنچا دی گئی ہے۔" پنڈت نے کہا۔

"کیا ان تمام آدمیوں کو قید میں ڈال دیا گیا ہے جنہوں نے کس غار میں رکھے تھے؟" — مہاراجہ قنوج نے پوچھا۔

"انہیں قید میں ڈالنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کی آنکھوں پر سیاہ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں" — پنڈت نے کہا۔ "پھر بھی آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی ہے۔ ان سب کو قید میں ڈال دیا گیا ہے اور میں نے قید خانے والوں سے کہہ دیا ہے کہ ان سب کو نہایت اچھی خوراک دی جائے اور انہیں ہر طرح سے آرام اور عزت سے رکھا جائے۔"

"پنڈت جی مہاراج!" — مہاراجہ راجیا پال نے کہا — "اب صرف آپ ہیں جو خزانے کے راز سے واقف ہیں۔ آپ کو یہ احساس تو ہو گا کہ میں نے آپ کی کتنی عزت افزائی کی ہے۔ اپنی فوج کے سینا پتی تک کو اس راز میں شریک نہیں کیا اور آپ یہ بھی سوچیں کہ شکنتلا رانی سے مجھے کتنا پیار ہے مگر میں نے اسے بھی نہیں بتایا کہ میں تمام تر خزانہ قلعے سے کہیں اور منتقل کر چکا ہوں۔"

"مہاراج کو مجھ پر کسی قسم کا شک نہیں کرنا چاہیئے" — پنڈت نے کہا — "میں آپ کا خزانہ اُس روز سے اس غار میں لے جا رہا ہوں جس روز سے یہاں اطلاع پہنچی ہے کہ غزنی کے سلطان محمود نے متھرا پر بھی قبضہ کر لیا ہے اور اب اُس کا رخ قنوج کی طرف ہے۔ آپ خود جا کر وہ جگہ دیکھ آئے ہیں جو میں نے اس پہاڑی

کے اندر بنوائی ہے۔ راج محل میں بھی کسی کو پتہ نہیں چل سکا کہ ایک رات آپ میرے ساتھ وہاں گئے تھے .... آج میں نے آپ کے زر و دولت کی آخری کھیپ بھی اُس جگہ پہنچا دی ہے۔"

"اُس کی حفاظت کا انتظام مکمل ہو گیا ہے؟"

"اتنا مکمل کہ اب آپ بھی وہاں اکیلے جائیں تو شاید وہاں سے زندہ نہیں نکل سکیں گے" — پنڈت نے کہا — "وہاں پہرے پر کوئی ایک بھی انسان نہیں سب پہرہ دے رہے ہیں۔"

"مجھے ایک بات اور کہنی ہے" — مہاراجہ نے کہا — "اگر یہ راز فاش ہو گیا تو وہ دن آپ کی زندگی کا آخری دن ہو گا، اور اگر اس سے پہلے میری موت آ گئی تو آپ کو میرے ساتھ مرنا ہو گا۔"

پنڈت کے ہونٹوں پر طنز آلود مسکراہٹ آ گئی۔ بولا — "زر و جواہرات کا نشہ اتنا بُرا ہوتا ہے کہ انسان درندہ بن جاتا ہے۔ اپنے بیوی بچوں کو اور اپنے مذہبی پیشواؤں کو بھی اپنا دشمن سمجھنے لگتا ہے۔ جو دولت میرے پاس ہے، اس کے سامنے ہیروں اور سونے کی چمک کوئی معنی نہیں رکھتی۔ میرے بھگوان، میری پرارتھنا اور ہری کرشن کے چرنوں میں راتوں کو جاگنا وہ دولت ہے کہ آپ جیسے مہاراجے اور ان کی فوجیں مجھے چیونٹیوں کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔"

"اسی لیے تو میں نے آپ کو اپنا رازدان بنایا ہے" — مہاراجہ راجیا پال نے کہا۔

تمام مورخین نے جن میں محمد قاسم فرشتہ اور البرونی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، لکھا ہے کہ محمود غزنوی کو بتایا گیا تھا کہ اُس کا مقابلہ قنوج میں ہو گا۔ قنوج کے حکمران خاندان کے متعلق سلطان محمود نے ایسی باتیں سن رکھی تھیں کہ اُس پر عجیب سی قسم کی سنجیدگی طاری ہو گئی تھی۔ غزنی سے اُسے کمک ملنے کی توقع نہیں تھی۔ وہ ایسی چالیں سوچتا رہتا تھا جن سے قنوج کی فوج کو شکست دے سکے۔ متھرا میں اُس نے اپنی فوج

iqbalmt@oneurdu.com

کو بہت آرام دے لیا تھا مگر سالاروں اور نائب سالاروں کو اُس نے چین سے بیٹھنے نہیں دیا تھا۔ اپنی فوج کا مورال بلند کرنے کے لیے اُس نے اماموں کے ذریعے تمام فوج کو پیغام بھی دیا تھا۔

یہ اُس کے جذبے کا جنون اور عزم کی پختگی تھی کہ وہ یکے بعد دیگرے اتنے قلعے سر کر کے اور اتنے معرکے لڑ کر بھی آگے بڑھنے کا فیصلہ کر چکا تھا، مگر قنوج کے متعلق اُسے جو رپورٹ ملی تھی وہ صحیح نہیں تھی۔ مہاراجہ قنوج راجیاپال نے اپنا خزانہ قنوج سے کسی پہاڑی علاقے میں منتقل کرنا شروع کر دیا تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ محمود غزنوی کی پے بہ پے فتوحات اور اس کی برق رفتار یلغار کو دیکھ کر راجیاپال حوصلہ چھوڑ بیٹھا تھا۔ قنوج کے بڑے مندر کا پنڈت اُسے لڑنے کے لیے تیار کر رہا تھا مگر اُس کے پاس نہ لڑنے کی ایک وجہ اور بھی تھی جو اُس نے پنڈت کو نومبر ۱۰۱۸ء کی اس صبح اپنی خواب گاہ میں بتائی۔

"مہاراج کا خزانہ محفوظ ہو گیا ہے" — پنڈت اسے کہہ رہا تھا — "اب آپ سلطان محمود کا مقابلہ جم کر کریں، ورنہ قنوج کا مندر بھی مسجد بن جائے گا۔ یہ نہ بھولیں کہ جنہیں مسلمان بُت کہتے ہیں وہ ہمارے بھگوان ہیں۔ ان کی جو توہین ہو چکی ہے وہ آپ نے دیکھ لی ہے۔ میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ آپ دیوی دیوتاؤں کے قہر سے بچ نہیں سکیں گے۔"

مہاراجہ نے پنڈت کو طنزیہ نگاہوں سے دیکھا اور دھیمی سی آواز میں بولا — "جنہیں آپ دیوی دیوتا کہتے ہیں یہ دراصل بُت ہی ہیں۔ اگر ان میں قہر برسانے کی طاقت ہے تو اپنی بے عزتی کی سزا مسلمانوں کی فوج کو کیوں نہیں دیتے؟ وہ مسلمان انہیں توڑنے والوں پر بجلی بن کر کیوں نہیں گرتے؟"

"مسلمانوں کی فوج دراصل دیوتاؤں کا قہر ہے جو اس دیس کے اُن مہاراجوں پر پڑ رہا ہے جو اپنے مذہب کی توہین کرا رہے ہیں" — پنڈت نے کہا — "مگر آپ مذہب کی بجائے اپنے خزانوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔"

"وہ اس لیے کہ غزنی کا سلطان خزانے لوٹ کر غزنی لے جانے کے لیے آیا ہے" —

مہاراجہ راجیاپال نے کہا — "وہ قنوج کا خزانہ نہیں لے جا سکے گا۔ وہ مجھے قید نہیں کر سکے گا۔ وہ یہاں پاگلوں کی طرح ہمارا خزانہ ڈھونڈتا رہے گا۔ اُسے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اُسے میں بھی نہیں ملوں گا۔ میں وہاں ہوں گا جہاں اُس کی پوری فوج مجھے نہیں ڈھونڈ سکے گی۔"

"اُسے مندر مل جائیں گے" — پنڈت نے کہا — "وہ مندروں کو اجاڑے گا اور ہم کھڑے دیکھتے رہیں گے۔ مہاراج! زر و جواہرات کے پیار نے آپ کو بزدل بنا دیا ہے۔ آپ غزنی کے سلطان کو دھوکہ دینے کی سوچ رہے ہیں مگر یہ بزدلی ہے۔ آپ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اپنی فوج کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ آپ نہیں سمجھتے کہ جب آپ یہاں سے چوری چھپے بھاگ کر کہیں چلے جائیں گے تو آپ کی فوج اور رعایا کے دل میں آپ کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے گی.... میں بھگوان کے نام پر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنا فیصلہ بدل دیں۔ قنوج کا بچہ بچہ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہے۔ انہیں مسلمانوں کے خلاف آگ کے بگولے بنانا میرا کام ہے۔"

"مجھے سوچنے دیں" — مہاراجہ راجیاپال نے کہا — "مجھے سوچنے دیں" — وہ پریشان ہو گیا اور بے چینی کے عالم میں کہنے لگا — "میں نے کچھ سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ آپ چلے جائیں۔ میں آپ کو ہر ایک بات نہیں بتا سکتا۔"

پنڈت کے جانے کے بعد مہاراجہ قنوج راجیاپال نے اپنی فوج کے سینئر کمانڈروں کو بلایا اور انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا — "یہ بظاہر بزدلی ہے کہ میں غزنی والوں کا مقابلہ نہیں کروں گا، لیکن میں نے سوچا ہے کہ میں غائب ہو جاؤں گا۔ یہ محمود کے لیے بہت بڑی چوٹ ہو گی۔ وہ قنوج میں پاگلوں کی طرح سر پٹختا پھرے گا۔ وہ ابھی یہاں سے جائے گا نہیں۔ اس کا مقابلہ ابھی کسی نے بھی نہیں کیا۔ اُسے ہر جگہ آسان فتح حاصل ہوئی ہے۔ میں نے سوچا ہے کہ لڑا لڑا کر اور پیش قدمی کرتے کرتے اُس کی طاقت بہت کم ہو جائے گی۔ میں اس عرصے میں دوسرے مہاراجوں

iqbalmt@oneurdu.com

کو ساتھ ملا کر بڑی زبردست فوج بنالوں گا۔ پھر یہی قنوج سلطان محمود اور اس کی فوج کا قبرستان بن جائے گا۔"

وہ سلطان محمود غزنوی کا مقابلہ نہ کرنے اور غائب ہو جانے کے حق میں جواز پیش کرتا رہا مگر اس کے فوجی کمانڈروں کے چہرے بتا رہے تھے کہ وہ اپنے مہاراجہ کے فیصلے کو پسند نہیں کر رہے۔ ان میں سے کوئی بھی نہ بولا۔ سب بُت بنے سنتے رہے۔

"کیا آپ سب کو میرا فیصلہ منظور نہیں ہے؟" — اُس نے سب سے پوچھا۔

"ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے" — اُس کے سیناپتی (کمانڈر انچیف) نے کہا — "مگر ہم میں سے کوئی بھی اپنی زبان سے یہ نہیں کہے گا کہ وہ نہیں لڑے گا۔ مہاراج! یہاں سوال آپ کے یہاں رہنے یا غائب ہو جانے کا نہیں۔ یہاں مسئلہ مذہب کا ہے۔ اس جنگ کا تعلق براہِ راست مذہب سے ہے۔ اگر ہندو راجے یوں میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے تو سارا ہندوستان مسلمان ہو جائے گا۔"

مہاراجہ راجیا پال نے ایک کاغذ کھول کر اپنے سیناپتی کو دے کر کہا — "یہ سب کو پڑھ کر سناؤ۔"

یہ لاہور کے مہاراجہ بھیم پال نِڈر کا خط تھا جو اُس نے منج کے رائے چند کو لکھا تھا۔ رائے چند نے یہ خط قنوج کے مہاراجہ راجیا پال کو بھیج دیا تھا۔ بہت سے مؤرخوں نے اس خط کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مطابق مہاراجہ بھیم پال نِڈر نے رائے چند کو لکھا تھا:

"سلطان محمود ہندوستان کے حکمرانوں کی طرح نہیں۔ وہ سیاہ فام آدمیوں کا سردار نہیں۔ اُس کا نام سن کر ہی فوجیں اُس کے آگے بھاگ اٹھتی ہیں۔ اُس کے گھوڑے کی لگام آپ کے گھوڑے کی لگام سے زیادہ مضبوط ہے۔ وہ وار کے ایک ہی وار سے مطمئن نہیں ہوا کرتا اور وہ سلسلۂ کوہ میں سے صرف ایک پہاڑی نہیں لیا کرتا۔ اگر آپ اُس سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ کہیں چھپ جائیں۔"

رائے چند نے یہ خط اس پیغام کے ساتھ مہاراجہ راجیا پال کو بھیج دیا تھا کہ وہ لڑ کر مرنے کو ترجیح دے گا۔ اُس نے یہ خط مہاراجہ راجیا پال کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ اپنی قسمت کا خود فیصلہ کرلے۔

"میں جانتا ہوں غزنی کا سلطان محمود قنوج کو کھنڈر بنادے گا" — مہاراجہ راجیا پال نے کہا — "لیکن یہی کھنڈر اُس کی قبر بنیں گے اور ان کھنڈروں سے نیا قنوج ابھرے گا جو ہندو مت کا محافظ ہوگا..... میں آپ سب کو یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ فوج کو پتہ نہ چلے کہ میں نے کیا فیصلہ کیا ہے۔"

تمام کمانڈر سر جھکائے ہوئے باہر نکل گئے۔

آدھی رات سے کچھ دیر پہلے پنڈت عبادت میں مصروف تھا۔ یہ وقت اُس کی عبادت کا نہیں تھا لیکن مہاراجہ قنوج کے فیصلے نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ اسے اب یہی نظر آرہا تھا کہ سلطان محمود آئے گا اور اس مندر کو اجاڑ کر اُس کے دیوتاؤں کے بُت توڑ دے گا۔ پنڈت اُس وقت سے ڈر رہا تھا اور دیوتاؤں سے کہہ رہا تھا کہ وہ مسلمانوں کو قنوج سے دور ہی فنا کر دیں۔ وہ رو بھی رہا تھا اور بڑی درد ناک آواز میں بھجن گا رہا تھا۔ اُس کا دروازہ کھلا مگر وہ عبادت میں اتنا محو تھا کہ اُسے پتہ نہ چل سکا کہ اُس کے قریب کوئی آکے بیٹھ گیا ہے۔ وہ اُس وقت چونکا جب اُس کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا۔ اُس نے دیکھا۔ اُس کے قریب مہاراجہ قنوج کی چھوٹی رانی شکنتلا بیٹھی تھی۔

"آپ؟" — پنڈت نے حیران ہو کے پوچھا — "اس وقت؟..... " وہ سنبھل گیا اور بولا — "پہلے دیوی کے چرنوں میں ماتھا رگڑیں۔"

رانی شکنتلا نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ وہ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے تھی۔ پنڈت نے اپنے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑتی محسوس کی۔ ایک اس لیے کہ وہ شکنتلا رانی تھی اور دوسرے اس لیے کہ شکنتلا کے حسن میں جادو کا اثر تھا۔ پنڈت کا دل اس سوال سے بڑی زور زور سے دھڑکنے لگا کہ رانی اس وقت مندر میں کیوں آئی ہے؟ وہ عبادت کے لیے نہیں آئی تھی۔ اُس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کسی خاص مقصد کے لیے آئی ہے۔

"آپ کے چہرے پر گھبراہٹ کیوں آگئی ہے؟" — رانی شکنتلا نے کہا — "کیا مجھ

iqbalmt@oneurdu.com

جیسی خوبصورت عورت پہلے نہیں دیکھی ! ... کیا میں اُن کنواریوں کے مقابلے میں کچھ نہیں جنہیں آپ منتخب کر کے اپنے پاس رکھا کرتے ہیں اور لوگوں کو یہ بتایا کرتے ہیں کہ یہ کنواریاں اب پاک ہو گئی ہیں" !

"آپ اپنا مطلب بیان کر دیں تو زیادہ بہتر ہو گا" ــــ پنڈت نے کہا ــــ "آپ دیکھ رہی ہیں کہ میں عبادت میں مصروف ہوں"۔

"مہاراج !" ــــ شکنتلا نے کہا ــــ "اگر ہم ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دیں تو دونوں کے لیے بہتر ہو گا۔ آپ کس کی عبادت کر رہے ہیں ؟ ان دیوتاؤں کی جو دو دن کے مہمان ہیں ؟ ہری کشن واسدیو نے مسلمانوں کا کیا بگاڑ لیا ہے ؟ کنواریوں کی قربانی کہاں گئی ؟ اُن معصوموں کا خون کس کھاتے میں گیا ؟"

"کیا آپ مجھے مہاراج کی طرح مذہب سے گمراہ کرنے آئی ہیں ؟"

"نہیں" ــــ رانی شکنتلا نے کہا ــــ "میں آپ کو مہاراجہ بنانے آئی ہوں ....

مجھے صرف یہ بتا دیں کہ خزانہ کہاں ہے۔ مجھے وہاں لے چلیں۔ ہم دونوں، میں اور آپ خزانہ لے کے کہیں چلے جائیں گے۔ ہو سکتا ہے میں آپ کو قنوج کی گدی پر ہی بٹھا دوں"۔

"کیسا خزانہ ؟" ــــ پنڈت نے کہا ــــ "میں خزانے کے متعلق کچھ نہیں جانتا"۔

"میں جانتی ہوں آپ اپنا عہد پورا کر رہے ہیں" ــــ رانی شکنتلا نے کہا ــــ "لیکن آپ کو مجھے اس راز میں شریک کرنا پڑے گا۔ مجھے مذہب سے اور دیوتاؤں کے قہر سے نہ ڈرانا۔ مذہب کو میں ایک فریب کے سوا کچھ نہیں سمجھتی۔ میں صرف خزانہ حاصل کرنے نہیں آئی۔ آپ کو بھی ساتھ لے جانے آئی ہوں"۔

"مذہب کوئی سا بھی ہو، مذہب کو فریب سمجھنے والے اس دنیا میں کبھی سکھی نہیں رہے" ــــ پنڈت نے کہا ــــ "غزنی کا سلطان کیوں فتح پہ فتح حاصل کرتا جا رہا ہے ؟ صرف اس لیے کہ اُسے اپنے مذہب سے اتنا پیار ہے کہ وہ سارے ہندوستان کو مسلمان بنا دینا چاہتا ہے۔ اس کے دل میں ہمارے مذہب کے خلاف نفرت بھری ہوئی ہے"۔

"ہمارا مذہب نفرت کے قابل نہیں تو اور کیا ہے ؟" ــــ رانی شکنتلا نے کہا ــــ "مہاراج ! میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپ میں کیسی راتوں سے خزانہ کہیں لے جا کر چھپا رہے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ اس راز سے آپ اور مہاراجہ کے سوا کوئی واقف نہیں۔ آپ نہیں جانتے کہ مجھ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔ اگر آپ نے میری راہنمائی نہ کی تو آپ کو بہت بڑا نقصان ہو گا"۔

"کیا آپ اپنے خاوند کو دھوکہ دینا چاہتی ہیں ؟"

"مہاراجہ کسی ایک عورت کا خاوند نہیں ہوتا" ــــ شکنتلا رانی نے کہا ــــ "آج رات وہ کسی اور کا خاوند ہے، اس لیے آپ کے پاس آنے کا موقع مل گیا ہے۔ مہاراجہ اُس وقت تک میرا خاوند ہے جس وقت تک میرا حسن و جوانی قائم ہے ....

مہاراج ! انسان جب تخت پر بیٹھ کر سر پر سونے کا تاج سجا لیتا ہے تو اُس کے اندر انسانی جذبات مر جاتے ہیں۔ وہ محبت اور خلوص سے خالی ہو جاتا ہے۔ مہاراجہ کو صرف خزانے سے محبت ہے۔ اسے ایسا کوئی غم نہیں کہ غزنی کے فوجی مجھے اور مجھ جیسی تمام جوان اور خوبصورت عورتوں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ وہ اپنے خزانے کو بچانا چاہتا ہے۔ اُسے آپ کا اور آپ کے دیوتاؤں کا کوئی خیال نہیں۔ آپ اپنا خیال کریں اور آپ میری طرف دیکھیں"۔

"میں اس کے باوجود آپ کو خزانے کا راز نہیں دوں گا" ــــ پنڈت نے کہا۔

"پھر آپ اغوا ہو جائیں گے" ــــ شکنتلا رانی نے کہا ــــ "آپ میری آنکھ کے اشارے پر قتل ہو جائیں گے، لیکن میں آپ کو قتل نہیں کراؤں گی۔ آپ کی دونوں آنکھیں نکلوا کر اور آپ کے جسم کی کھال کہیں کہیں سے کاٹ کر آپ کو جنگل میں چھوڑ دوں گی۔ اُس موت کو تصور میں لائیں جو آپ کو بڑی آہستہ آہستہ اس دنیا سے اٹھائے گی۔ اُس اذیت کا تصور کریں جو آپ کو آہستہ آہستہ تڑپا تڑپا کر پیاسا مارے گی۔ آپ کے زخموں پر مکھیاں بیٹھیں گی اور چیونٹیاں چڑھیں گی۔ ہو سکتا ہے گدھ آپ کو زندہ ہی نوچنے لگیں"۔

پنڈت اس طرح چپ چاپ سن رہا تھا جیسے اُس کی زبان گنگ اور اُس

iqbalmt@oneurdu.com

کے جسم کی طاقت سلب ہوگئی ہو۔ شکنتلا رانی کی آنکھوں کی چمک جس میں حُسن کا سحر تھا، اب ایک چڑیل کی آنکھیں بن گئی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ، دھیمے دھیمے بول رہی تھی۔

"اور اگر میں نے آپ پر رحم کیا تو میں دوسرا طریقہ اختیار کروں گی"۔۔۔ شکنتلا رانی نے کہا ۔۔۔ "میں مہاراجہ سے کہوں گی کہ آپ نے مندر میں بلا کر مجھ پر دست درازی کی ہے۔ میں گواہ بھی لے آؤں گی۔ میں اپنے جسم پر اپنے ہی ناخنوں سے خراشیں ڈال کر کہوں گی کہ یہ آپ کے ناخنوں کی خراشیں ہیں۔ مہاراجہ آپ کی نہیں سنیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان مندروں میں کیا ہوتا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ ہر پنڈت اور ہر سادھو عورتوں کا شکاری ہے .... پھر آپ کو جلاد کے حوالے کر دیا جائے گا۔ یہ موت آپ کے لیے آسان ہوگی۔"

پنڈت کے جسم نے جھرجھری لی اور وہ بولا ۔ "میں تمہیں خزانے تک لے جاؤں گا .... کب چلوگی؟"

"ابھی" ۔۔۔ شکنتلا رانی نے کہا ۔۔۔ "لیکن یاد رکھیں کہ مہاراجہ تک یہ اطلاع پہنچی تو آپ کا انجام وہی ہوگا جو میں آپ کو بتا چکی ہوں۔ میں دس آدمی اور دس عورتیں مہاراجہ کے سامنے کھڑی کر کے ان سے کہلواؤں گی کہ آپ نے خزانے کا لالچ دے کر مجھے اپنے ساتھ بھاگ چلنے کو کہا تھا اور میں آپ کو موقع پر گرفتار کرانے کے لیے خزانے تک ساتھ چلی گئی تھی۔"

"خزانہ اٹھوانے کے لیے بہت سے آدمیوں کی ضرورت ہے" ۔۔۔ پنڈت نے کہا ۔۔۔ "یہ انتظام خفیہ طریقے سے کیسے ہوگا؟"

"میں آج رات صرف جگہ دیکھنا چاہتی ہوں" ۔۔۔ شکنتلا رانی نے کہا ۔۔۔ "سارا انتظام میرا ہوگا اور خفیہ ہوگا اور آپ کو میں اپنے ساتھ رکھوں گی۔ آپ کے ساتھ دھوکہ نہیں ہوگا۔"

پنڈت اٹھ کھڑا ہوا۔

طلال ابراہیم اور صالح بروک نے رات چٹان پر گزاری تھی۔ صبح ہوئی تو طلال نے کہا کہ وہ اس شگاف کے اندر جانا چاہتا ہے۔ صالح نے اُسے کہا کہ سب سے پہلے

iqbalmt@oneurdu.com

انہیں وہ کام کرنا چاہیے جس کے لیے وہ ادھر آئے ہیں مگر طلال کی ضد کام کر گئی۔ پنڈت ان آدمیوں کو جن کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں جس شگاف میں لے گیا تھا، دن کی روشنی میں ڈراؤنا دکھائی دے رہا تھا۔ وہاں سے چٹان نے عجیب سی شکل اختیار کر لی تھی۔ عمودی اور خاصی اونچی دیوار سی تھی۔ اس میں شگاف ایسے تھا جیسے کنوئیں کی دیوار ایک طرف سے گرا دی گئی ہو۔ اس میں سے پیچھے کی چٹان جو کنوئیں کی تھی نظر آ رہی تھی۔

طلال اور صالح اس کے اندر چلے گئے۔ یہ ایک وسیع کنواں تھا جو قدرت نے زمین پر بنایا تھا۔ چٹان میں پتھر بھی تھے مٹی بھی۔ اُوپر کے درخت جھک کر اس پر سایہ کیے ہوئے تھے۔ دیواروں میں بھی درخت تھے جو اوپر چلنے کی بجائے زمین کے ساتھ متوازی ہو گئے تھے۔ ان کے سائے نے اندھیرا سا کر رکھا تھا۔ اس کنوئیں نما جگہ میں پانی کھڑا تھا جو پانی کم اور دلدل زیادہ تھی۔ اس کے کناروں اور چٹان کے درمیان چلنے کے لیے تھوڑا سا خشک راستہ تھا۔ طلال اور صالح اس راستے پر چلتے چلتے آگے گئے تو سامنے والی چٹان کے دامن میں مٹی کی ایک ٹیکری تھی۔ پنڈت کے آدمی یہیں کہیں غائب ہو گئے تھے۔

دونوں ٹیکری پر چڑھے تو انہیں چٹان میں ایک دہانہ نظر آیا جو جھکے ہوئے ایک درخت اور جھاڑی نما درختوں میں چھپا ہوا تھا۔ وہ دہانے میں چلے گئے۔ اندر کمرے کی طرح کا غار تھا جس میں آسانی سے کھڑا ہوا جا سکتا تھا۔ یہ گول سا کمرہ تھا۔ اتنا اندھیرا تھا کہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ دونوں نے بہت ٹٹولا مگر وہاں مٹی اور پتھروں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک جگہ ایک اور دہانہ کھلا ہوا تھا جو دراصل سرنگ تھی۔ یہ اس قدر اندھیری تھی کہ کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ اندر کیا ہے۔

"اگر تم اکیلے یہاں رہنا چاہو تو رہ سکتے ہو" ۔۔۔ صالح بروک نے طلال ابراہیم سے کہا ۔۔۔ "میں جا رہا ہوں۔"

طلال بے دلی سے باہر کو چل پڑا۔ وہ بار بار پیچھے دیکھتا تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ اپنے فرض کو بھول چکا ہے۔ جنگل کا یہ گوشہ کچھ پُراسرار اور خوفناک سا تھا۔ صالح بروک طلال کو اپنے ساتھ لے گیا اور دونوں پانچ چھ میل دُور ایک چٹان پر چڑھ گئے جہاں سے

انہیں قنوج کا قلعہ اور شہر نظر آ رہا تھا۔ وہاں انہیں کوئی فوجی نقل و حرکت نظر نہیں آ رہی تھی۔

"سلطان منج کے قریب پہنچ چکا ہوگا"۔۔۔ صالح نے کہا۔ "اور ہمیں کچھ نظر نہیں آ رہا۔"

"ہم دو آدمی پیدل کتنے علاقے کو دیکھ سکتے ہیں؟"۔۔۔ طلال نے کہا۔ "ہو سکتا ہے قنوج کی فوج رات کو کسی اور راستے سے منج کے قریب چلی گئی ہو۔"

"ہر جگہ ہمارے آدمی موجود ہیں"۔۔۔ صالح نے کہا۔ "میں یقین سے کہتا ہوں کہ قنوج سے فوج باہر نہیں نکلی۔"

وہ سارا دن گھومتے پھرتے رہے اور رات اُسی جگہ چلے گئے جہاں گزشتہ رات سوئے تھے۔ صالح نے طلال سے کہا تھا کہ وہ ساری رات وہاں گزاریں گے۔ آدھی رات تک سوئیں گے۔ پھر قنوج کے قریب چلے جائیں گے کیونکہ فوج کی نقل و حرکت کی توقع رات کو ہی کی جا سکتی تھی۔

دونوں اُسی جگہ چٹان کے اُوپر لیٹ گئے۔ وہ اتنے تھکے ہوئے تھے کہ لیٹتے ہی سو گئے۔

آدھی رات سے ذرا پہلے صالح بردک کی آنکھ کھل گئی۔ اُسے گھوڑوں کے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اُس نے طلال ابراہیم کو جگایا۔ گھوڑے قریب آ رہے تھے۔ ذرا دیر بعد روشنی نظر آنے لگی۔

"ہمارا کام ہوتا نظر آ رہا ہے"۔۔۔ صالح نے کہا۔ "یہ آوازیں دو یا تین گھوڑوں کی ہیں۔ فوج آ رہی ہوگی۔"

دونوں پیٹ کے بل رینگ کر آگے ہو گئے جہاں سے وہ کسی کو نظر آئے بغیر نیچے دیکھ سکتے تھے۔ انہیں دو گھوڑے آتے دکھائی دیئے۔ ایک سوار کے ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل تھی۔ وہ قریب آئے تو طلال نے کہا۔۔۔ "یہ کل رات والا آدمی معلوم ہوتا ہے، اور دوسری عورت ہے۔"

"لعنت بھیجو"۔۔۔ صالح نے کہا۔ "ان کا فوج کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔"

وہ سوار کنواں نما چٹان کے شگاف میں آ رُکے اور اِدھر اُدھر دیکھ کر گھوڑے اندر لے گئے۔۔۔ ایک تو پنڈت تھا اور دوسری شکنتلا رانی تھی۔۔۔ وہ اندر جا کر غار کے دہانے کے سامنے والی ٹیکری کے قریب رکے اور گھوڑوں سے اُتر کر ٹیکری پر جا چڑھے اور غائب ہو گئے۔

"میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ چل کے دیکھتے ہیں یہ ہے کیا"۔۔۔ طلال نے صالح سے کہا۔۔۔ "یہ ایک مرد اور ایک عورت ہے۔ تم نے عورت دیکھی ہے۔ یہ کوئی معمولی سی قسم کی عورت نہیں۔ شہزادی معلوم ہوتی ہے۔"

صالح بردک کو نہ پنڈت کے ساتھ دلچسپی تھی نہ عورت کے ساتھ لیکن طلال ابراہیم اتنی تیزی سے چٹان سے اُتر گیا کہ صالح اُسے روک نہ سکا۔ وہ بھی اُس کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔ دونوں نے کپڑوں کے اندر ایک ایک تلوار اور ایک ایک خنجر چھپا رکھا تھا۔ دونوں نے تلواریں نکال لیں اور اندھیرے میں دلدل کے کنارے کنارے غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ اندر سے روشنی آ رہی تھی۔ پنڈت اور شکنتلا رانی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ اُن کے سوا یہاں کوئی اور انسان موجود ہے۔ ان کی باتیں باہر سنائی دے رہی تھیں۔

"رانی!"۔۔۔ پنڈت کہہ رہا تھا۔ "خزانہ یہاں ہے۔ میں تمہیں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ واپس چلی جاؤ۔"

"یہاں تو کچھ بھی نہیں"۔۔۔ رانی نے کہا۔ "کیا خزانہ اس فرش کے نیچے ہے؟"

"اور اب میں تمہیں قتل کر سکتا ہوں"۔۔۔ پنڈت نے کہا۔ "تم نے مجھے دھمکیاں دی تھیں اور مجھے بھیانک انجام سے ڈرایا تھا۔ اب بتاؤ تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ تمہاری لاش ایسی جگہ چھپاؤں گا کہ کسی کو ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گی۔"

"ہوش میں آؤ پنڈت!"۔۔۔ رانی شکنتلا نے کہا۔ "کیا اس تنہائی میں آپ مجھ جیسی عورت کو رُلا سکیں گے!۔۔۔"

"پنڈت جی مہاراج! میں پھر کہتی ہوں کہ اپنے آپ کو فریب نہ دو۔"

"مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ رانی!"۔۔۔ پنڈت کی آواز سنائی دی۔۔۔ "کسی کو

iqbalmt@oneurdu.com

مدد کے لیے بلانا چاہتی ہو تو پورے زور سے چیخو۔"

"نہیں مہاراج!" شکنتلا کی التجا سنائی دی۔"خنجر نہ نکالو۔ ایک بار پھر میری بات سن لو۔"

ایسی آوازیں آئیں جیسے پنڈت نے شکنتلا کو پکڑ لیا ہو۔ وہ اس طرح بول رہی تھی جیسے اپنے آپ کو اس سے بچانے کے لیے اس وسیع غار میں بھاگ رہی ہو۔

پنڈت اُسے پکڑنے کو دوڑ رہا تھا۔ مشعل کا ڈنڈا زمین میں گڑا ہُوا تھا۔ کمرہ نما غار روشن تھا۔ پنڈت رانی کے پیچھے دوڑتے دوڑتے رک گیا اور غار کے دہانے کی طرف دیکھنے لگا۔ شکنتلا رانی نے بھی اُدھر دیکھا اور رُک گئی ۔۔۔ غار کے دہانے میں دو آدمی جو لباس سے خانہ بدوش گڈریئے لگتے تھے، ہاتھوں میں تلواریں لیے کھڑے تھے۔ پنڈت اور شکنتلا پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ طلال اور صالح بھی خاموشی سے کھڑے رہے۔

"تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟" پنڈت نے سنبھلتے ہُوئے بڑے رعب سے کہا۔"چلے جاؤ۔ یہاں ہمارے بہت سے آدمی ہیں۔ تمہاری لوٹی بھی نہیں ملے گی۔"

"خنجر پھینک دو"۔ طلال ابراہیم نے دھیمی سی آواز میں کہا۔"اور دونوں آگے آؤ، اور ہمیں بتاؤ کہ یہاں کیا ہے اور یہاں کیا کر رہے ہو۔"

پنڈت کھسیانی سی ہنسی ہنس کر بولا۔"ہم مسافر ہیں۔ قنوج جا رہے ہیں۔ یہ میری بیوی ہے۔ باہر ہمارے گھوڑے کھڑے ہیں۔ یہاں رات گزارنے کے لیے رک گئے ہیں۔"

صالح بروک ۔۔۔ وہیں کھڑا تھا۔ طلال نے آگے بڑھ کر پنڈت کے ہاتھ سے خنجر لیا اور اپنی تلوار کی نوک پنڈت کی شہ رگ پر رکھ کر پوچھا۔"سچ بتاؤ یہاں کیا ہے۔ ہم خود بھی ڈھونڈ سکتے ہیں لیکن اس صورت میں تم زندہ نہیں رہو گے اور یہ عورت ہمارے قبضے میں ہو گی"۔۔۔ اُس نے شکنتلا کی طرف دیکھ کر کہا۔"اپنا انجام سوچ لو۔"

"یہاں خزانہ ہے"۔ شکنتلا رانی نے کہا۔"میں تمہیں منہ مانگا معاوضہ دوں گی۔ لے کر چلے جانا۔"

"ہاں!"۔۔۔ پنڈت نے کہا۔"یہ ٹھیک کہتی ہے۔ یہاں خزانہ ہے۔"

"کہاں سے آیا ہے خزانہ؟" ۔۔۔ طلال نے پوچھا ۔۔۔"اور تم دونوں کون ہو؟" ....

"میں قنوج کے بڑے مندر کا پنڈت ہوں اور یہ مہاراجہ قنوج کی رانی ہے"۔۔۔ پنڈت نے کہا۔"اگر تم انعام وصول کرنا چاہتے ہو تو میں دے دوں گا مگر تمہیں یہاں سے جانا پڑے گا۔"

"یہ فیصلہ ہم خود کریں گے کہ ہم چلے جائیں گے یا یہیں رہیں گے"۔۔۔ طلال نے کہا۔"تم یہ بتاؤ کہ خزانہ کہاں ہے؟"

"آؤ"۔۔۔ شکنتلا رانی نے مسکرا کر طلال کا بازو پکڑا اور اُسے غار کے دہانے کی طرف لے جاتے ہُوئے بولی۔"میں تمہیں بتاتی ہوں کہ خزانہ کہاں ہے۔"

طلال اُس کے ساتھ چل پڑا۔ صالح بروک نے اُسے روکا مگر طلال نے اُس کی ایک نہ سنی اور شکنتلا رانی کے ساتھ باہر نکل گیا۔ صالح فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ کیا کرے۔ وہ پنڈت کو اکیلے چھوڑنے میں خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے کچھ آدمی قریب ہوں اور یہ انہیں بلا لے۔ وہ طلال کو شکنتلا جیسی حسین عورت کے ساتھ بھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ شش و پنج میں پڑا ہُوا پنڈت کے سامنے کھڑا رہا۔ اُسے یہ احساس پریشان کر رہا تھا کہ اُس کا ساتھی اگر زندہ واپس آ گیا تو اُس پر اس عورت کا جادو سوار ہو چکا ہو گا۔

شکنتلا اور طلال کچھ دیر بعد واپس آ گئے۔ طلال کا چہرہ اور اُس کی چال ڈھال بتا رہی تھی کہ وہ بالکل بدل گیا ہے اور اپنے فرض کو وہ دل سے اتار چکا ہے۔ اس نے آتے ہی پنڈت سے کہا کہ وہ بتا دے کہ خزانہ کہاں ہے۔

صالح بروک نے گرج کر کہا۔"طلال! باہر نکلو یہاں سے!"

طلال نے صالح کی طرف دیکھا پھر پنڈت اور شکنتلا رانی سے کہا۔"تم دونوں وہاں دیوار کے ساتھ بیٹھ جاؤ"۔ اور وہ صالح کو ان سے دور لے گیا۔ کہنے لگا ۔۔۔"میری بات غور سے سنو صالح بروک! میں اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کر رہا۔ میں تمہیں دھوکہ نہیں دے رہا۔ یہاں سے ہم دونوں کو کچھ وصول ہو جائے تو کیا بُرا ہے؟"

"طلال!" ۔۔۔ صالح نے کہا۔"تمہارے جسم سے مجھے اس ناپاک عورت کی بدبو

iqbalmt@oneurdu.com

آ رہی ہے۔ عورت میں صرف یہ طاقت ہوتی ہے کہ وہ عورت ہے اور مرد کا مرد ہونا اس کی کمزوری ہے۔ میں جانتا تھا وہ تمہیں باہر کیوں لے گئی تھی۔ تم کہتے ہو کہ تم مجھے دھوکہ نہیں دو گے؟ .... ہمارے درمیان ایک عورت اور سونے کے چند ایک ٹکڑے آ گئے تو ہم دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔ سلطان محمود غزنوی کی فتح اور شکست کا انحصار ہم دونوں پر ہے۔"

"غور سے سنو صالح بھائی!" — طلال نے کہا۔ "ہم ہندوستان کے رہنے والے ہیں۔ غزنی والے ہمیں کیا دیتے ہیں؟ کیا اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کا اتنا سا ہی معاوضہ ہونا چاہئے جو ہمیں غزنی کی فوج سے ملتا ہے؟"

"ہم نے جو فرض اپنے ذمے لیا ہے اس کا معاوضہ خدا دے گا" — صالح برک نے کہا۔ "تم اپنے آپ کو غزنی کی فوج کا ملازم نہ سمجھو۔ ہم اسلام کے مجاہدین ہیں۔"

"اتنا خزانہ نہ چھوڑو صالح۔"

"اپنا حلف یاد کرو" — صالح نے کہا۔ "ہم نے قرآن مجید ہاتھ میں لے کر حلف اٹھایا تھا کہ جان پر کھیل کر فرض ادا کریں گے اور دھوکہ نہیں دیں گے اور ہمارے قدموں میں خزانے رکھ دیئے گئے تو بھی قبول نہیں کریں گے اور ایمان کے پکے رہیں گے .... طلال! موت کا کوئی بھروسہ نہیں کب آ جائے۔ یہ خزانے دنیا میں دھرے رہ جائیں گے۔"

"مجھے آزما لینا" — طلال نے کہا۔ "تم یہیں رہو۔ مجھے یہاں سے کچھ وصول کر لینے دو۔"

طلال نے پنڈت سے کہا — "اٹھو اور مجھے خزانے تک لے چلو۔"

"مہاراج!" شکنتلا رانی نے بھی پنڈت سے کہا — "اب ہم زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتے۔"

پنڈت نے اٹھ کر غار کی دیوار پر ایک جگہ انگلی رکھی اور طلال اور صالح سے کہا — "دونوں تلواریں برچھیوں کی طرح یہاں مارو۔"

صالح کھڑا رہا۔ طلال نے آگے بڑھ کر اُس جگہ تلوار ماری تو تلوار نصف سے زیادہ اندر چلی گئی۔ اُس نے صالح کو بلایا۔ صالح نے کہا — "مجھے تمہارے خزانے کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں" — اُس نے تلوار اُس کی طرف پھینک کر کہا — "یہ لو۔ اپنے ہاتھ سے کر دو جو کرنا ہے۔"

پنڈت نے تلوار اٹھائی اور طلال کی تلوار کے قریب دیوار میں اتار دی اور بولا — "اب تلواروں کو دائیں طرف دباؤ۔"

دونوں نے تلواریں ایک طرف دبائیں تو مٹی کا ایک گول اور بہت بڑا توے سا جو گول سل کی شکل کا تھا، آہستہ آہستہ دیوار سے الگ ہونے لگا۔ اس سے پہلے بالکل پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ سل نما تودہ یہاں ہے۔ زور لگانے سے یہ باہر کو گر پڑا اور ایک سرنگ کا دہانہ نظر آنے لگا۔

"رانی! اس سرنگ میں داخل ہو جاؤ" — پنڈت نے شکنتلا سے کہا اور طلال کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا — "تم بھی اندر چلے جاؤ۔ میں مشعل لے کر تمہارے پیچھے آؤں گا" — اُس نے صالح سے پوچھا — "اور تم؟"

صالح نے سر ہلا کر کہا "نہیں" — اور پنڈت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

شکنتلا رانی جھک کر تیزی سے سرنگ میں داخل ہو گئی۔ اس کے پیچھے طلال بھی اندر چلا گیا۔ پنڈت نے انہیں کہا کہ وہ اندھیرے سے نہ گھبرائیں۔ آگے بڑھتے جائیں۔ صالح کا خیال تھا کہ پنڈت مشعل اٹھا کر ان کے پیچھے جائے گا مگر پنڈت نے مشعل کی طرف دیکھا تک نہیں۔ ذرا ہی دیر بعد سرنگ کے اندر بڑی زور کی سرسراہٹ پھر دو بار دھمک سنائی دی اور اس کے فوراً بعد شکنتلا رانی کی گھٹی گھٹی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ پنڈت نے صالح کی طرف دیکھا اور اُس کی مسکراہٹ اور زیادہ پھیل گئی۔ اندر سے طلال کی آواز آئی — "صالح! نکالو یہاں سے مجھے۔"

صالح دوڑ کر آگے بڑھا تو پنڈت نے راستے میں آ کر اُسے روک لیا۔ بولا — "تم نے کہا تھا کہ تمہیں خزانے کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ تم یہیں رہو۔ تم جیسے آدمی کو زندہ رہنا چاہئے۔"

iqbalmt@oneurdu.com

سرنگ کے دُور اندر سے شکستلارانی اور طلال ابراہیم کی چیخ وپکار سنائی دے رہی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کنوئیں میں چیخ چلا رہے ہوں۔ صالح بروک حیرت زدہ تھا کہ یہ کیا ہے۔ وہ چُپ چاپ پنڈت کو دیکھے جارہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے پنڈت سے پوچھا کہ وہ دونوں کیوں چلا رہے ہیں۔ پنڈت نے فرش میں گڑی ہوئی مشعل اُٹھائی اور صالح سے کہا کہ وہ اُس کے پیچھے رہے۔ وہ خود مشعل آگے کرکے سرنگ میں چلا گیا۔ صالح اُس کے پیچھے گیا۔ پندرہ بیس قدم آگے جاکر پنڈت رُک گیا اور صالح سے کہا کہ وہ اُس کے پہلو میں آجائے اور اس سے آگے ذرا سا بھی نہ بڑھے۔ پنڈت نے مشعل نیچے کردی۔

صالح بروک نے آگے ہوکر دیکھا۔ وہاں ایک کنواں تھا جو دراصل بڑا گہرا گڑھا تھا۔ اس میں سے شکستلارانی اور طلال کے کراہنے کی آوازیں آرہی تھیں جو دبتی جارہی تھیں۔

"چلو۔ اب یہاں سے نکل چلو"۔۔۔ پنڈت نے صالح سے کہا۔

وہ سرنگ سے نکلے تو پنڈت فرش پر بیٹھ گیا اور بولا ۔۔"میرے سامنے بیٹھ جاؤ۔ آؤ دوستوں کی طرح باتیں کریں"۔

"پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے؟"۔۔۔ صالح نے پوچھا ۔۔"تم نے تو انہیں خزانہ نکالنے کے لیے اندر بھیجا تھا؟"

"پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو"۔۔۔ پنڈت نے صالح بروک سے پوچھا ۔۔"اگر تم نہیں بتانا چاہتے تو میں بتا دیتا ہوں کہ تم کون ہو۔ تم مسلمان ہو اور تم ہندوستان کے مسلمان ہو اور تم غزنی کی فوج کے جاسوس ہو..... کیا میں نے غلط کہا ہے؟"

"آپ نے ٹھیک کہا ہے"۔۔۔ صالح نے کہا ۔۔"اب آپ میرے سوال کا جواب دیں"۔

"جس گہرے گڑھے میں یہ دونوں گرے ہیں ان میں ہندوستان کے سب سے زیادہ زہریلے سانپ ہیں جو ان دونوں کو ختم کرچکے ہیں"۔۔۔ پنڈت نے کہا ۔۔"یہ گڑھا میں نے کھدوایا تھا اور اس میں سانپ بھی میں نے ہی چھوڑے تھے۔ اس گڑھے کے اوپر میں نے سرکنڈے رکھوا کر اوپر مٹی ڈلوا دی تھی۔ اگر یہ دونوں مشعل لے کر جاتے تو بھی گڑھے میں گرتے کیونکہ مٹی انہیں پتہ نہ چلنے دیتی کہ نیچے سرکنڈے اور ان کے نیچے

زہریلی موت ہے"۔

"خزانہ کہاں ہے؟"

"اسی جگہ ہے"۔۔۔ پنڈت نے کہا ۔۔"اگر اسی سرنگ سے خزانے تک پہنچنا ہو تو گڑھے پر لکڑی کا تختہ رکھ کر اس پر چل کے آگے جانا ہوگا۔ ایک راستہ محفوظ بھی ہے"۔

"مجھے راستہ نہ بتاؤ"۔۔۔ صالح نے کہا ۔۔"ورنہ میں اپنے راستے سے بھٹک جاؤں گا"۔

"غور سے سنو میرے دوست!"۔۔۔ پنڈت نے کہا ۔۔"میں تمہیں بڑے کام کی ایک بات بتانا چاہتا ہوں اور یہ بات اس لیے بتا رہا ہوں کہ تم میں طمع نہیں۔ کہتے ہیں کہ جہاں خزانہ دفن ہوتا ہے وہاں سانپ ضرور ہوتا ہے جو خزانے کی رکھوالی کرتا ہے ..... یہ بالکل غلط ہے۔ کہنے والوں نے یوں کہا تھا کہ خزانہ زہریلے سانپ کی طرح زہریلا ہوتا ہے۔ جس نے خزانہ حاصل کرلیا وہ سانپ بن جاتا ہے۔ وہ اس ڈر سے کہ کوئی اس سے خزانہ چھین نہ لے وہ ہر کسی کو ڈستا پھرتا ہے۔ میرے دوست! تم ابھی جوان ہو۔ تم نے دنیا نہیں دیکھی۔ میرا تجربہ ہے کہ جس کے دل میں زروجواہرات کا پیار پیدا ہوا وہ انسان نہیں رہا۔ اس گڑھے میں جو سانپ ہیں وہ انسان کے گناہ ہیں۔ ان میں ایک کا نام حرص ہے۔ دوسرے کو ہوس کہتے ہیں۔ تیسرے کو ریاکاری کہہ لو۔ ہر سانپ ایک گناہ ہے۔ یہ سارے سانپ انسان کے اردگرد اور پاؤں کے نیچے رینگتے رہتے ہیں۔ انسان مذہب سے منحرف ہوکر جب یہ سوچ لیتا ہے کہ اُسے سونا اور ہیرے مل گئے تو وہ دنیا کو زیر کرلے گا تو وہ عقل کا اندھا ہوجاتا ہے۔ ذرا سا اشارہ ملنے پر وہ دوڑ پڑتا ہے اور اُس گڑھے میں جا گرتا ہے جہاں اُس کے گناہ اُسے ڈس لیتے ہیں۔ یہ خزانہ میں بھی نکال سکتا تھا۔ میرے سوا اس کا راز کسی کو معلوم نہیں جس کا یہ خزانہ ہے اُسے بھی معلوم نہیں لیکن جب سے یہ راز میرے سینے میں آیا ہے، میں رات رات بھر عبادت میں مصروف رہتا ہوں کہ میں گمراہ نہ ہوجاؤں"۔

"اگر تمہارا مذہب سچا ہوتا تو کبھی گمراہ نہ ہوتے"۔۔۔ صالح نے کہا ۔۔"مجھے دیکھو۔ تم نے بتا دیا ہے کہ سانپوں والے کنوئیں پر تختہ رکھ کر خزانے تک جاسکتے ہیں مگر مجھے اس خزانے

iqbalmt@oneurdu.com

کا ذرا سا بھی خیال نہیں آ رہا۔ میری نظر اپنے فرض پر ہے اور میری ایک بات غور سے سن لو پنڈت! میں اپنا فرض تم سے پورا کرا دوں گا۔ میں نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر اور خدا کو حاضر ناظر جان کر قسم کھا رکھی ہے کہ اپنے فرض پر خزانے اور اپنی جان قربان کر دوں گا۔ تمہاری جان میری مٹھی میں ہے۔ اگر تم نے مجھے ان سوالوں کے جواب نہ دیئے جو میں پوچھوں گا تو میں تمہیں سانپوں کے کنوئیں میں پھینک دوں گا۔"

"کیا تم اپنے آپ کو اس قدر بہادر اور عقل مند سمجھتے ہو؟" — پنڈت نے کہا۔

صالح ہنس پڑا مگر اس کی ہنسی فوراً بجھ گئی۔ پنڈت نے بجلی کی سی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ میں مشعل لے لی تھی اور اس کے دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی۔ مشعل کا ڈنڈا تلوار سے زیادہ لمبا تھا۔ پنڈت اتنی تیزی سے اٹھا تھا کہ صالح کو ہلنے کی بھی مہلت نہیں ملی تھی۔

"تمہارے پاس تلوار ہے" — پنڈت نے اسے للکارا — "آؤ، تم اپنا فرض ادا کرو۔ میں اپنا فرض ادا کرتا ہوں۔"

صالح بروک تلوار سونت کر اس کی طرف بڑھا اور اس نے جب وار کیا تو پنڈت نے جلتی ہوئی مشعل اتنی آگے کر دی کہ صالح کا چہرہ جھلسنے لگا اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ پنڈت نے چلا کر کہا — "بچو میرے وار سے" — صالح اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ پنڈت نے کہا — "میں تمہیں لڑنے کا پورا موقع دوں گا۔ اپنا فرض ادا کر لو۔"

صالح بروک نے پینترا بدل کر حملہ کیا مگر پنڈت اس کے ہر وار سے پہلے مشعل آگے کر دیتا تھا۔ صالح نے مشعل پر وار کرنے شروع کر دیئے مگر پنڈت نے ہر وار سے مشعل بچالی۔ وہ ابھی حملہ نہیں کر رہا تھا۔ صالح وار پہ وار کیے جا رہا تھا۔ اس کے دو تین وار غار کی دیوار پر پڑے۔ اچانک پنڈت نے اس پر تابڑ توڑ وار شروع کر دیئے۔ صالح نے ہر وار تلوار پر روکا مگر مشعل اسے پیچھے ہٹا رہی تھی۔ پنڈت نے ایک وار ایسا کیا کہ صالح کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔ وہ تلوار اٹھانے لگا تو پنڈت کا ایک اور وار بچانے کے لیے بیٹھ گیا۔ پنڈت نے مشعل اس کے چہرے کے قریب کی تو صالح پیچھے ہٹا۔ وہ بیٹھے بیٹھے پیچھے ہٹ رہا تھا۔ وہ دیکھ نہ سکا کہ وہ اس سرنگ

iqbalmt@oneurdu.com

میں چلا گیا ہے جو سانپوں والے کنوئیں تک جاتی ہے۔

"دیکھو تم کہاں ہو" — پنڈت نے کہا۔ "تمہارے پیچھے بھی موت ہے آگے بھی موت ہے۔ کہو، زندگی چاہتے ہو یا موت؟"

"میں خزانے کے لیے نہیں مر رہا" — صالح بروک نے کہا۔ "دشمن سے لڑتے ہوئے مر رہا ہوں۔ مجھے یہی موت چاہیئے۔ آگے آؤ پنڈت۔ نہتا لڑوں گا۔"

پنڈت نے ہنس کر کہا — "باہر آ جاؤ۔ تم نہیں مرو گے" — اور پنڈت سرنگ سے باہر نکل گیا۔

صالح بروک شکست خوردہ سا ہو کے سرنگ سے باہر آیا۔ پنڈت نے مشعل کا ڈنڈا زمین میں گاڑ دیا اور تلوار پھینک کر بیٹھ گیا۔ اسے جیسے خطرہ نہیں تھا کہ صالح اس پر حملہ کرے گا۔

"بیٹھ جاؤ" — اس نے صالح سے کہا۔

"تم نے مجھے قتل کیوں نہیں کیا؟" — صالح نے باوقار لہجے میں پوچھا — "مجھے دھکیلتے ہوئے سانپوں کے کنوئیں میں کیوں نہ گرنے دیا؟"

"کیونکہ میرے دل نے تمہیں پسند کیا ہے" — پنڈت نے کہا — "تم میری طرح فرض شناس ہو اور تمہارے دل میں اپنے مذہب کا احترام ہے، زر و جواہرات کا لالچ نہیں۔ مجھے جنگ و جدل سے نفرت ہے۔ میں مذہب کا پرستار ہوں لیکن سپاہی ہوں۔ تم نے دیکھ لیا ہے ... تم نے جس طرح خزانے کو ٹھکرایا ہے اس کا میں تمہیں انعام دینا چاہتا ہوں۔"

"اگر تم مجھے انعام دینا چاہتے ہو تو وہ چیز دو جو میں مانگوں" — صالح نے کہا — "مجھے اس خزانے میں سے ذرا سا بھی انعام نہیں چاہیئے۔ جو تم نے یہاں چھپا رکھا ہے۔"

"اور کیا مانگتے ہو؟" — پنڈت نے کہا۔

"قنوج کی فوج سلطان محمود سے کہاں لڑے گی؟" — صالح نے پوچھا — "قلعے میں محصور ہو کر یا باہر آ کر؟"

"سنو میرے مسلمان دوست!" — پنڈت نے کہا — "ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ مجھے تمہیں ایسی کوئی بات نہیں بتانی چاہیے جو میرے ملک کے نقصان کا اور سلطان محمود کی فتح کا باعث بنے لیکن میں صرف اس لیے تمہیں کام کی ایک بات بتا دیتا ہوں کہ تم ایمان اور اخلاق کے پکے ہو اور تمہیں اپنے فرض کے ساتھ پیار ہے۔ میں تمہیں بہت بڑا انعام دے رہا ہوں۔ یہیں سے واپس چلے جاؤ اور اپنے سلطان سے کہنا کہ قنوج کا رُخ نہ کرے۔ ہمارا مہاراجہ عہد کر چکا ہے کہ وہ سلطان کو قنوج میں زندہ جلائے گا اور وہ گنگا اور جمنا کے درمیان کا یہ علاقہ غزنی کی فوج کا قبرستان بنا دے گا۔"

"کیا تمہارے مہاراجہ کے پاس اتنی طاقتور فوج ہے؟" صالح بروک نے پوچھا۔

"جب کوئی فوج اپنے دشمن کو فنا کرنے کا تہیہ کر لیتی ہے تو وہ اپنی طاقت اور تعداد کو نہیں دیکھا کرتی" — پنڈت نے کہا — "قنوج کی فوج کا ہر ایک سپاہی غزنی کے سلطان سے ہر اس ہندو کی توہین کا انتقام لینے کے لیے تیار ہو چکا ہے جو اس نے یہاں آ کر اجاڑا ہے۔۔۔ لیکن میرے دوست! مہاراجہ قنوج اکیلا نہیں۔ لاہور کے مہاراجہ بھیم پال نندہ کی فوج بھی پہنچ گئی ہے۔"

"کہاں ہے؟"

"میں نہیں بتاؤں گا" — پنڈت نے کہا — "میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ اپنے سلطان کو جا کر خبردار کر دو۔ وہ خوش ہو کر تمہیں انعام دے گا۔ اُسے بتاؤ کہ اس جنگل میں اُس کے لیے جال بچھایا جا چکا ہے۔ وہ اس جال سے نہیں نکل سکے گا۔ اُس کی فوج کا یہی انجام ہو گا جو مہابن کی فوج کا اُس کی فوج کے ہاتھوں ہوا تھا۔ مہابن کی فوج جمنا میں ڈوب گئی تھی۔ اب غزنی کی فوج کو اس دریا میں ڈوبنا ہے۔ بھیم پال نندہ کی فوج کے علاوہ یہاں ایک فوج اور بھی ہے۔ یہ متھرا، بلند شہر، مہابن وغیرہ کی شکست خوردہ فوجوں کے بھاگے ہوئے سپاہی ہیں جو قنوج میں آئے تو ان کی ایک فوج بنا لی گئی۔ یہ لوگ انتقام کی آگ میں جل رہے ہیں۔ تمہارے سلطان کو قنوج کے محاصرے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔۔۔ اور میرے دوست! حقیقت یہ ہے کہ غزنی کے سلطان محمود کا مقابلہ کہیں بھی نہیں ہوا اگر

iqbalmt@oneurdu.com

اب اُس کی اپنی فوج مقابلے کے قابل نہیں رہی۔ ہمارے مہاراجوں نے اُسے موقع دیا ہے کہ وہ قنوج کے جال تک آ جائے۔ وہ آ رہا ہے۔ جاؤ اور اُسے روک دو۔ اُسے کہو کہ انسانوں کا ناحق خون بہانے اور پردیسی سپاہیوں کو یہاں لا کر مروانے سے باز آ جاؤ اور یہاں زندہ جلنے کی بجائے غزنی جا کر بادشاہوں کی طرح مرو۔"

وہ باہر نکل آئے۔ باہر دو گھوڑے کھڑے تھے۔ پنڈت نے صالح بروک سے کہا کہ ایک گھوڑا شکنتلا رانی کا ہے جو اندر مری پڑی ہے اس لیے یہ گھوڑا صالح لے جائے۔

اگلے روز پنڈت مہاراجہ قنوج راجیہ پال کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے مہاراجہ کو بتایا کہ اُس کی چہیتی رانی شکنتلا کو غزنی کھا گیا ہے۔ اُس نے پوری تفصیل سے اُس کی کالی کی موت کا واقعہ سنایا۔ مہاراجہ پر جیسے اس کا کچھ اثر نہ ہوا ہو۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی اور اُس نے پنڈت کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

"میں نے ایک اور کارنامہ کر دکھایا ہے" — پنڈت نے مہاراجہ سے کہا — "رانی کے ساتھ غزنی کے ایک جاسوس کو بھی سانپوں کے کنوئیں میں پھینک دیا ہے اور ایک اور جاسوس کو دھوکہ دے کر زندہ رکھا اور یہ بتا کر واپس جانے دیا ہے کہ اپنے سلطان سے کہہ دے کہ قنوج کا رُخ نہ کرے" — پنڈت نے صالح بروک کو جو کچھ بتایا تھا وہ مہاراجہ راجیہ پال کو سنا دیا اور کہا — "میں نے آپ کی عزت کی خاطر، آپ کو فتح دلانے کی خاطر اور اس ہندو کی عزت کی خاطر جھوٹ بولا ہے۔ میرے جھوٹ کو سچ ثابت کر دیں۔ غزنی کو ذہن سے اُتار دیں۔ وہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ میں نے سلطان محمود پر دہشت طاری کرنے کا انتظام کر دیا ہے۔ آپ اپنی کچھ فوج باہر بھیج دیں۔ لڑیں، مہاراج! لڑیں۔"

"مہاراج!" — مہاراجہ راجیہ پال نے کہا — "آپ نے سلطان محمود کو اس کے ایک جاسوس کے ذریعے یہ غلط اطلاع دے کر بہت بڑی غلطی کی ہے" — اُس نے وہی خط جو بھیم پال نندہ نے رائے چندرا کو لکھا اور رائے چندرا نے راجیہ پال کو بھیج دیا تھا، پنڈت کے ہاتھ میں دے دیا۔ پنڈت خط پڑھ چکا تو مہاراجہ راجیہ پال نے کہا — "یہ اُس

بھیم پال کا خط ہے جو اپنے آپ کو نڈر کہلاتا ہے۔ وہ انہی علاقوں میں ہے۔ اُس کا بیٹا ترلوچن پال بھی یہیں ہے مگر وہ ہمیں فوجی مدد دینے کی بجائے غزنی کے سلطان کے خلاف اُکسا رہے ہیں اور ڈرا بھی رہے ہیں۔"

"اِس خط سے نہ ڈریں مہاراج!"۔۔۔ پنڈت نے کہا۔

"اِس خط میں جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے" مہاراجہ قنوج نے کہا۔۔۔ "تم نے محمود کو جھوٹی اطلاع بھجوا دی ہے کہ گنگا اور جمنا کے درمیان اُس کے لیے جال بچھایا جا چکا ہے۔ اب دیکھنا وہ اپنی فوج کو یہاں کس ترتیب سے لائے گا۔ وہ کوچ کی ترتیب میں نہیں آئے گا۔ اُس کی فوج کے بازو پھیلے ہوئے ہوں گے۔ اُس کی پوری فوج آگے نہیں آئے گی۔ آپ نہیں جانتے پنڈت جی مہاراج! سلطان محمود وہ چیتا ہے جس کی موجودگی کا آپ کو اُس وقت پتہ چلتا ہے جب آپ کی گردن اُس کے دانتوں میں آ چکی ہوتی ہے اور اُس کے پنجے آپ کے جسم میں اُتر چکے ہوتے ہیں۔ کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ اُس نے درخت پر سے حملہ کیا ہے یا گھاس میں سے۔"

مہاراجہ کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ اُسے بتایا گیا کہ قاصد آیا ہے۔ مہاراجہ نے اُسے فوراً بلا لیا۔ قاصد نے اطلاع دی کہ سلطان محمود مُنج کو محاصرے میں لے رہا ہے۔

"کیا ایسا امکان ہے کہ ہم پیچھے سے محاصرے پر حملہ کریں تو مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں؟"۔۔۔ مہاراجہ نے پوچھا۔

"نہیں"۔۔۔ قاصد نے کہا۔۔۔ "مسلمانوں کی فوج کا ایک حصہ مُنج کو محاصرے میں لے رہا ہے اور اُس کے بہت سے گھوڑسوار دستے قنوج اور مُنج کے درمیانی علاقے میں اس حالت میں خیمہ زن ہو گئے ہیں کہ انہوں نے خیمے نہیں گاڑے وہ پڑاؤ کیے ہوئے ہیں لیکن تیاری کی حالت میں ہیں۔ ہر سوار رات کو اپنے گھوڑے کو اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ ہمارے آدمیوں نے جنگلی لوگوں کے بھیس میں دیکھا ہے کہ مسلمان فوج کے آدمی دُور دُور تک گشت کرتے رہتے ہیں۔ ہم نے اونچے درختوں اور اونچی چٹانوں پر بھی غزنی کے فوجی دیکھے ہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اگر اپنی فوج مُنج کی مدد کے لیے بھیجیں تو غزنی والے

اسے راستے میں ہی روک لیں گے" مہاراجہ قنوج نے کہا۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ میں آپ سے کہہ دوں کہ مُنج کی طرف اپنی فوج کو بھیجنے کی کوشش نہ کریں۔" قاصد نے کہا۔

"سُن لیا آپ نے پنڈت جی مہاراج!"۔۔۔ مہاراجہ نے کہا اور اپنی فوج کے کمانڈروں کو بُلا لیا۔ وہ آئے تو مہاراجہ نے انہیں صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ قنوج کو بچانا چاہتے ہیں تو دیکھیں کہ مُنج کے راجپوت لڑتے ہیں یا ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ اگر وہ محاصرے میں جم جائیں اور باہر آ کر لڑنے کی کوشش کریں تو انہیں مدد دو۔ اگر نہیں تو قنوج کو بچانے کی کوشش کرو۔"

iqbalmt@oneurdu.com

دسمبر ۱۰۱۸ء میں سلطان محمود غزنوی نے مُنج کے قلعے کو محاصرے میں لے لیا۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ مُنج کے راجپوت اپنی آن پر جان دینے والے جنگجو ہیں اور انہیں تہِ تیغ کرنا آسان نہیں ہوگا۔ اُس نے جو محاصرہ کیا وہ سطحی نہ تھا۔ قلعے کے پیچھے پہاڑ سے جمنا تھا۔ سلطان کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ محاصرے پر قنوج کی فوج حملہ کرے گی۔ چنانچہ اُس نے اپنی فوج کے بہت سے سوار دستے قنوج اور مُنج کے درمیان پھیلا دیئے تھے۔

اُس نے جب سطحی محاصرہ مکمل کر لیا تو صاحب بروک وہ غلط اطلاع لے کر پہنچ گیا جو اُسے قنوج کے پنڈت نے دی تھی۔ سلطان محمود کو بتایا گیا کہ ایک جاسوس یہ اطلاع لایا ہے۔ سلطان نے اُسی وقت متھرا کو ایک قاصد اس پیغام کے ساتھ دوڑا دیا کہ جو فوج وہ متھرا چھوڑ آیا ہے اُس کے آدھے دستے فوراً مُنج آ جائیں اور تمام ہاتھی ساتھ بھیجے جائیں۔ اُس وقت تک اُس کے پاس کم و بیش ساڑھے تین سو جنگی ہاتھی تھے۔

جب یہ کمک آ گئی تو سلطان محمود نے اُسے اُن دستوں سے بھی آگے قنوج کی طرف بھیج دیا جو قنوج اور مُنج کے درمیان تیاری کی حالت میں موجود تھے۔ ہندوستان پر محمود غزنوی کے سترہ حملوں میں مُنج کے محاصرے کا ذکر نہیں ملتا۔ تفصیلات میں جائیں تو تھوڑا سا ذکر آ جاتا ہے لیکن مُنج کے محاصرے اور معرکے میں سلطان محمود کو اس قدر زور صرف کرنا پڑا تھا جو متھرا، بلند شہر، مہابن اور آسی کی فتوحات کو ملا کر بھی صرف نہیں

ہُوا تھا۔ مُنج کے راجپوتوں کا یہ عالم تھا کہ فوجی اور شہری میں کوئی فرق نہیں رہا تھا۔ نوعمر لڑکے بھی اپنے شہر کو بچانے کے لیے نکل آئے تھے۔

مشہور مؤرخ عُطبی نے مُنج کے راجپوتوں کے متعلق لکھا ہے — "وہ بے مہار اور خودسر اونٹوں کی طرح اور ہار نہ ماننے والے شیطانوں کی طرح لڑے۔"

سلطان محمود محاصرے کی کمان خود کر رہا تھا۔ وہ جدھر سے اپنے جیش دروازے توڑنے کے لیے یا دیواروں میں کہیں سُرنگ لگانے کے لیے آگے بھیجتا تھا، اُن پر تیروں اور برچھیوں کی بوچھاڑیں آنے لگتی تھیں۔ غزنی کے تیراندازوں نے آگے بڑھ کر قلعے کی دیواروں سے تیر اور برچھیاں برسانے والوں پر اتنی ہی تعداد اور شدت سے تیر چلائے لیکن راجپوت تیر کھا کر زخمی ہوتے اور گرتے تھے اور اُن کی جگہ فوراً دوسرے آدمیوں سے پُر ہو جاتی تھی۔ قلعے کی دیواروں سے یہ للکار بار بار سُنائی دیتی تھی "محمود! واپس چلے جاؤ۔ مسلمانو! تم اپنے قبرستان میں آئے ہو" — اور اس للکار کے ساتھ گالی گلوچ بھی سنائی دے رہی تھی۔

"یہ قلعہ آسانی سے نہیں ٹوٹے گا" — سلطان محمود نے کہا۔ "ہمیں کوئی اور بندوبست کرنا پڑے گا۔"

محاصرے کا پہلا دن گذر گیا اور سلطان محمود کی فوج کو خاصا جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ قلعے کے اندر کا یہ عالم تھا کہ عورتیں اور بچے بھی تیر کمانوں، برچھیوں اور تلواروں سے مسلح تھے۔ شہری رائے چندا کے محل کے سامنے جمع ہو گئے تھے۔ وہ نعرے لگا رہے تھے کہ انہیں باہر جا کر مسلمان فوج پر حملے کی اجازت دی جائے۔ رائے چندا ایسا اناڑی نہیں تھا۔ وہ شہریوں کو نہ قلعے کی دیواروں پر جانے دے رہا تھا نہ انہیں باہر نکلنے کی اجازت دے رہا تھا۔

"لڑائی اس جوش سے نہیں لڑی جاتی جس میں عقل نہ ہو" — رائے چندا نے اپنے ہزارہا شہریوں سے کہا — "مُنج کو آخر تم ہی بچاؤ گے۔ تم نہیں جانتے کہ غزنی کی فوج چوروں اور ڈاکوؤں کا گروہ نہیں۔ یہ ایسی فوج ہے جس کے آگے قلعے کانپ کانپ کر گرتے جاتے ہیں۔ تمہاری فوج قلعے کو بچا رہی ہے۔ اگر دشمن اندر آ گیا تو مُنج کی آبرو تمہارے ہاتھ میں

ہوگی۔ ہم مُنج اپنے دشمن کو اس طرح نہیں دیں گے جس طرح اُن بزدلوں نے متھرا اُسے دے دیا اور ہری کشن داسدیو کا بھتیجا چار کرا دیا ہے۔"

ہجوم گرجنے لگا "ہم انتقام لیں گے .... ہمیں باہر جانے دو۔"

رائے چندا نے ہجوم میں سے بہت سے جوان آدمی الگ کر لیے اور یہ بتا کر کہ انہیں جان کی بازی لگانی ہے، اپنے ساتھ رکھ لیا۔

رائے چندا کے محل کی عورتیں بھی مسلح ہو گئی تھیں اور وہ شہر کی عورتوں کو لڑنے مرنے کے لیے منظم کر رہی تھیں۔ صرف ایک عورت تھی جو خاک و خون کے اس ہنگامے سے لاتعلق تھی۔ وہ رائے چندا کی بیٹی رادھا تھی۔ پہلے سُنایا جا چکا ہے کہ رادھا اور رائے چندا کی بہن شیلا مہاراجہ قنوج کے بیٹے لچھمن پال کے ساتھ سلطان محمود کو متھرا میں قتل کرنے کے لیے گئی تھیں۔ یہ دونوں لڑکیاں اپنے غیر معمولی حُسن و جوانی کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے گئی تھیں۔ وہ ایک خیالی جنگلی قبیلے کے لباس میں تھیں جس میں وہ نیم عُریاں تھیں۔

اس طرح ان کے حُسن کی دلکشی اور زیادہ طلسماتی اور خطرناک ہو گئی تھی مگر راستے میں ایک گرمچھ نے شیلا کو نگل لیا۔ رادھا نے شیلا کو گرمچھ کے منہ میں اس طرح دیکھا کہ شیلا کا ایک بازو، چہرے کا کچھ حصہ اور ریشم کے تاروں جیسے بال نظر آ رہے تھے۔

پھر یوں ہُوا کہ متھرا میں مقیم غزنی کی فوج کا ایک نائب سالار دو کمانداروں کے ساتھ اس علاقے میں گشت پر آ نکلا۔ اُس نے لچھمن پال اور رادھا کو پکڑ لیا اور دونوں کو متھرا لے گیا۔ رادھا جیسی نوجوان، دلکش اور نیم عُریاں لڑکی کیسے توقع رکھ سکتی تھی کہ نائب سالار اور دو کماندار اُسے بیٹی کا درجہ دیں گے۔ پھر وہ متھرا ایک اس تلخ سوچ میں پہنچی تھی کہ دلِ وہ نہ جانے کیسے وحشی آدمیوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنے گی اور نہ جانے اس کا انجام کیسا بھیانک ہوگا۔ اُسے غزنی کے مسلمانوں کے متعلق بچپن سے یہی کچھ بتایا جاتا رہا تھا کہ مسلمان عورت کے لیے وحشی اور مردوں کے لیے آدم خور ہوتے ہیں۔

رادھا نے کبھی مسلمان نہیں دیکھا تھا۔ اس خطے میں ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔ اُسے جب پتہ چلا کہ سلطان محمود مندروں کے بُت توڑ کر پھینک دیتا اور مندر اجاڑ دیتا ہے تو رادھا کو یقین آ گیا تھا کہ مسلمان واقعی جنگلوں اور غاروں میں رہنے والی کوئی قوم ہے

iqbalmt@oneurdu.com

جس کے ہاں مذہب کا وجود ہی نہیں۔ وہ صرف ہندومت کو مذہب سمجھتی تھی اور وہ غیرت اور آبرو کو اپنی جان سے زیادہ قیمتی جانتی تھی لیکن اپنے دشمن کو زیر کرنے کے لیے وہ اپنی آبرو کو ایک جائز ذریعہ سمجھتی تھی۔ اگر وہ جب مسلمانوں کے ہاتھ آئی تو کسی نے اسے اتنا بھی نہ کہا کہ تم بہت خوبصورت لڑکی ہو۔ نائب سالار اور کمانڈروں نے متھرا تک کے ایک دن اور آدھی رات تک کے سفر میں اُسے ایک قیدی سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دی۔ اُس کے ساتھی، قنوج کے راجکمار لکھمن پال نے نائب سالار کو سونے کے وہ تمام سکے پیش کیے تھے جو اُس کے پاس تھے لیکن نائب سالار نے ان کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔

اور جب رادھا اور راجکمار کو سلطان محمود کے سامنے لے گئے تھے تو سلطان کا چہرہ دیکھ کر رادھا کے دل میں نفرت کا طوفان اٹھ آیا تھا۔ اُسے کسی اور سلوک کی توقع تھی لیکن سلطان نے اُسے کہا تھا۔ "ہم اس لڑکی جیسی بیٹیوں کی دل سے قدر کرتے ہیں ہم غیرت مند دشمن کی عزت کیا کرتے ہیں" ____ اور رادھا کو سلطان کے یہ الفاظ آج جب اس نے منج کے قلعے کو محاصرے میں لے لیا تھا، بہت یاد آ رہے تھے۔ "مجھے قتل کرنے کی تمہیں ضرور کوشش کرنی چاہیئے تھی۔ کامیابی اور ناکامی تمہارے دیوتا کرشن واسدیو اور ہر ہر مہادیو کے اختیار میں نہیں، ہمارے خدا کے اختیار میں ہے۔

یہ ہے خدا کا وہ پیغام جو میں ہندوستان میں لایا ہوں۔"

اس کے بعد سلطان محمود نے حکم دیا تھا ____ "ان دونوں (رادھا اور لکھمن) کو ان کے شہروں کے قریب چھوڑ آؤ۔ انہیں عزت سے لے جاؤ۔ ان کے گھوڑے اور ان کے خنجر انہیں دے دو۔"

سلطان کے حکم کی تعمیل کی گئی اور ان دونوں کو شاہی مہمانوں کی طرح اُن کے شہروں کے مضافات میں چھوڑ آئے تھے۔

رادھا نے اپنے باپ رائے چندا کو کسی اور جذبے سے بتایا تھا کہ وہ سلطان محمود غزنوی کو قتل نہیں کر سکی اور پکڑی گئی تھی اور مسلمانوں نے اور اُن کے سلطان نے اُسے بیٹی کا درجہ دے کر عزت سے واپس کر دیا ہے۔ اُس نے باپ کو وہ تمام باتیں

بتائی تھیں جو سلطان محمود نے اُسے اور لکھمن پال سے کہی تھیں مگر اُس کا باپ اُس کے تاثر کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ اُس نے کہا تھا۔ "ہم اپنی بے عزتی کا انتقام لیں گے۔"

رادھا راجکماری تھی، معمولی لڑکی نہیں تھی مگر وہ ایسے محسوس کرنے لگی جیسے آسمان سے گر کر زمین پر آ پڑی ہو۔ وہ بہت شوخ اور بڑی ہی دلیر لڑکی تھی مگر اُس پر خاموشی طاری ہو گئی اور وہ کھوئی کھوئی رہنے لگی۔ راج محل میں، راج دربار میں اور فوجی حلقوں میں اب منج کے دفاع اور سلطان محمود کو شکست دینے کی تیاریاں ہونے لگی تھیں۔ غزنی کی فوج کسی بھی روز متوقع تھی۔ رائے چندا لڑائی کے سوا اور کوئی بات ہی نہیں کرتا تھا۔ مندروں میں بھی مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلائی جا رہی تھی اور لوگوں کو بڑی خونریز جنگ کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔ عورتوں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا تھا۔ رائے چندا کی داشتاؤں نے بھی لڑنے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ صرف رادھا تھی جو ان سرگرمیوں سے الگ تھلگ چپ چاپ لیٹی رہتی یا قلعے کی دیوار پر جا کر متھرا کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔

ایک روز وہ دیوار پر کھڑی اُفق پر نظریں گاڑے ہوئے تھی کہ اُس نے اپنے آپ سے کہا ____ "وہ اُدھر سے آئیں گے۔ معلوم نہیں کب آئیں گے!"

"کون آئیں گے؟" ____ اُس کے قریب سے کسی نے پوچھا۔

"مسلمان" ____ اُس نے کہا۔ "غزنی والے" ____ اور وہ چونک کر چپ ہو گئی۔ اُس نے دیکھا۔ اُس کے پاس ایک رشی کھڑا تھا۔ وہ تو اپنے آپ کو تنہا سمجھ رہی تھی۔ رشی کے رتبے اور درجے سے واقف تھی۔ وہ بڑے مندر کے پنڈت کے درجے کا آدمی تھا۔ اپنے مذہب کا عالم ہونے کے علاوہ علیل روحوں کا علاج اپنے کسی خاص عمل سے کرتا تھا۔ آسیب اور بدروحوں سے نجات دلاتا تھا۔ پنڈت بھی اُسے جھک کر اور ہاتھ جوڑ کر سلام کرتے تھے مگر اُسے اپنے پاس کھڑے دیکھ کر رادھا کو غصہ آ گیا۔

"کیا راجکماری مسلمانوں کا انتظار کر رہی ہے؟" ____ رشی نے پوچھا۔

"میری تنہائی میں آپ نے کیوں آ دخل دیا ہے؟" ____ رادھا نے غصے کو دباتے

iqbalmt@oneurdu.com

ہوئے پوچھا۔

"اس لیے کہ ہماری راجکماری کی روح پر ایسا آسیب سوار ہو گیا ہے جو ہمارے سوا کوئی نہیں نکال سکتا"۔۔۔ رشی نے کہا۔ "مجھے مہاراج (رائے چند) نے کہا ہے کہ جب سے آپ مِنصورہ سے آئی ہیں، آپ کی حالت بگڑ رہی ہے۔ میں جانتا ہوں راجکماری! مسلمان بھیڑیئے ہیں۔ ماس کھانے کو یہاں آجاتے ہیں۔ آپ کتنا ہی پردہ کیوں نہ ڈالیں، میں جانتا ہوں کہ انہوں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ وہ سونے، ہیروں اور عورتوں کے بھوکے ہیں۔ انہی کی تلاش میں آتے ہیں۔"

"یہ جھوٹ ہے"۔۔۔ رادھا نے بھڑک کر کہا۔ "انہوں نے میرے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو آپ بتا رہے ہیں: وہ عورتوں کے شکاری نہیں۔ میں نے غزنی کے سلطان کے دربار میں ایک بھی عورت نہیں دیکھی۔ عورتیں میرے باپ جیسے مہاراجوں کے درباروں میں ہوتی ہیں۔ ان کے پیچھے جوان اور خوبصورت لڑکیاں کھڑی مورچھل ہلاتی رہتی ہیں۔ ان کی خدمت گار جوان لڑکیاں ہوتی ہیں۔ انہیں لڑکیاں سُلاتی اور لڑکیاں جگاتی ہیں۔ مسلمان بھیڑیئے نہیں، انسان ہیں۔ انہوں نے ہمارا دیا ہوا سونا بھی ٹھکرا دیا تھا۔"

رشی دانشمند آدمی تھا۔ اُس نے رادھا کو روکنے ٹوکنے کی بجائے اُس کے ساتھ پیار سے ایسی باتیں کیں کہ اُس کا غصہ ٹھنڈا کر دیا اور اُس کے دل پر قبضہ کر لیا۔ اُس کی باتوں کا اثر تھا کہ وہ رشی کے ساتھ چل پڑی۔

رشی ہر روز رادھا کے پاس جانے لگا۔ بہت دیر اُس کے پاس بیٹھا اس کے ساتھ باتیں کرتا رہتا۔ اُس نے محسوس کر لیا کہ رادھا پر واقعی مسلمانوں کا آسیب سوار ہو گیا ہے اور اُس کے ساتھ ایک دہشت ہے جو اُس کے ذہن کو گرفت میں لیے ہوئے ہے۔ رادھا نے رشی کو یہ دہشت تفصیل سے بتائی۔ وہ ہر رات خواب میں ایک مگرمچھ دیکھتی تھی جس کے منہ میں شیلا ہوتی تھی اور مگرمچھ کے منہ سے خون ٹپک رہا ہوتا تھا۔ رادھا ڈر کر جاگ اٹھتی تھی اور اس کا جسم سردی کے باوجود پسینے میں نہا جاتا تھا۔

رشی اُس کی یہ دہشت باتوں سے ہی دور کر سکتا تھا۔ وہ اس کوشش میں مصروف رہا مگر رادھا کی جسمانی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا باپ رائے چند جنگ کی تیاری کی وجہ سے ذاتی طور پر اس کی طرف توجہ نہیں دے سکتا تھا۔ اُس نے راجکماری کے علاج کا حکم دے دیا تھا۔ رشی کے علاوہ نامی گرامی وید اُس کا علاج کر رہے تھے مگر اُس کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ اُس نے دوائیاں کھانے سے انکار کر دیا اور رشی کو اُس نے ہمراز بنا لیا۔

"رشی جی!"۔۔۔ ایک روز رادھا نے اُسے کہا۔ "مسلمانوں کے سلطان نے مجھے کہا تھا کہ کامیابی اور ناکامی تمہارے دیوتا کرشن واسدیو اور برہما دیو کے اختیار میں نہیں، ہمارے خدا کے اختیار میں ہے۔۔۔ میں نے اُس کا ہر ایک لفظ سچا دیکھا ہے۔ کیا وہ مگرمچھ مسلمانوں کا خدا ہے جس نے راستے میں آ کر شیلا کو کھا لیا تھا اور ہمارے دو آدمی معلوم نہیں کس کے تیروں سے مر گئے اور ہم پکڑے گئے؟۔۔۔ میں نے ہری کرشن کی جنم بھومی کو اُجڑا ہوا دیکھا ہے۔ بُت ٹوٹے ہوئے دیکھے ہیں۔ یہی ہیں نا ہمارے دیوتا اور ہمارے بھگوان! اگر ان میں کوئی طاقت ہوتی تو مسلمان فنا ہو چکے ہوتے۔"

رشی نے اُسے ہندو مت کی کرامات کا قائل کرنے کے لیے بہت کچھ کہا اور اپنے مذہب کی وہ روایتیں سنائیں جنہیں انسانی عقل تسلیم نہیں کر سکتی۔ ان کے مقابلے میں اُس نے مسلمانوں کو جھوٹا اور لٹیرا کہا اور اسلام کو بے بنیاد مذہب قرار دینے کی پوری کوشش کر ڈالی۔

"مگر میں نے جو دیکھا ہے اسے میں کس طرح جھٹلا سکتی ہوں؟"۔۔۔ رادھا نے کہا۔۔۔ "کھیم پال میرے ساتھ تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ اُسے مسلمانوں کی فوج کا راز معلوم ہو گیا ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ اُس نے ان میں عورت اور شراب نہیں دیکھی۔ ہم وہاں سے صبح کے وقت چلے تھے۔ مجھے اور کھیم کو انہوں نے بہت سویرے جگا دیا تھا۔ باہر ابھی دھندلکا گہرا تھا۔ کسی انسان کی بڑی ہی سُریلی آواز اُبھری جس کا اثر میرے دل پر ہونے لگا۔ میں نے اپنے پہرہ دار سے پوچھا کہ یہ کوئی غزنی کی زبان

iqbalmt@oneurdu.com

میں گا رہا ہے؟ اُس نے بتایا کہ یہ اذان ہے۔ یہ ہمارے خدا کے الفاظ ہیں۔ میں ایک بھی لفظ نہ سمجھ سکی مگر اس آواز نے مجھ پر جادو کا سا اثر کیا۔ کچھ دیر بعد میں نے دیکھا کہ متھرا میں مسلمانوں کی جتنی فوج تھی ایک میدان میں صفوں میں کھڑی ہوگئی۔ ایک آدمی ان کے آگے کھڑا ہوگیا اور وہ کبھی جھکتے کبھی ماتھے زمین سے لگا لیتے۔ پہرہ دار نے مجھے بتایا کہ یہ ان کی عبادت ہے۔ رشی جی! عبادت کا یہ طریقہ مجھے بہت اچھا لگا۔ میں نے پہرہ دار سے پوچھا کہ یہ کس کی عبادت کر رہے ہیں؟ ان کے سامنے کوئی بت نہیں، کوئی مورتی نہیں .... پہرہ دار نے کہا کہ ہم جس کی عبادت کرتے ہیں وہ ہمارے دلوں میں ہے اور وہ ہر جگہ موجود ہے وہ خدا ہے۔ اُس نے ہمیں فتح دی ہے۔ ہم جب اُس کی عبادت سے منہ پھیر لیں گے اور اُس کے احکام نہیں مانیں گے تو ہم ہر میدان میں شکست کھائیں گے۔"

رشی سُن سُن کر بے چین ہوتا جا رہا تھا اور رادھا بولے جا رہی تھی ۔۔۔ "میں نے پہرہ دار سے پوچھا کہ تمہارا سلطان تو عبادت نہیں کرتا ہوگا۔ وہ تو سلطان ہے۔ پہرہ دار نے کہا کہ سلطان عبادت میں موجود ہے۔ وہ سپاہیوں میں کہیں پیچھے ہوگا۔ وہ سپاہیوں کی طرح خدا کے آگے جھکتا اور سجدہ کرتا ہے۔ عبادت کے وقت وہ سلطان نہیں ہوتا.... رشی جی! ہمارے پتا جی مہاراج کبھی مندر میں جاتے ہیں تو مندر سے سب کو نکال دیا جاتا ہے.... سچا کون ہے رشی جی؟ کیا ہمارا خدا نہیں ہوتا؟"

رشی نے بتانا شروع کیا کہ ہندو مت میں خدا کا تصور کیا ہے لیکن رادھا نے اُسے روک دیا اور بولی۔ "کیا مگر کچھ خدا ہے؟.... نہیں۔ مگر مجھے ہر رات ڈر لگتا ہے میرے دل میں خدا اُتر آیا ہے۔"

"مہاراج!" ۔۔۔ رشی نے رائے چندا سے کہا ۔۔۔ "راجکماری پاگل ہوچکی ہے۔ معلوم ہوتا ہے متھرا میں مسلمانوں نے اسے کوئی ایسی چیز پلا دی ہے جس کا اثر ابھی تک نہیں اُترا۔ یہ بیماری میرے علم اور میرے عمل سے باہر ہے۔ وہ اپنے مذہب سے منحرف ہوچکی ہے۔ اب تو وہ کچھ نہ کچھ بولتی ہی رہتی ہے۔ بعض اوقات بولتے بولتے چپ ہو جاتی ہے اور بڑی زور سے چیخ مار کر اپنے چہرے کو ہاتھوں سے یا کپڑے سے ڈھانپ لیتی ہے۔ اکثر یہی رٹ لگائے رکھتی ہے ۔۔۔ 'میرے دل میں خدا اُتر آیا ہے' ۔۔۔ یہ مسلمانوں کا اثر ہے۔"

"اُسے اسی حال میں رہنے دو" ۔۔۔ رائے چندا نے کہا۔ "میں سلطان محمود کا سر کاٹ کر اس کے سامنے رکھوں گا تو اس کے دل سے مسلمانوں کا خدا نکل جائے گا۔ مجھے ابھی کوئی فرصت نہیں رشی جی! غزنی کی فوج بہت قریب آگئی ہے۔"

اگلے ہی روز غزنی کی فوج نے منج کو محاصرے میں لینا شروع کر دیا اور پھر راجکماری رادھا کی کسی کو ہوش اور فکر ہی نہ رہی مگر رادھا کے کان میں جب یہ خبر پڑی کہ اس کا قلعہ محاصرے میں آگیا ہے تو اس نے اٹھ کر بازو پھیلا دیئے اور بلند آواز سے بولی ۔۔۔ "وہ آگئے ہیں۔ سلطان آگیا ہے۔ دروازے کھول دو۔ میری عزت اور غیرت کے رکھوالے آگئے ہیں۔"

اس وقت ایک وید اور دو خدمت گار عورتیں وہاں موجود تھیں۔ سب نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیئے۔ رادھا باہر کو دوڑی تو اُسے پکڑ لیا گیا۔ رائے چندا وہاں موجود نہیں تھا۔ اُس کی ماں کو بلایا گیا۔ وہ بھی محاصرے کی وجہ سے گھبرائی ہوئی تھی۔ اُس نے اپنی بیٹی کی یہ حالت دیکھی تو وید سے کہا کہ اسے کوئی ایسی دوائی دے دو جو اسے بے ہوش کر دے، پھر جونہی ہوش میں آئے اسے پھر بے ہوش کر دیا جائے۔

رادھا کو جکڑ لیا گیا اور وید نے اُس کے منہ میں دوائی ڈال دی۔ تھوڑی دیر بعد رادھا کا جسم بے حس ہوگیا۔ کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔

محاصرے کا پہلا دن گزر گیا۔ سلطان محمود نے رات کو بھی آرام نہ کیا۔ وہ قلعے کے پیچھے چلا گیا جدھر دریا تھا۔ پانی قلعے کی دیوار کے ساتھ لگ کر بہتا تھا۔ سلطان نے اپنے سالاروں سے کہا کہ ہر پیادہ دستے سے دو دو چار چار جانباز قسم کے سپاہی منتخب کریں اور ان کا ایک الگ جیش بنا کر اسے محفوظہ (ریزرو) میں بھیج دیا جائے۔

دوسرے دن غزنی کی فوج نے ایک بار پھر قلعے کے بڑے دروازے پر ہلہ بولا مگر اوپر سے راجپوتوں نے تیر اور برچھیاں پھینک کر غزنی والوں کو بہت نقصان پہنچایا مگر

iqbalmt@oneurdu.com

سلطان محمود نے حملے جاری رکھے۔ قلعہ ڈیڑھ میل لمبا تھا۔ سات روز تک غزنی کی فوج نے پورا زور صرف کر دیا مگر ذرا سی بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ آٹھویں روز کی شام گہری ہو چکی تھی۔ سلطان نے اس جانباز جیش کو ساتھ لیا جو اُس نے تیار کروایا تھا۔ اس کی نفری تین سو سے کچھ زیادہ تھی۔

"غزنی اور اسلام کی آبرو تم سے جان کی قربانی مانگ رہی ہے" ـــ سلطان محمود نے رات کی تاریکی میں اس جیش کے جوانوں سے کہا ـــ "اگر تم میں سے کوئی بھی قربانی دینے کے لیے تیار نہیں تو اُسے اجازت ہے کہ اپنے دستے میں واپس چلا جائے۔ مجھے تم میں سے کسی کا چہرہ نظر نہیں آرہا۔ مجھے بالکل پتہ نہیں چلے گا کہ کون چلا گیا ہے۔ میرے مجاہدو! خدا کے سوا آج کی رات تمہیں کوئی نہیں پہچانتا۔ روزِ محشر بھی تمہیں صرف خدا پہچانے گا" ـــ سلطان خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا ـــ "کیا میں یہ سمجھوں کہ تم سب میرے ساتھ ہو؟"

کئی آوازیں سنائی دیں ـــ "ہم سب آپ کے ساتھ ہیں .... ہم جانیں قربان کرنے کے لیے آپ کے ساتھ آئے ہیں .... ہم سلطان کے حکم کے منتظر ہیں"۔

"آج رات تم خدا کے حکم سے لڑو گے" ـــ سلطان محمود نے کہا ـــ "آج تمہیں اس کفرستان میں خدا کا نام بلند کرنا ہے .... اس قلعے کی ایک دیوار دریا میں ہے۔ تمہیں نقب لگانے اور سرنگ کھودنے والے اوزار دیئے جا رہے ہیں۔ تم میں سے پچاس آدمی دریا میں اتر کر دیوار کو نیچے سے توڑیں گے۔ پانی زیادہ گہرا نہیں۔ اس موسم میں پانی گہرا نہیں ہوا کرتا، ٹھنڈا ہوتا ہے، اور جو تیرنا نہیں جانتا وہ دریا میں نہ اُترے۔ خطرہ یہ ہے کہ دشمن نے تمہیں دیکھ لیا تو اُوپر سے تیروں اور برچھیوں کا مینہ برسا دے گا۔ تمہیں اچھی طرح اندازہ ہو گا کہ قلعے کی دیوار کتنی چوڑی ہو گی۔ اگر تم نے دیوار کی نصف چوڑائی میں سرنگ لگا لی تو باقی کام پانی کر لیگا"۔

سلطان محمود نے پچاس جانباز الگ کر لیے۔ لڑائی کا زور تھم گیا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے فضا تیروں سے خالی ہو گئی تھی۔ قلعے کی دیواروں پر اور برجوں میں کچھ سرگرمی تھی۔ سلطان محمود قلعے سے تقریباً پون میل دُور تھا۔ اُس نے جانبازوں کو خدا حافظ کہا

اور انہیں ہدایات دے کر دریا کے کنارے کنارے قلعے کی طرف روانہ کر دیا۔

راجپوتوں کو دریا کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ غزنی کے پچاس جانباز بہت بڑا خطرہ بن کر دریا کی طرف سے سرنگ لگانے جا رہے تھے۔ وہ اونچی گھاس اور درختوں کی اوٹ میں چلتے چلتے دیوار سے کچھ دُور سے ہی دریا میں اُتر گئے۔ ان کے پاس اوزاروں کے علاوہ ہتھیار بھی تھے۔ دریا کا پانی بہت ٹھنڈا تھا اور کنارے کے ساتھ ساتھ کمر تک گہرا تھا۔ ذرا پرے زیادہ گہرا ہو جاتا تھا۔ جانباز ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے پانی میں چلتے جا رہے تھے۔

وہ دیوار کے قریب پہنچ گئے۔ یہ دیوار عمودی نہیں، کچھ ڈھلانی تھی۔ اس سے راجپوتوں کو یہ فائدہ حاصل تھا کہ وہ نیچے دیکھ سکتے تھے کہ کیا ہو رہا ہے مگر اندھیرے میں انہیں کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ پچاس جانبازوں نے پانی میں کھڑے ہو کر اوزاروں سے دیوار کے پتھر نکالنے کی کوشش شروع کر دی۔ یہ کام خاموشی سے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اوزاروں کی آواز اوپر دیوار تک جاتی تھی۔ سلطان محمود نے اس آواز کو دبانے کا اہتمام کر رکھا تھا۔ وہ اس طرح کہ دریا کی دیوار کے ساتھ والی دیوار کی طرف اس کے حکم سے دف اور نقارے پیٹے جانے لگے۔ نفیریاں بجنے لگیں اور سپاہیوں نے نعرے لگانے اور غل غپاڑہ بپا کرنا شروع کر دیا۔ دیوار کے اوپر راجپوت اس طرف اکٹھے ہو گئے۔ یہ غل غپاڑہ حملے کا ہی ہو سکتا تھا۔

جانباز اطمینان سے پتھر نکالتے رہے۔ انہوں نے اتنے پتھر نکال لیے کہ آگے دیوار کی مٹی آگئی۔ اس کی کھدائی مشکل نہیں تھی۔ مشکل یہ پیدا ہو رہی تھی کہ دریا بھی سرنگ میں داخل ہو گیا تھا۔ سرنگ فراخ اور بلند تھی۔ پچاس آدمی کھدائی کر رہے تھے اس لیے کام تیزی سے ہو رہا تھا۔ آگے پھر پتھر آگئے۔ جانبازوں کے پاس بڑے مضبوط اور موزوں اوزار تھے۔ ان سے پتھر نکلتے آرہے تھے۔ سرنگ کم و بیش پندرہ قدم لمبی ہو گئی تھی۔ آخر وہ پتھر دیوار سے ہٹا جس کے ہٹنے سے قلعے کے اندر کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ جانبازوں نے تیزی سے بہت سے پتھر نکال دیئے اور وہاں اتنا بڑا

iqbalmt@oneurdu.com

دہانہ بن گیا جس میں سے ایک آدمی کھڑا ہو کر گزر سکتا تھا۔ دریا کا پانی قلعے کے اندر جانے لگا۔

قلعے میں کسی نے پانی دیکھ لیا اور اُس نے شور مچا دیا۔ جانباز اپنا کام کر چکے تھے۔ وہ پیچھے کو چل پڑے مگر راجپوت بھی جانباز تھے۔ وہ مشعلیں اٹھائے دوڑے آئے۔ بہت سے برچھیوں اور تلواروں کے ساتھ آئے۔ غزنی کے جانباز تیزی سے باہر نکل آئے۔ راجپوت ان کے پیچھے آئے۔ دریا میں خونریز معرکہ لڑا گیا۔ اندر سے کئی مشعلیں سرنگ کے راستے باہر آ گئی تھیں۔ ان کی روشنی میں دوست اور دشمن کا پتہ چل رہا تھا۔ سلطان محمود کی نظر انہی جانبازوں پر تھی۔ اُس نے ان کی خبر لینے کے لیے دو تین آدمی آگے بھیج دیے تھے۔ ان آدمیوں نے آ کر اطلاع دی کہ دریا میں لڑائی ہو رہی ہے۔ سلطان نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ دریا میں بےشمار مشعلیں نظر آ رہی تھیں جیسے دریا میں تیر رہی ہوں۔ اس نے کم و بیش تین سو سپاہیوں کو دریا میں اتار دیا اور مشعل بردار بھی ساتھ بھیج دیے۔

"معلوم ہوتا ہے میرے جانبازوں نے دیوار میں نقب لگالی ہے"— سلطان محمود نے اپنے سالار سے کہا— "اندر سے اسی راستے دشمن باہر آیا ہو گا۔ جاؤ دیکھو اور مجھے بتاؤ"

دریا کا پانی قلعے کے اندر جا رہا تھا اور سرنگ میں سے راجپوت باہر آ رہے تھے۔ لاشیں اور زخمی دریا میں بہتے چلے جا رہے تھے۔ مشعلوں کے شعلے دریا پر ناچ رہے تھے۔ سلطان محمود نے بہت سوچا کہ وہ اس سرنگ سے اپنا ایک دستہ قلعے میں داخل کر سکتا ہے یا نہیں۔ اُسے سرنگ کھودنے والے ایک زخمی نے جو دریا سے نکل آیا تھا، بتایا کہ سرنگ سے اندر جانے کی کوشش نہ کی جائے ورنہ بہت نقصان ہو گا۔ سلطان نے حکم دے دیا کہ دریا سے اپنے آدمی واپس بلا لیے جائیں۔

وقائع نگاروں نے محاصرے کا جو روز بروز کا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے، وہ بہت طویل ہے۔ مختصر یہ کہ غزنی کے مجاہدین نے خون کی بے دریغ قربانی دے کر دیواروں میں دو جگہ نقب لگالی مگر منج کے راجپوتوں نے بہادری کے ایسے مظاہرے کیے کہ سلطان محمود غزنوی عش عش کر اُٹھا۔ بجائے اس کے کہ غزنی کے دستے ٹوٹی ہوئی دیواروں سے

iqbalmt@oneurdu.com

اندر جاتے، اندر سے راجپوت باہر آتے اور غزنی کی فوج پر حملے کرتے تھے۔ ان میں سے جو زندہ رہتے وہ پھر اندر چلے جاتے تھے۔ انہوں نے یہاں تک کیا کہ دروازہ کھول کر نکلے ہوئے سیلاب کی طرح آئے اور اس انداز سے لڑے کہ پھر واپس چلے جائیں۔

"یہ لوگ جتنے بہادر ہیں اتنے ہی احمق ہیں"۔ سلطان محمود نے اپنے سالاروں سے کہا— "انہیں موقع دو کہ اسی طرح حملے بولتے رہیں۔ یہ اپنی طاقت تیزی سے ضائع کر رہے ہیں"

اس دوران رادھا کو مسلسل بے ہوشی میں رکھا گیا۔ وہ ہوش میں آتی تھی تو خفیف آواز میں کہتی تھی— "خدا میرے دل میں اتر آیا ہے"— اُسے وید بے ہوشی کی دوائی پلا دیتا تھا۔

مؤرخوں کے مطابق محاصرے کے پچیسویں روز سلطان محمود نے حکم دیا کہ قلعے کی دیواروں کے شگافوں پر شدید ہلّہ بول کر اندر جانے کی کوشش کی جائے اور جونہی راجپوت باہر آنے کے لیے کوئی دروازہ کھولیں، حملہ کر کے دروازے کو کھلا رہنے دیا جائے۔

پچیسویں روز کی لڑائی فیصلہ کن تھی۔ راجپوت اپنی طاقت کم کر چکے تھے۔ جب غزنی کی فوج نے شگافوں پر اور ایک دروازے پر ہلّہ بولا تو راجپوت گھبرا گئے۔ مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے مگر نفری تھوڑی تھی۔ راجپوتوں نے لڑنے کی بجائے مرنے کو ترجیح دی۔ ان میں سے بعض نے اپنے کنبوں (عورتوں اور بچوں) کو اپنے گھروں میں بند کر کے گھروں کو آگ لگا دی اور بال بچوں سمیت زندہ جل گئے۔ جس راجپوت کو کہیں کوئی ہندو عورت نظر آئی اسے قتل کر دیا۔ منج کے کئی سپاہیوں نے قلعے کی اتنی اونچی دیواروں کے اوپر سے چھلانگیں لگا دیں اور مر گئے۔

جب سلطان محمود قلعے میں داخل ہوا اُس وقت منج جل رہا تھا اور اس آگ میں راجپوت جل رہے تھے۔ یہ اجتماعی خودکشی تھی۔ صرف محل محفوظ تھا۔ وہاں گئے تو جگہ جگہ عورتوں اور بچوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ انہیں راجپوتوں نے خود قتل کیا تھا۔ داشتاؤں اور ناچنے گانے والیوں کے سینوں میں بھی خنجر اور تلواریں اُتری ہوئی تھیں۔ مرد بھی مرے پڑے تھے۔ راجے چندا اور رانی کی لاشیں خواب گاہ میں پلنگوں پر پڑی تھیں۔

غزنی کے آدمی محل کے ہر کمرے میں گئے۔ صرف ایک کمرہ باہر سے بند تھا۔ کھول کر اندر گئے تو پلنگ پر رادھا پڑی تھی۔ اُسے بھی مُردہ سمجھا گیا مگر اُس نے آنکھیں کھولیں اور ساد گھٹی آواز میں بولی "خدا میرے دل میں اُتر آیا ہے"۔ قریب جا کر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ زخمی نہیں بیمار ہے۔ اُس نے مری ہوئی آواز میں پوچھا "تم مسلمان سپاہی ہو؟ ... تمہارا سلطان کہاں ہے؟ اُسے بلاؤ۔ میں اُسے بتانا چاہتی ہوں کہ میں اُس کے خدا کا نام لے کر مر رہی ہوں۔ میں اُس کے ہاتھ چوم کر مروں گی۔"

سب اُسے حیرت سے دیکھنے لگے۔ ایک لڑکی کے لیے سلطان محمود کو نہیں بلایا جا سکتا تھا۔ رادھا نے مایوسی سے سب کو دیکھا اور اُس کا سر ڈھلک گیا۔ وہ مر چکی تھی۔

مُنج کے بعد سلطان محمود کو قنوج کی طرف پیشقدمی کرنی تھی مگر اُسے ایسی اطلاعیں مل رہی تھیں جو دھوکہ معلوم ہوتی تھیں۔ صالح بروک نے اُسے بتایا تھا کہ اُس کا اصل مقابلہ قنوج کے گرد و نواح میں ہوگا مگر بعد کی اطلاعیں یہ تھیں کہ قنوج تک کے علاقے میں کسی فوج کا نام و نشان نہیں۔ مُنج میں سلطان بہت نقصان اُٹھا چکا تھا۔ وہ فوری طور پر پیشقدمی کے قابل نہیں تھا۔ ایک روز اُسے سالاروں نے مشورہ دیا کہ پیشقدمی کا حکم دے دیا جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ بھیم پال نندا اپنی فوج لے کر آ جائے۔

سلطان محمود نے پیشقدمی کا حکم دے دیا۔ اُس نے فوج کو یوں تقسیم کیا کہ ایک حصہ دریائے جمنا کے کنارے اور دوسرا دریائے گنگا کے کنارے جا رہا تھا۔ ہراول بڑا مضبوط تھا۔ اس کے پیچھے سلطان محمود تھا اور یہی فوج کا بڑا حصہ تھا۔ ایک حصہ بہت پیچھے آ رہا تھا جس کی حیثیت محفوظہ کی تھی۔ ترتیب کوچ کی نہیں جنگ کی تھی۔

سلطان محمود ۲۰ دسمبر ۱۰۱۸ء (۸ شعبان ۴۰۹ھ) قنوج پہنچا۔ اُس نے قلعے کا محاصرہ کر لیا مگر مزاحمت بڑی کمزور تھی۔ سلطان اسے دھوکہ سمجھا۔ اُس نے اپنے عقب کی حفاظت کا بندوبست کر لیا اور اُس نے دیکھ بھال کے لیے دور دور تک سوار بھیج دیئے۔ اُسے ہر لمحہ توقع تھی کہ عقب سے حملہ ہوگا مگر محاصرے کے دوسرے ہی دن قنوج والوں نے قلعے پر سفید جھنڈا لہرا دیا۔

سلطان محمود نے سب سے پہلے ایک سوار دستے کو اندر بھیجا۔ اس کے پیچھے دو اور دستے گئے اور جب دیکھا کہ اندر امن و امان ہے تو وہ خود اندر گیا۔ قنوج کی فوج کے کمانڈروں سے اُسے پتہ چلا کہ مہاراجہ راجیا پال اپنے خاندان سمیت محاصرے سے پہلے ہی کہیں بھاگ گیا تھا۔ سلطان محمود نے ہندو کمانڈروں سے پوچھا کہ خزانہ کہاں ہے۔ تلاش کے باوجود وہاں کچھ بھی نہ ملا۔ سلطان نے محل کو زمین سے ملا دیا اور مندروں میں جا کر تمام بُت توڑ کر باہر پھینک دینے کا حکم دے دیا۔

صالح بروک نے بڑے مندر کے پنڈت کو پکڑ لیا۔ پنڈت سے خزانے کے متعلق پوچھا گیا۔ اُس نے کہا "آپ کے اس آدمی کو معلوم ہے خزانہ کہاں ہے مگر اب وہاں کچھ نہیں ہوگا۔ مہاراجہ سب کچھ ساتھ لے گیا ہے۔"

محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے "سلطان محمود کی یہ فتح معمولی نہیں تھی کہ ہندوستان کے وسط میں اذانیں گونج اٹھیں۔"

iqbalmt@oneurdu.com

بلاساغون کی سمن تاشس

سلطان محمود غزنوی ہندوستان میں متھرا سے قنوج

۱۰۱۹ء (۴۱۰ ہجری)

تک کو تہہ تیغ کر کے غزنی میں داخل ہوا۔ اُس کی سلطنت میں پہلے ہی اطلاع پہنچ چکی تھی کہ سلطان کئی ایک راجوں مہاراجوں سے ہتھیار ڈلوا کر واپس آ رہا ہے۔ لوگ اپنے فاتح سلطان کے راستے میں جمع ہو گئے تھے۔ وہ نعرے لگا رہے تھے۔ فوج نعرے لگا رہی تھی۔ عورتیں بھی کھڑی اپنی فوج کی بلائیں لے رہی تھیں۔ لوگ جب اُن پچپن ہزار ہندو قیدیوں کو اور تین سو پچاس ہاتھیوں کو دیکھتے تھے جو سلطان محمود ہندوستان سے لایا تھا تو وہ خوشی سے ناچنے لگتے تھے۔ غزنی کا بچہ بچہ سلطان محمود کے راستے میں آن کھڑا ہوا تھا۔ داد و تحسین اور نعروں کا شور زمین و آسمان کو ہلا رہا تھا۔

متعصب مؤرخین اور بعد کے تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ غزنی پہنچ کر سلطان محمود نے حکم دیا کہ وہ جو مال و دولت ہندوستان سے لایا ہے، وہ محل کے باہر کھول کر رکھا جائے۔ جب زر و جواہرات اور درہموں کے انبار اُس کے سامنے رکھے گئے تو غرور اور تکبر سے اُس کی گردن تن گئی۔

یہاں تک تو حقیقت ہے کہ اُس نے تمام مالِ غنیمت اپنے محل کے باہر رکھوا کر رکھا تھا لیکن اُس دور کے مبصروں نے جن میں الزمخشاری اور ابو عبداللہ یاقوت خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، لکھا ہے کہ سلطان محمود نے جب اپنی سلطنت کے عوام کا اس قدر پُرجوش خیر مقدم اور اُن کی بے تابیاں دیکھیں تو اُس نے حکم دیا کہ وہ تمام زر و جواہرات اور خزانے ان لوگوں کے سامنے رکھ دو جو ہم ہندوستان سے لائے ہیں اور انہیں بتاؤ

کہ یہ مال تمہارا ہے، یہ تمہارے خزانے کا مال ہے جو تم پر خرچ کیا جائے گا۔

اور اُس نے یہ بے بہا خزانہ قوم کی بہبود اور ذہنی ترقی کے لیے وقف کر دیا۔

اُس نے سنگِ مرمر کی ایک جامع مسجد اور اس کے ساتھ ایک یونیورسٹی کی تعمیر کا حکم دیا۔ مسجد کا نام عروسِ فلک رکھا گیا۔ یہ تھی بھی دلہن۔ اس کی تعمیر کے لیے دُور دُور سے معمار بلائے گئے۔ دیواروں اور چھت میں جو بیل بوٹے کھُدوائے گئے اُن میں سونا اور چاندی پگھلا کر ڈالی گئی۔ میناروں کے کلسوں پر سونا چڑھایا گیا۔ مسجد کے اندر نہایت دلکش اور قیمتی قالین بچھائے گئے۔ یونیورسٹی کو سلطان محمود نے اپنی نگرانی میں مثالی دارالعلوم بنایا۔ اس میں اس نے مختلف زبانوں کی کتابیں جمع کر دیں۔ مکمل ہو کر جامع مسجد اور یونیورسٹی علم و فن کا ایسا مرکز بن گئی جس کی مثال کم از کم عالمِ اسلام میں نہیں ملتی تھی۔ دُور دُور سے علماء اور اساتذہ بلائے گئے جن کے لیے اُس نے کثیر رقم وقف کر دی۔ طلباء کے لیے بھی بے اندازہ رقم الگ کر دی گئی جو انہیں وظیفوں کی صورت میں ملتی تھی۔

محمد قاسم فرشتہ اور البیرونی لکھتے ہیں کہ جامع مسجد اور یونیورسٹی متھرا اور قنوج کی فتح کی یادگار کے طور پر تعمیر کی گئی تھیں۔ تاریخ نویسوں نے سومنات کو زیادہ اہمیت دی ہے لیکن سلطان محمود کی نگاہ میں متھرا زیادہ اہم تھا کیونکہ متھرا ہندوؤں کے ہری کرشن کی جائے پیدائش ہے اور ہندوؤں کے ہاں متھرا کو وہی درجہ حاصل ہے جو مسلمانوں کے ہاں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو حاصل ہے۔

سلطان محمود جو مالِ غنیمت لایا تھا اس میں سونے اور چاندی کے تیس لاکھ درہم تھے۔ ہیرے جواہرات اور سونے کے ٹکڑوں کا کوئی حساب نہ تھا۔ پچپن ہزار ہندو قیدی اور ساڑھے تین سو ہاتھی تھے۔ گھوڑوں اور تلواروں کا بھی کوئی شمار نہ تھا۔ مشہور مؤرخ محمد قاسم فرشتہ نے لکھا ہے کہ سلطان محمود ہندوستان سے تین عجیب چیزیں لایا تھا۔ ان میں ایک ہاتھی تھا، ایک فاختہ اور ایک پتھر۔

یہ ہاتھی اُسے متھرا سے قنوج کی طرف پیش قدمی کے دوران اس طرح ملا تھا کہ جمنا کے دائیں کنارے پر اسائی نام کی ایک ریاست تھی جس کا حکمران چندر رائے تھا۔ سلطان کو اُس کے جاسوسوں نے بتایا تھا کہ چندر رائے کے پاس ایک ہاتھی اتنی

iqbalmt@oneurdu.com

بڑی جسامت کا ہے جو ہندوستان میں کبھی نہیں دیکھا گیا۔ اس ہاتھی کی خوبی صرف یہی نہیں تھی کہ اُس کی جسامت غیر معمولی تھی بلکہ وہ اس لیے بھی ملک بھر میں مشہور تھا کہ میدانِ جنگ میں دشمن کی صفوں میں دہشت اور تباہی پھیلا دیتا تھا اور دوسرے ہاتھیوں کی طرح تیر یا برچھی کھا کر پیچھے کو نہیں بھاگتا تھا۔ نڈر ہاتھی تھا۔

سلطان محمود نے اسائی کو اسی ہاتھی کے لیے محاصرے میں لے لیا تھا۔ یہ چھوٹی سی ریاست تھی۔ سلطان محمود نے چندر رائے کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنا ہاتھی دے دے تو بڑی آسان شرائط پر محاصرہ اُٹھا لیا جائے گا۔ چندر رائے نے جواب بھیجا کہ یہ ہاتھی مجھے اپنی راجدھانی اسائی سے زیادہ عزیز ہے۔ میں جب تک زندہ ہوں اس ہاتھی سے دستبردار نہیں ہوں گا۔ پھر یوں ہُوا کہ دونوں فوجوں کا تصادم ہُوا۔ اس دوران یہی ہاتھی شاہانہ چال چلتا سلطان محمود کے پاس آگیا۔ اس کے ہودے میں اس کے جنگجو سواروں کی لاشیں پڑی تھیں جن کے جسموں میں تیر اُترے ہوئے تھے۔ ہاتھی کی راہنمائی کرنے والا کوئی نہ تھا۔

سلطان محمود کے حکم سے ہاتھی کو پکڑ لیا گیا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ ہاتھی اپنے آپ آگیا۔ سلطان محمود نے بے ساختہ کہا — "یہ ہاتھی مجھے چندر رائے نے نہیں خدا نے دیا ہے" — چنانچہ سلطان نے اس کا نام خدا داد رکھ دیا۔

فرشتہ کے مطابق، سلطان محمود ہندوستان سے ایک پرندہ لایا تھا جو فاختہ سے ملتا جلتا تھا۔ اسے قدرت نے یہ خوبی عطا کی تھی کہ اس کا پنجرہ جس مکان یا محل میں رکھا ہوتا وہاں کوئی کسی کو زہر نہیں دے سکتا تھا۔ مکان یا محل کے کسی بھی کمرے میں کتنا ہی چھپا کر کسی کو زہر دیا جاتا تو یہ پرندہ پنجرے میں بُری طرح پھڑپھڑاتا تھا جیسے پنجرہ توڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اسی دوران اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے۔ لوگ فوراً چوکنے ہو کر ہر جگہ جا کر دیکھتے کہ کون کسے زہر دے رہا ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ سلطان محمود نے یہ پرندہ تحفے کے طور پر خلیفہ بغداد القادر باللہ کو بھیج دیا تھا۔

فرشتہ نے ہی مستند مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ سلطان محمود ہندوستان

سے ایک پتھر لایا تھا جس میں یہ خوبی تھی کہ اسے پانی میں ڈبو کر اس سے ٹپکتے قطرے زخم پر ڈالنے سے زخم بہت جلدی ٹھیک ہو جاتا تھا۔

سلطان محمود نے اپنا چھوٹا سا قافلہ شیخ ابوالحسن خرقانی کے آستانے سے کوئی ایک میل دُور روک لیا اور وہ گھوڑے سے اُترا۔ اُس نے معمولی سے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس قدر معمولی کہ اُسے نہ جاننے والوں کو شک تک نہ ہو سکتا تھا کہ وہ سلطان محمود ہے جس نے سارے ہندوستان پر لرزہ طاری کر رکھا ہے۔ اُس نے اپنے محافظوں کو وہیں رُکے رہنے کو کہا اور خود پیدل چل پڑا۔ اپنے پیر و مرشد کے سامنے وہ شاہانہ شان و شوکت سے کبھی نہیں گیا تھا۔ شیخ ابوالحسن خرقانی کے ہاں جا کر اُس نے اُن کے ہاتھ چومے اور سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

"وہ وقت یاد کرو جب تم ہندوستان سے شکست کھا کر آئے تھے" شیخ خرقانی نے کہا — "تم دل برداشتہ تھے۔ تمہاری فوج کٹ گئی تھی۔ تمہاری ہمت ٹوٹ گئی تھی اور یہاں تمہارے دشمن تمہیں لاش سمجھ کر تمہارے اوپر گدھوں کی طرح منڈلانے لگے تھے۔ مجھے ڈر تھا کہ تم ہتھیار ڈال کر بیٹھ جاؤ گے۔ فتح اور شکست خدا کے اختیار میں ہے۔ ہارتے وہ ہیں جو شکست کو تسلیم کر لیتے ہیں اور شکست کو وہی تسلیم کرتا ہے جس کا ایمان کمزور ہوتا ہے ....

"تم شہیدوں کے خون کی قیمت ادا نہیں کر سکتے محمود! ان کی قدر کر سکتے ہو اور یہ تمہارا فرض ہے۔ یاد رکھو، تم اگر انہیں بھول گئے جو نعرے لگاتے اور سینہ تانے تمہارے ساتھ گئے تھے مگر واپس نہیں آ سکے تو اس کی سزا اس دنیا میں پاؤ گے۔ وہ تمہارے حکم سے نہیں خدا کے حکم سے لڑے تھے۔"

"میں نے اُن کی یاد میں ایک جامع مسجد اور ایک دارالعلوم کی تعمیر کا حکم دے دیا ہے" — سلطان محمود نے کہا — "اور اُن کی یادگار کے طور پر مینار بھی تعمیر کروا رہا ہوں۔ شہیدوں کے بچوں کو دارالعلوم میں مفت تعلیم اور وظیفہ ملا کرے گا۔"

"اور غور سے سنو محمود!" — شیخ ابوالحسن خرقانی نے کہا۔ "خدا کے گھر [illegible] تمہارا

iqbalmt@oneurdu.com

استقبال اس طرح کیا ہے جیسے تم آسمان سے اُترے ہو۔ میں سُن چکا ہوں کہ عورتوں نے تمہاری راہ میں اور تمہارے اُوپر پھول پھینکے تھے۔ شاعروں نے تمہاری مدح میں شعر کہے اور گویّوں نے گیت گائے ہیں۔ دربار میں لوگوں نے تمہارے ہاتھ چُومے اور تمہیں ساری دنیا کا فاتح کہا ہے۔... تم شاید نہیں سمجھ سکے کہ جنہیں تم نے پھول سمجھا ہے وہ کانٹے تھے جو تمہاری راہ میں بکھیرے گئے تھے، اور وہ مدح سرائی جو شاعروں اور گویّوں نے کی، وہ شہد میں ملا ہُوا زہر ہے جو تمہیں پلایا گیا۔ اگر آج تمہارا تختہ اُلٹ جائے تو یہی لوگ نعرے لگائیں گے کہ محمود اسی قابل تھا۔ اس میں سلطان بننے کی اہلیت نہیں تھی۔ وہ پھر اُس کے گُن گائیں گے جو تمہارے تخت پر بیٹھا ہوگا...

"خوشامدی درباری تخت و تاج کی دیمک ہوتے ہیں۔ وہ دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ تم نے غزنی کے اکابرین اور امراء اور رتبوں والوں کو جب ضیافت دی تھی تو تم بھول گئے تھے کہ تمہاری سلطنت میں اُس رات لاکھوں انسان رُوکھی سُوکھی کھا کر سو گئے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جن کے پیٹ میں اُس شام ایک نوالہ بھی نہیں گیا تھا۔ خوشامدیوں نے تمہیں یہ تاثر دیا تھا کہ رعایا خوشحال ہے اور وہ تمہارے گیت گا رہی ہے... محمود! اپنے آپ کو اپنی روح کے آئینے میں اور اپنی رعایا کو اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ اُس آئینے میں نہ دیکھو جو تمہیں درباری ٹولہ دکھایا کرتا ہے۔ تم تنہا اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں۔ تم قوم کا عکس ہو۔ اپنے آپ کو اس عکس میں گُم کر دو۔ سلطانی اور عیّاری ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ خوشامدی اور عہدوں کے بھوکے لوگ سلطان سے عیّاری کرتے ہیں اور سلطان قوم سے عیّاری کرتا ہے۔ یوں سمجھو کہ گناہ اور نیکی کندھے سے کندھا ملا کر چلتے ہیں، اور جو سلطان اپنی آنکھوں پر خوشامدیوں کی پٹی باندھ لیتا ہے اور کانوں میں مدح سرائی کا سیسہ پگھلا کر ڈال لیتا ہے وہ خدا کے نزدیک سب سے بڑا گنہگار ہے...

"آج تمہیں خدا نے جو طاقت اور جو جاہ و حشمت عطا کی ہے، یہ تم سے چھن بھی سکتی ہے۔ خوشامدیوں کے نعروں کی نسبت رعایا کی آہیں عرش تک جلدی پہنچتی ہیں۔ ہندوستان کی فتوحات نے تمہاری رعایا میں اضافہ کر دیا ہے۔ تمہاری ذمہ داریاں

iqbalmt@oneurdu.com

بڑھ گئی ہیں... کہیں ایسا نہ ہو کہ سونے چاندی کے انبار تمہیں اندھا کر دیں۔ جو کچھ ہے اللہ کا ہے۔ اللہ کی امانت ہے۔ خزانہ تمہاری ملکیت نہیں۔ مالِ غنیمت تمہاری ملکیت نہیں۔ محل کی سازشوں سے نکلو اور نظر دشمن پر رکھو۔ تمہیں فتح مبارک ہو۔ میں تصوروں میں وہ اذانیں سُن رہا ہوں جو بُت خانوں میں گونج رہی ہیں۔ تمہیں پھر وہاں جانا ہے۔ سانپ کا سر ابھی کچلا نہیں گیا۔ میں آنے والے وقت کو دیکھ رہا ہوں۔ اگر ہندومت کا سر کچلا نہ گیا تو یہ مذہب مسلمانوں کو ڈستا ہی رہے گا... جاؤ محمود! اگلی جنگ کی تیاری کرو"۔

"پیرو مرشد!" — سلطان نے سر اٹھا کر کہا — "میری روح کو اسی روشنی کی ضرورت تھی جو آپ نے عطا کر دی ہے۔ میرے دل میں کوئی وہم اور کوئی شک نہیں۔ میں نے اس حقیقت کو قبول کر لیا ہے کہ میری عمر کفر کے خلاف لڑتے گزرے گی۔ مجھے پریشانی صرف یہ ہے کہ میری اپنی قوم کے حکمران میرے دشمن ہیں۔ ہم خانہ جنگی میں بہت خون بہا چکے ہیں"۔

"ایک فرق دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرو"۔ شیخ ابوالحسن خرقانی نے کہا۔ "ایک دشمن تمہاری سلطنت کے ہیں۔ وہ تم سے تخت و تاج چھیننا چاہتے ہیں اور ایک دشمن وہ ہیں جو اسلام کو کمزور کر رہے ہیں۔ انہیں غدار کہتے ہیں۔ اپنے ذاتی دشمن اور اپنے مذہب کے دشمن میں تمیز کرو۔ کسی کو اس لیے قید میں نہ ڈال دو کہ وہ تمہارے جاہ و حشمت کا منکر ہے۔ اگر تمہارا اپنا بیٹا، اپنی بیٹی اور اگر تمہارا سگا بھائی بھی اسلام کو نقصان پہنچا رہا ہے تو اُسے جینے کے حق سے محروم کر دو۔ کاشغر کا حکمران قادر خان اور اس کے پڑوسی ابو منصور ارسلان خان اور تُوغان خان تمہاری سلطنت پر قبضہ کرنے کی سوچ رہے ہیں۔ وہ خانہ جنگی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ وہ عالمِ اسلام کے اتحاد کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔ انہیں عیسائی مدد اور ہوا دے رہے ہیں۔ اگر یہ سر اٹھائیں تو انہیں کچل دو لیکن کچلنے سے پہلے انہیں موقع دو کہ وہ سمجھ سکیں کہ وہ غلط راستے پر چل رہے ہیں"۔

سلطنت غزنی کے مسلمان دشمنوں کا مختصر سا پس منظر یہ ہے کہ ایلک خان ترکستانی اور گرد کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمرانوں کو اپنے ساتھ ملا کر سلطان محمود غزنوی کی بڑھتی ہوئی طاقت کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ آپ اس سلسلے میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ کئی بار سلطان محمود کو ان کے خلاف لڑنا پڑا۔ ایلک خان مر چکا تھا۔ اب اس کا بھائی ابو منصور ارسلان خان الاصم تخت نشین تھا۔ اسے الاصم اس لیے کہا جاتا تھا کہ کانوں سے بہرہ تھا۔ کاشغر کا حکمران قادر خان تھا اور اس کے پڑوس میں توغان خان کی ریاست تھی۔ یہ دراصل ریاستیں نہیں امارتیں تھیں جو خلافت بغداد کے تحت تھیں مگر خلافت کی اہمیت ختم ہو چکی تھی۔ خلیفہ القادر باللہ عباسی تھا جو خود اقتدار پرست تھا۔ وہ ایک ریاست کا حکمران بھی تھا۔ وہ سلطان محمود کے خلاف خانہ جنگی کو در پردہ ہوا دیتا رہتا تھا۔

سلطان محمود متھرا سے قنوج تک فتح کر کے واپس آیا تو ایک رات قادر خان ابو منصور ارسلان خان کے محل میں بیٹھا تھا۔ قادر خان کی ایک جوان بیٹی اختی بھی اس کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔ رات کو جب قادر خان اور ابو منصور خاص کمرے میں بیٹھے راز و نیاز کی باتیں کر رہے تھے، قادر خان کی بیٹی اختی اور ابو منصور کی جوان بیٹی سمن تاش باغ میں ٹہل رہی تھیں۔ رات خاموش تھی۔ صرف ایک آواز تھی جو اس سکوت میں تیر رہی تھی۔ یہ تاروں کا ایک ساز تھا جس کے ساتھ کوئی دھیمے دھیمے گنگنا رہا تھا۔ ساز و آواز میں سوز تھا اور ایسا تاثر کہ جذبات پر وجد طاری ہوا جا رہا تھا۔

وہ نابینا موسیقار تھا۔ ابو منصور کے دربار کا مغنی تھا۔ سمن تاش نے اسے باغ کے کسی گوشے میں بٹھا رکھا تھا اور وہ خود اختی کے ساتھ ٹہل رہی تھی۔ نابینا مغنی کی عمر تیس برس سے ذرا ہی زیادہ تھی۔ ڈیڑھ ایک سال سے ابو منصور کے دربار میں تھا۔ سمن تاش کو موسیقی سے دلی لگاؤ تھا۔ ایک روز یہ نابینا محل کے باغ کے قریب آ گیا اور اس نے تاروں کو چھیڑ دیا۔ سمن تاش کے کانوں میں آواز پڑی تو اس نے اسے اندر بلا لیا۔ ابو منصور نے اس سے ایک ہی نغمہ سنا تو اس نے مغنی کو ہمیشہ کے

iqbalmt@oneurdu.com

لیے اپنے پاس رکھ لیا۔ ابو منصور کو اپنی بیٹی سمن تاش سے بہت پیار تھا۔ سمن تاش نابینا مغنی کو اپنے کمرے میں بھی بلا لیا کرتی تھی۔

"سمن!ـــ" اختی نے جذباتی سی آواز میں کہا ـــ "کتنی پیاری آواز ہے۔ خمار سا طاری ہونے لگا ہے۔"

"یہ موسیقار نابینا ہے" ـــ سمن تاش نے کہا ـــ "آنکھوں کے نور سے محروم پیدا ہوا تھا مگر خدا نے قدرت کی ساری نغمگی اس کی آواز میں سمو دی ہے۔ ابا اجازت نہیں دیں گے۔ میں اس مغنی کو سلطان محمود کے دربار میں لے جانا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیوں؟ـــ" اختی نے رک کر پوچھا ـــ "سلطان محمود کے دربار میں کیوں؟ تمہارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟"

"جو ایک مسلمان کا ایک مسلمان کے ساتھ ہوتا ہے" ـــ سمن تاش نے کہا ـــ "میں اس نابینا موسیقار کے ساز اور اس کی آواز سے سلطان محمود کی عقیدت کا اظہار کرنا چاہتی ہوں۔ تم نے سنا نہیں وہ ہندوستان میں کتنے بت خانے توڑ آیا اور کتنے مہاراجوں سے ہتھیار ڈلوا آیا ہے؟"

"اس کی تمہیں کیا خوشی ہے؟ـــ" اختی نے پوچھا ـــ "سلطان محمود ہمارے اور تمہارے خاندان کا دشمن ہے۔ وہ جو ہاتھی، گھوڑے، جنگی قیدی اور اسلحہ لایا ہے، وہ سب ہمارے خلاف استعمال ہوگا۔ تم شاید اپنے خاندان کی تاریخ سے واقف نہیں ہو۔"

"میں اپنے خاندان کی تاریخ سے واقف ہوں، اسی لیے سلطان محمود کی معتقد ہوں" سمن تاش نے کہا ـــ "وہ ہمارا دشمن نہیں بلکہ ہم دونوں کے خاندان اس کے دشمن ہیں۔ وہ اسلام کا علمبردار ہے۔ بت شکن ہے۔ تم شاید نہیں جانتیں کہ اس نے ہندوستان میں کتنے مہاراجوں کو شکست دی ہے لیکن وہاں حکومت کرنے کے لیے تخت پر نہیں جا بیٹھا۔"

"اس کی وجہ یہ ہے سمن! کہ وہ زر و جواہرات اور مال و دولت کی خاطر ہندوستان جاتا ہے" اختی نے بڑے پیار سے کہا ـــ "اب کے وہ دو مہاراجوں کے جواہرات، زر و جواہر کے ہاتھی لاد کر لایا ہے۔ اس نے زرِ بے بہا مالِ غنیمت اپنی فوج میں تقسیم کیا ہے۔"

وہ ہمیں اپنا غلام بنانے کی تیاری کر رہا ہے۔"

"میں تو اُس کی لونڈی بننے کو تیار ہوں" — سمن تاش نے کہا۔

"تم میں خاندانی غیرت نہیں رہی" — اختی نے کہا — "تم ایلک خان کی بھتیجی ہو جو سلطان محمود کے خلاف لڑ رہا ہے۔ تمہیں ابا نے کچھ بتایا نہیں؟"

"چچا ایلک خان سلطان محمود کے خلاف لڑ رہا ہے اور ہر میدان میں شکست کھا کر بھاگ رہا ہے" — سمن تاش نے کہا — "مجھے میرے ابا کیا بتا سکتے ہیں! .... وہ بہرے ہیں۔ ان کے کانوں میں حق کی آواز نہیں پہنچتی۔ وہ اُسی کو سچ سمجھتے ہیں جو اُن کے کانوں میں ڈالا جاتا ہے۔"

"کیا تم اپنے باپ کو احمق سمجھتی ہو سمن؟" — اختی نے کہا — "معلوم ہوتا ہے خدا نے تمہیں عقل اور غیرت کی جگہ بھی حُسن ہی دے دیا ہے۔ کم از کم غزنی اور خراسان میں تم جیسی خوبصورت لڑکی کوئی نہیں ہو گی لیکن تم عقل سے عاری ہو۔"

"مگر میرے اتالیق عقل سے عاری نہیں" — سمن تاش نے کہا — "تم نے میرے سفید ریش، عمر رسیدہ اتالیق کو دیکھا ہے۔ وہ علم اور تجربے کا سمندر ہیں۔ وہ مجھے میرے خاندان کی تاریخ سنا چکے ہیں۔ انہوں نے میرے ابا کے متعلق کہا تھا کہ ان میں تدبر نہیں۔ میں نے کہا تھا کہ ان کی مجبوری ہے کہ وہ بہرے ہیں، سُن نہیں سکتے۔ اتالیق نے کہا کہ جو کوئی تخت پر بیٹھ کر سر پر تاج رکھ لیتا ہے وہ بہرہ ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سُن رہا ہے مگر سچ اور حق بات سننے کے لیے اُس کے کان بند ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ وہ دیکھ سکتا ہے مگر اُسے حقیقت نظر نہیں آتی۔ وہ سمجھتا ہے کہ اُس کا دماغ سوچ رہا ہے مگر دماغ پر کسی اور کا آسیب سوار ہوتا ہے ....

"اختی! میرے اتالیق نے کہا تھا کہ تمہارے باپ کا بڑا بھائی ایلک خان بہرہ نہیں تھا۔ خدا نے اُسے عقل و دانش سے نوازا تھا مگر اُس نے اپنے دماغ پر غزنی کو فتح کرنے اور سلطان محمود کو قید یا قتل کرنے کا بھوت سوار کر لیا۔ اُس کے جو کان سُن سکتے تھے وہ بند ہو گئے۔ آنکھیں جو دیکھ سکتی تھیں اندھی ہو گئیں اور عقل پر سلطانی کی ہوس کا پردہ پڑ گیا۔ ایسے حکمران کو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ تمہارے چچا ایلک خان نے بھی اپنی

رعایا سے جھوٹ بولے۔ اپنے دوستوں سے جھوٹ بولے۔ مسجدوں میں جھوٹ بولے۔ قرآن ہاتھ میں لے کر جھوٹ بولے۔ اپنی فوج کو اور اپنی رعایا سے کہا کہ سلطان محمود لٹیرا ہے اور وہ اپنی سلطنت کو وسیع کر رہا ہے۔ ایلک خان نے جھوٹی غیرت کی قسمیں کھائیں اور اپنی فوج کو بھڑکا کر بھائی کو بھائی سے لڑا دیا۔ اسلام کی عسکری قوت کمزور ہو گئی اور کفار کے ہاتھ مضبوط ہو گئے ....

"میرے اتالیق نے مجھے بتایا کہ سلطان محمود اگر سلطنت کی وسعت کی خواہش رکھتا تو اُس کے پاس اتنی فوج ہے کہ وہ ان چھوٹے چھوٹے حکمرانوں اور ترکستان کے خوانین کو اپنا مطیع بنا چکا ہوتا لیکن اُس کی نظر کچھ اور دیکھ رہی ہے۔ اُس کا جنون کچھ اور ہے۔ محمد بن قاسم نے ہندوستان میں جو اسلام پھیلایا تھا اُس پر ہندو مت کے سائے پڑ گئے ہیں۔ سلطان محمود کو خواب میں بشارت ہوئی تھی کہ ہندوستان میں اسلام کی ٹمٹاتی ہوئی شمع کو روشن کرے۔ اُس کے پیر و مرشد شیخ ابو الحسن خرقانی ہیں جو غیب دان تو نہیں لیکن علم و فضل اور ایمان کی روشنی انہیں وہ سب کچھ دکھا دیتی ہے جو بے سمجھ اور کم عقل انسانوں کو نظر نہیں آتا۔ شیخ خرقانی نے سلطان محمود سے کہا ہے کہ کفر کا اور اپنی قوم میں غداروں کا خاتمہ کرو ....

"میرے اتالیق نے کہا کہ جب بھائی بھائی سے لڑتا ہے تو ان کے خون کے قطروں سے زمین کانپ کانپ جاتی ہے۔ آسمان آنسو بہاتا اور فرشتے روتے ہیں۔"

"سمن تاش!" — اختی نے سامنے آ کر اپنے ہاتھوں میں اُس کے گال تھام لیے اور بولی — "تم نے پہلے کبھی ایسی باتیں نہیں کی تھیں۔ اس عمر میں ایسی سنجیدہ باتیں تمہیں اچھی نہیں لگ رہیں، اور تمہارا اتالیق تمہیں کتنی غلط باتیں بتا رہا ہے۔ وہ تمہیں اسی عمر میں درویش بنا رہا ہے۔ ایسی خوبصورت رات، ایسا وجد آفریں نغمہ، تم کتنی بد ذوق ہوتی جا رہی ہو سمن!"

"رُوح کو جب روشنی مل جائے اختی!" — سمن تاش نے کہا — "میں بد ذوق نہیں۔ یہ نابینا موسیقار میرے ذوق کی بدولت درباری رتبہ حاصل کیے ہوئے ہے۔ میں نے رُوح کی جس روشنی کی بات کی ہے وہ مجھے اپنے اتالیق اور اس موسیقار

iqbalmt@oneurdu.com

کے نغموں سے مل رہے ہیں محسوس کرتی ہوں کہ اس کے ساز کے تار کچھ کہہ رہے ہیں۔ ان کے ترنم میں مجھے ایک پیغام سنائی دیتا ہے"۔

"کیا ہے وہ پیغام؟"

"معلوم نہیں"۔۔۔ سمن تاش نے کہا۔۔۔ "میں ابھی سمجھی نہیں"۔

نابینا موسیقار تاروں پر آہستہ آہستہ مضراب چلا رہا تھا اور وہ خوابناک آواز میں گنگنا رہا تھا۔ لگتا ہے اُس کی آواز ساز کی آواز، لگتا ہے ساز کی آواز اُس کی آواز لگتی تھی۔ دونوں لڑکیاں ٹہلتے ٹہلتے اُس کے قریب آگئیں۔ موسیقار پر بے خودی طاری تھی اور وہ جیسے کسی اور کی موجودگی سے بے خبر تھا۔

"کیا تم اپنے ابا حضور کو قائل کر سکتی ہو کہ سلطان محمود اپنی سلطنت کی توسیع نہیں چاہتا"۔۔۔ اخشی نے پوچھا۔ "اور کیا تمہارے ابا مان جائیں گے کہ سلطان محمود کی جنگیں اسلام کی خاطر ہیں؟"

"منوانے کی مجھے کیا ضرورت ہے؟"۔۔۔ سمن تاش نے کہا۔ "وہ سلطان محمود کے خلاف ہو سکتے ہیں، اُس کے خلاف لڑیں گے نہیں۔ ان کے دل میں دشمنی موجود ہے۔ وہ سلطان کے خلاف لڑیں گے بھی نہیں اور اس کی مدد بھی نہیں کریں گے"۔

"میں تمہیں راز کی ایک بات بتاؤں؟"۔۔۔ اخشی نے کہا۔ "تمہارے ابا حضور سلطان محمود کے خلاف لڑنے کی تیاری کر رہے ہیں"۔

"وہ ایسی جرأت نہیں کریں گے"۔

"وہ ایسی جرأت کا اظہار کر چکے ہیں"۔۔۔ قادر خان کی بیٹی اخشی نے کہا۔۔۔ "میرے ابا اسی مقصد کے لیے یہاں آئے ہیں۔ وہ تمہارے ابا کے ساتھ اسی سلسلے میں بات کر رہے ہیں"۔

"میں انہیں روک لوں گی"۔۔۔ سمن تاش نے تڑپ کر کہا۔

"ہوش میں آؤ سمن!"۔۔۔ اخشی نے قدرے غصیلی آواز میں کہا۔۔۔ "ترکستان کی بیٹیاں اتنی بے غیرت نہیں ہوا کرتیں۔ تم ذہنی طور پر غزنی والوں کی غلام بن گئی ہو"۔

نابینا موسیقار کے ساز کے تار اتنی زور سے جھنجھنائے جیسے اُس کا ہاتھ کانپ گیا ہو اور مضراب بے قابو ہو گیا ہو۔ تار خاموش ہو گئے۔ مغنی کی آواز رات کے سکوت میں تحلیل ہو گئی۔

"سلطان محمود بہت بڑی طاقت بن گیا ہے"۔۔۔ اخشی کہہ رہی تھی۔۔۔ "اب وہ تمام ترکستان پر اسی طرح حملہ اور قبضہ کرے گا جس طرح اُس نے خوارزم پر کیا تھا۔ کیا تم بھول گئی ہو کہ اب خوارزم شاہ کون ہے؟.... التونتاش!۔۔۔ اور اُس کا نائب سلطان محمود کا مشہور سالار ارسلان جاذب ہے۔ یہ دونوں غزنی کے قصاب ہیں۔ انہوں نے ہر اُس آدمی کو قتل کرا دیا ہے جن کے متعلق انہیں شک تھا کہ غزنی کے وفادار نہیں"۔

"ہم دونوں کے والد کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"خراسان پر حملہ"۔۔۔ اخشی نے کہا۔ "پیشتر اس کے کہ سلطان محمود کو اطلاع ملے، خراسان ہمارے قبضے میں ہوگا"۔

"اور جب سلطان محمود جوابی حملہ کرے گا تو اس کا مقابلہ کون کرے گا؟"

"میرے ابا قادر خان، تمہارے ابا ابو منصور اور بخارا کے امیر الپتگین کا بھائی تو غان خان"۔۔۔ اخشی نے جواب دیا۔۔۔ "ترکستان کے تمام امراء کو ایک محاذ پر اکٹھا کیا جا رہا ہے"۔

سمن تاش ہنسنے لگی اور ہنستی ہی چلی گئی۔ اس کی ہنسی میں بچپن کا انداز تھا لیکن اس ہنسی میں طنز تھی۔ اُس نے کہا۔ "کیا چوہے اور چھپکلیاں مل کر ایک شیر کا مقابلہ کر سکتی ہیں؟"

"اگر شیر زندہ ہی نہ رہا تو؟"۔۔۔ اخشی نے کہا۔

"زندہ نہ رہا تو!"۔۔۔ سمن تاش نے حیران سا ہو کے کہا۔

"اُسے خراسان پر حملے سے پہلے قتل کر دیا جائے گا"۔۔۔ اخشی نے کہا اور چونک کر بولی۔ "یہ تمہارا موسیقار سو گیا ہے یا چلا گیا ہے؟"

رات کی خاموشی میں ساز کی دھیمی دھیمی، لرزتی کانپتی آواز اُبھرنے لگی اور اس کے ساتھ نابینا مغنی کی آواز کی دبی دبی میٹھی میٹھی گونج سنائی دینے لگی۔

iqbalmt@oneurdu.com

"یہ خاموش کیوں ہو گیا تھا؟" — اختی نے پوچھا "یہ ہماری باتیں سننے کے لیے چپ ہو گیا تھا"

"ایک اندھے موسیقار سے اتنا خوف؟" سمن تاش نے کہا۔ "اسے موسیقی کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ ذرّہ بھر دلچسپی نہیں۔"

اختی سمن تاش کو بازو سے پکڑ کر پرے لے گئی اور بولی "تمہیں کچھ بھی معلوم نہیں۔ سلطان محمود کے جاسوس اور مخبر ہر جگہ موجود ہیں۔ میرے ابا اپنے ہاں غزنی کے دو جاسوسوں کو پکڑ کر جلاد کے حوالے کر چکے ہیں۔ جاسوس تمہارے ہاں بھی موجود ہیں۔"

"آنکھوں سے محروم، موسیقی میں ڈوبا ہوا انسان جاسوس نہیں ہو سکتا" سمن تاش نے کہا۔ "تم مجھے بتاؤ کہ سلطان محمود کو کب اور کس طرح قتل کیا جائے گا؟"

"اس کا فیصلہ آج ہو جائے گا" — اختی نے کہا۔ "سمن تاش! تمہارا اتالیق بھی غزنی کا جاسوس معلوم ہوتا ہے، ورنہ ترکستان کے اتنے بڑے دشمن کو وہ اسلام کا علمبردار نہ کہتا۔ اگر تم اپنے ابا کی زندگی چاہتی ہو تو اتالیق کی باتوں کو سچ ماننا چھوڑ دو۔ یہ فرانٹ بوڑھا تمہیں گمراہ کر رہا ہے۔"

سمن تاش کی زبان جیسے گنگ ہو گئی ہو۔ اختی بولتی رہی اور وہ سنتی رہی۔

"اختی!" سمن تاش اکتائے ہوئے اور کچھ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی — "ہمیں چلنا چاہیے ..... تم چلو۔ میں موسیقار کو اس کے ٹھکانے پر چھوڑنے جا رہی ہوں۔"

"کسی ملازم کو اس کے ساتھ بھیج دو" — اختی نے کہا "تم خود کیوں جاؤ گی؟"

سمن تاش نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ موسیقار کی طرف چل پڑی۔

نابینا موسیقار کو محل کے قریب ہی مکان دیا گیا تھا۔ سمن تاش اُس کا ہاتھ پکڑے اُسے اُس کے کمرے میں لے گئی۔ راستے میں وہ کچھ بھی نہ بولی۔ موسیقار کے کمرے سے نکلنے لگی تو موسیقار نے اُسے رک جانے کو کہا۔

"آپ شہزادی ہیں، میں آپ کا خادم ہوں" موسیقار نے بڑے اداس لہجے میں کہا "ایک بات کہوں تو بُرا نہ ماننا شہزادی! ... مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔"

"کیوں؟"

"خان قادر خان کی شہزادی نے مجھے جاسوس کہا تھا" موسیقار نے کہا — "کہتی تھی کہ میں آپ دونوں کی باتیں سننے کے لیے خاموش ہو گیا تھا ... سمن شہزادی! مجھے بادشاہوں اور سلطانوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ میرے لیے دنیا کبھی ختم نہ ہونے والی تاریکی اور آوازیں ہیں۔ اسے میں اپنے نغموں سے روشن رکھتا ہوں۔"

"نہیں" سمن تاش نے کہا "اُس نے تمہیں جاسوس نہیں بلکہ یہ کہا تھا کہ دھیمے سُروں میں بجتے بجتے تمہارے ساز کے تار بڑی زور سے جھنجھنائے تھے اور تم خاموش ہو گئے تھے۔ اسے شک ہوا تھا کہ تم ہماری باتیں سننے کے لیے چپ ہو گئے تھے۔"

"قادر خان کی شہزادی کے منہ سے سلطان محمود کے قتل کی بات نکلی تو میرا ہاتھ کانپ گیا۔ مضراب بے قابو ہو کر تاروں کو جا لگا" — نابینا مغنی نے کہا — "اور میری زبان کانپ کر خاموش ہو گئی۔"

"اگر سلطان محمود قتل ہو جائے تو کیا قیامت آ جائے گی؟" — سمن تاش نے پوچھا۔

"سلطان ہو یا سپاہی کسی کو قتل نہیں ہونا چاہیے" مغنی نے کہا۔ "اور میں جانتا ہوں کہ آپ سلطان محمود کو پسند کرتی ہیں۔ اگر وہ قتل ہو جائے تو مجھ پر وہی قیامت آئے گی جو آپ پر ٹوٹے گی۔ آپ کی طرح میں بھی سلطان محمود کو اسلام کا علمبردار اور پاسبان سمجھتا ہوں۔"

"لیکن یہاں کسی کے ساتھ اُس کے حق میں کوئی بات نہ کرنا" — سمن تاش نے کہا۔

"اسے کون قتل کرے گا؟" — موسیقار نے پوچھا — "اسے کب قتل کیا جائے گا؟"

"میں ابھی ان سوالوں کے جواب نہیں دے سکتی" سمن تاش نے کہا "تم اب آرام کرو۔"

"ذرا رک جاؤ شہزادی!" موسیقار نے کہا "میں آرام نہیں کر سکوں گا۔ میں سو نہیں سکوں گا۔"

iqbalmt@oneurdu.com

"تم کر بھی کیا سکتے ہو" — سمن تاش نے کہا "تم خانہ جنگی نہیں روک سکتے۔ تم غزنی کے سلطان کو قاتلوں سے نہیں بچا سکتے۔"

"اگر آپ مجھے کچھ بتا سکیں تو میں غزنی جا کر سلطان محمود کو قبل از وقت خبردار کر سکتا ہوں۔"

سمن تاش نے ہنس کر کہا "تم بہت جذباتی ہو۔ تم غزنی کیسے جاؤ گے؟"

"گر جانا پڑا تو چلا جاؤں گا" — مغنی نے کہا "یہاں میرے کچھ شاگرد بھی ہیں۔ جسے کہوں گا وہ چلا جائے گا۔"

"کیا تم اس معاملے میں سنجیدہ ہو؟" — سمن تاش نے کہا "جو کہہ رہے ہو وہ کر کے دکھا سکتے ہو؟"

"آپ راز کی بات بتا دیں۔ باقی کام میں کسی سے کروا لوں گا" — موسیقار نے کہا "شہزادی سمن! میں نے سلطان محمود کے متعلق اپنی رائے آپ کی رائے سن کر دی ہے۔"

"کسی کو پتہ نہ چلے کہ ہمارے درمیان یہ باتیں ہوئی ہیں" — سمن تاش نے کہا۔

"ماں!" — سمن تاش نے اپنی ماں سے جا کر کہا — "کیا آپ حضور اپنے خاندان کی روایت کو مرنے نہیں دیں گے؟"

"کیسی روایت بیٹی؟"

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کاشغر کا خان کیوں آیا ہے؟" — سمن تاش نے کہا — "خراسان پر حملے کی تیاری ہو رہی ہے۔ قادر خان ہمارے آبا کو بھی ایلک خان کے راستے پر لے جا رہا ہے۔ ہمارے خاندان کے ابھی پہلے زخم نہیں بھرے.... کیا آپ انہیں روک سکتی ہیں؟"

اتنے میں کمرے کا دروازہ کھلا اور سمن تاش کا باپ ابو منصور ارسلان خان کمرے میں داخل ہوا۔ وہ بہت اونچی آواز میں سنتا تھا۔ اپنی بیوی اور بیٹی کو دیکھ کر رک گیا اور انہیں بڑی غور سے دیکھنے لگا۔ سمن تاش کی ماں نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

"تم دونوں کے چہرے بتا رہے ہیں کہ کوئی خاص بات ہوئی ہے" — ابو منصور نے کہا۔

سمن تاش کی ماں نے ابو منصور کے کان کے ساتھ منہ لگا کر بلند آواز سے کہا "آپ ہمارے چہرے دیکھ رہے ہیں۔ اگر آپ ہماری آنکھوں میں جھانکیں تو آپ کو اسلام کے سپاہیوں کی خون چکاں لاشیں تڑپتی نظر آئیں گی۔ آپ کو اسلام کا پرچم خاک و خون میں پڑا دکھائی دے گا.... میری آنکھوں میں دیکھیں۔ آپ کو ایک ہی مذہب کے بیٹے، ایک ہی خدا اور ایک رسولؐ کا کلمہ پڑھنے والے ایک دوسرے کا خون بہاتے نظر آئیں گے۔"

"خاموش ہو جاؤ" ابو منصور نے گرج کر کہا "تمہیں میرے فیصلوں میں دخل دینے کی جرأت کیسے ہوئی ہے!"

"جیسے اُس وقت جرأت ہوا کرتی تھی جب میں جوان تھی" — سمن تاش کی ماں نے کہا "میرے جسم میں دلکشی تھی اور چہرے کا حسن تر و تازہ تھا۔ آج میری جگہ پانچ جوان لڑکیوں نے لے لی ہے۔ خدا نے آپ کے کان بند کر رکھے ہیں اور عقل پر پانچ لڑکیاں قابض ہو گئی ہیں۔ آپ سوچ نہیں سکتے، سمجھ نہیں سکتے کہ ان میں دو لڑکیاں جو تحفے کے طور پر آئی ہوئی ہیں وہ کس نے کس نیت سے بھیجی ہیں۔"

"لیکن جو اختیار تمہیں حاصل ہے وہ میں نے کسی اور کو نہیں دیا" — ابو منصور نے کہا "تم نہیں جانتیں کہ ہم نے سلطان محمود پر یہ ظاہر نہ کیا کہ ہم زندہ ہیں اور ہم میں طاقت ہے تو وہ ہمیں خوارزم کی طرح نگل جائے گا۔ جانتی ہو وہ کتنا طاقتور ہو گیا ہے؟"

"آپ کو یہ کس نے بتایا ہے کہ وہ آپ کو نگلنے کے لیے طاقتور ہوا ہے؟" — سمن تاش نے اُس کے دوسرے کان کے ساتھ منہ لگا کر بلند آواز سے کہا "یہ وہم ترکستانیوں کو ہو گا۔ وہ آپ کو استعمال کر رہے ہیں۔"

"قادر خان پر مجھے بھروسہ ہے" — ابو منصور نے کہا "میں اُس کی بات رد نہیں کر سکتا۔"

"کیونکہ وہ اپنی جوان بیٹی کو ساتھ لایا ہے" — اس کی بیوی نے کہا "اور یہ لڑکی جس طرح آپ کے ساتھ لگی بیٹھی تھی اور جس ناز و انداز سے آپ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی وہ میں دیکھ رہی تھی۔ کیا آپ ایک لڑکی کی خاطر اپنی فوج کو غزنی والوں سے ذبح کرا دیں گے؟"

iqbalmt@oneurdu.com

"خانہ جنگی سے آپ نے پہلے کیا حاصل کیا ہے؟" سمن تاش نے کہا۔

"آپ کا بھائی ایلک خان ایک ذرے ہوئے اور مغرور حکمران کی زندگی بسر کرتا رہا" ۔۔۔ اُس کی بیوی نے کہا ۔۔۔ "اُسے شکست دے کر بھی سلطان محمود نے اُس کی ریاست پر قبضہ نہیں کیا تھا۔"

ابو منصور کے ایک کان کے ساتھ اُس کی بیوی نے منہ لگا رکھا تھا اور دوسرے کان کے ساتھ اُس کی بیٹی سمن تاش نے وہ اُسے چلا چلا کر سمجھا رہی تھیں کہ وہ دوسروں کے کہنے میں نہ آئے۔ وہ بولنے لگتا تھا تو بیوی یا بیٹی اُسے ٹوک دیتی تھی۔

"خدا کے لیے میری سنو" ۔۔۔ اُس نے گرج کر کہا۔ "میں مجبور ہو گیا ہوں۔ ایک طرف سلطان محمود ہے اور دوسری طرف قادر خان اور توغان خان۔ اگر میں ان کا ساتھ نہیں دیتا تو مجھے ان دونوں سے خطرہ ہے اور اگر میں ان کا ساتھ دیتا ہوں، تو سلطان محمود سے دشمنی مول لیتا ہوں۔"

"تو سلطان محمود سے دوستی کر لیں" ۔۔۔ اُس کی بیوی نے کہا۔

"میں خاندانی دشمنی کو دوستی میں نہیں بدل سکتا۔" ابو منصور نے بھڑک کر کہا ۔۔۔ "میں سلطان محمود سے اپنے خاندان کی بے عزتی کا انتقام لوں گا .... اور اب میں کس طرح پیچھے ہٹ سکتا ہوں۔ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے۔ منصوبہ طے ہو چکا ہے۔"

"جس میں سلطان محمود کا قتل بھی شامل ہے" ۔۔۔ سمن تاش نے طنزیہ کہا۔

ماں بیٹی نے ایک دوسری کی طرف دیکھا اور سمن تاش نے دھیمی سی آواز میں ماں سے کہا کہ اپنا رویہ بدل لو اور ان سے معلوم کرو کہ ان کا منصوبہ کیا ہے۔ ابو منصور غصے سے پھنکار رہا تھا۔

"اگر آپ نے منصوبہ بھی تیار کر لیا ہے تو ہم آپ سے یہی کہیں گی کہ آپ پیچھے نہ ہٹیں" ۔۔۔ سمن تاش کی ماں نے کہا ۔۔۔ "ہم آپ کی حوصلہ افزائی کریں گی .... آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ ہمیں بھی بتا دیں تاکہ ہم بھی منصوبے کی کامیابی کے لیے کچھ کریں۔"

ابو منصور ارسلان کی باچھیں کھل گئیں اور اُس نے خراسان پر اپنی، قادر خان اور توغان خان کی متحدہ فوج کے حملے اور سلطان محمود کے قتل کا منصوبہ پوری تفصیل سے سنا

دیا۔

اگلی صبح قادر خان رخصت ہو رہا تھا۔ سمن تاش نے نابینا موسیقار کو اپنے کمرے میں بلا رکھا تھا۔

"تم نے کہا تھا کہ میں تمہیں راز کی بات بتا دوں تو تم غزنی تک پہنچا سکتے ہو" ۔۔۔ سمن تاش نے کہا ۔۔۔ "مجھے یہ بتاؤ کہ میں تم پر اعتبار کس طرح کر سکتی ہوں اور دوسرے یہ کہ غزنی پیغام لے کر کون جائے گا۔"

"میرے پاس ایسا کوئی طریقہ نہیں جس سے میں آپ کو یقین دلا سکوں کہ میں قابلِ اعتبار آدمی ہوں" ۔۔۔ نابینا مغنی نے کہا ۔۔۔ "اگر آپ کا ایمان وہی ہے جو میرا ہے تو آپ کو مجھ پر اعتبار کرنا چاہیے .... آپ مجھ سے یہ نہ پوچھیں کہ غزنی کون جائے گا۔ ایک گھوڑے کا انتظام کریں اور گھوڑے کی باگ میرے ہاتھ میں دے دیں۔ میں آپ کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤں گا۔ میں بہت دن غائب رہوں گا پھر آپ کے پاس آ جاؤں گا۔"

سمن تاش نے قرآن پاک اٹھایا اور چوم کر موسیقار کے ہاتھوں پر رکھ دیا۔ موسیقار نے بھی قرآن کو چوما۔

"یہ قرآنِ پاک ہے" ۔۔۔ سمن تاش نے کہا ۔۔۔ "قسم کھاؤ کہ تم مجھے دھوکہ نہیں دو گے۔"

"نہیں شہزادی!" ۔۔۔ موسیقار نے کہا ۔۔۔ "میں قسم نہیں کھاؤں گا۔ قسم کھا لینے سے کسی کی روح کا آئینہ شفاف نہیں ہو جایا کرتا۔ سب سے زیادہ اور بڑی قسمیں بے ایمان اور بددیانت آدمی کھایا کرتے ہیں۔ یہ قرآنِ پاک میرے ساتھ رہے گا۔ مجھے اس کی مدد کی ضرورت ہے۔ واپس آؤں گا تو آپ کو لوٹا دوں گا .... آدمی کب بھیجا جائے؟"

"ابھی" ۔۔۔ سمن تاش نے کہا ۔۔۔ "تمہارا آدمی ابھی روانہ ہو سکتا ہے؟"

"ہو سکتا ہے" ۔۔۔ نابینا مغنی نے کہا ۔۔۔ "آپ گھوڑا لائیں اور بتائیں کہ پیغام کیا ہے؟"

"تمہارے آدمی کو سلطان محمود کے پاس جانا ہے" ۔۔۔ سمن تاش نے کہا ۔۔۔ "اُسے کہنا کہ قادر خان، توغان خان اور ابو منصور مل کر خراسان پر حملہ کرنے والے ہیں اور آپ کے قتل کا منصوبہ بھی تیار ہے۔ سلطان سے کہنا کہ آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ ایک بیٹی اپنے

iqbalmt@oneurdu.com

باپ کے خلاف محاذ میں شامل ہو سکتی ہے لیکن مجھے آپ پہلے اسلام کی بیٹی سمجھیں، اس کے بعد مجھے اپنی بیٹی سمجھیں اور اس کے بعد میں اس باپ کی بیٹی ہوں جسے اپنے مذہب کی بجائے اپنا تخت و تاج پیارا ہے۔ سلطان سے کہنا کہ میں جانتی ہوں کہ یہ تینوں مل کر آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ آپ انہیں ایک ہلے میں صاف کر دیں گے لیکن جو کشت و خون ہو گا، اسے تصور میں لائیں۔ غزنی، خراسان، خوارزم، بلخ اور بخارا کی وہ مائیں جن کے جوان بیٹے آپس میں لڑ کر مارے گئے تھے، آج بھی اسی طرح روتی ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کی لاشیں دیکھ کر روئی تھیں۔ ان کی آہوں اور فریادوں سے زمین و آسمان کانپ رہے ہیں....

غزنی کے سلطان سے کہنا کہ میرا باپ قادر خان اور تومان خان سے خائف ہے۔ آپ میرے باپ کو صلح اور دوستی کا پیغام بھیج کر اس کے دل سے یہ خوف نکال سکتے ہیں۔ مجھے اپنی بیٹی سمجھتے ہوئے فوجوں کو کٹ مرنے سے بچائیں۔ مجھے اپنے یتیم ہو جانے کا کوئی غم نہیں ہو گا۔ میری ماں کو بیوہ ہو جانے کا رنج نہیں ہو گا۔ غم اور رنج ہو گا تو یہ کہ جنہیں کفر کے خلاف جہاد میں شریک ہونا تھا وہ خانہ جنگی میں کٹ مرے اور کفر کے ہاتھ مضبوط ہوئے.... کیا تم یہ ساری باتیں یاد رکھ سکو گے؟ جس طرح میں بتا رہی ہوں اسی طرح اس آدمی کو بتا سکو گے جو غزنی جا رہا ہے؟"

"اسی طرح بتاؤں گا"۔ نابینا موسیقار نے کہا۔ "اور وہ سلطان محمود کو اسی طرح سنائے گا"۔

"نہیں"۔ سمن تاش نے کہا۔ "تم موسیقی میں ڈوبے ہوئے انسان میرے جذبات کی ترجمانی نہیں کر سکو گے۔ تم اپنی دنیا میں گم رہنے والے انسان اس دنیا کو نہیں جانتے جس میں انسان اپنی بادشاہی کی خاطر بے گناہ انسانوں کا خون بہا دیتا اور رعایا پر مذہب کا جنون طاری کیے رکھتا ہے"۔

"سمن شہزادی!"۔ نابینا موسیقار نے کہا۔ "الفاظ کے بھنور سے باہر آؤ۔ مجھے بتاؤ کہ سلطان تک اور کیا پیغام پہنچانا ہے۔ میں سب کچھ سمجھتا ہوں اور میں سب کچھ سمجھا سکتا ہوں"۔

"تو چلے جاؤ"۔ سمن تاش نے کہا۔ "سلطان محمود سے کہنا کہ میرے باپ کو دوستی کا پیغام بھیجو اور اسے یقین دلاؤ کہ غزنی کی فوج اسے قادر خان اور تغان خان سے بچائے رکھے گی"۔

ایک گھوڑا شہر میں سے گزر رہا تھا۔ اس کی باگیں پکڑے ہوئے ایک نابینا دوسرے ہاتھ میں لاٹھی اٹھائے چلا جا رہا تھا۔ اس کے گھوڑے کے ساتھ ساز بندھا ہوا تھا اور اس نے اپنے کندھے سے کمان اور ترکش بھی لٹکا رکھا تھا۔ اسے بہت کم لوگ جانتے تھے اور جو اسے نابینا مغنی کے نام سے جانتے تھے وہ اسے دیکھ کر ہنس پڑتے تھے کہ اندھا ترکش اور کمان لیے جا رہا ہے۔

گھوڑا شہر کے دروازے سے نکل گیا۔ وہ نابینا موسیقار تھا۔ وہ گھوڑے کے آگے آگے پیدل چل رہا تھا۔ شہر سے کچھ دور جا کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اس نے لاٹھی پھینک دی اور ذرا آگے جا کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا دوڑ پڑا لیکن اس نے گھوڑے کو سرپٹ نہ دوڑنے دیا۔ سوار اندھا تھا مگر وہ خود اعتمادی سے سواری کر رہا تھا اور گھوڑا صحیح راستے پر جا رہا تھا۔

پندرہ سولہ میل بعد وہ جنگل شروع ہو گیا جو امراء وزراء کی شکار گاہ تھی۔ وہاں اونچی نیچی ٹیکریاں اور کھڈ نالے بھی تھے۔ اس علاقے کے ہرن مشہور تھے۔ نابینا موسیقار کا گھوڑا چلا جا رہا تھا کہ ایک ہرن سامنے سے دوڑتا گزرا۔ ہرن کی رفتار کم ہوتی جا رہی تھی کیونکہ اس کے پہلو میں دو تیر اترے ہوئے تھے۔ نابینا موسیقار نے اس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا۔ ہرن کے تعاقب میں کچھ گھوڑے دوڑے آ رہے تھے لیکن وہ دور تھے۔ نابینا موسیقار کا گھوڑا ہرن کے قریب پہنچ رہا تھا۔ موسیقار نے کندھے سے کمان اتاری اور ترکش سے تیر نکال کر ہرن پر تیر چلایا۔ تیر ہرن کی پچھلی ٹانگ میں اتر گیا اور ہرن کی رفتار بالکل ختم ہو گئی۔ وہ رکا اور بیٹھ گیا۔

موسیقار نے اس کے قریب جا گھوڑا روکا اور ادھر دیکھنے لگا جدھر سے ہرن کے تعاقب میں گھوڑے دوڑے آ رہے تھے۔ وہ بہت سے سوار تھے۔ نابینا موسیقار

ہرن کو دیکھ رہا تھا۔ گھوڑے اُس کے قریب آ رُکے۔ تب اُس نے سواروں کو دیکھا۔

"میں نے آپ کے ہرن کو گرالیا ہے" — نابینا موسیقار نے سواروں سے کہا اور وہ گھبرا گیا۔ اُس نے سواروں کو پہچان لیا تھا۔

سوار بھی اُسے دیکھ کر حیران ہوئے۔ ان میں ایک قادر خان تھا اور اُس کے ساتھ دوسرے گھوڑے پر اُس کی بیٹی اختی سوار تھی۔ باقی سب قادر خان کے مشیر اور محافظ تھے۔

قادر خان اُسی روز ابو منصور سے رخصت ہوا تھا اور راستے میں اس نے شکار کھیلنا شروع کر دیا تھا۔ اس ہرن کو ایک تیر اُس کا اور دوسرا اختی کا لگا تھا۔ تیسرا تیر نابینا موسیقار نے چلا کر ہرن کو گرا دیا۔

"کیا تم نابینا مغنّی نہیں ہو جس نے ہمیں ابو منصور ارسلان کے ہاں نغمے سنائے تھے؟" — قادر خان نے پوچھا۔

اُس کا ساز گھوڑے کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اختی نے اپنا گھوڑا موسیقار کے گھوڑے کے قریب کر کے اُس کی زین کے ساتھ ساز والا بندھا ہوا تھیلا کھول لیا۔ موسیقار بُت بن گیا۔ تھیلے میں سے ساز نکالا گیا۔ اس میں کوئی شک نہ رہا کہ یہ وہی نابینا موسیقار ہے۔

"مجھے پہلے ہی شک تھا کہ یہ جاسوس ہے" — قادر خان کی بیٹی اختی نے کہا — "کیا کوئی اندھا تیر سے ہرن کو نشانہ بنا سکتا ہے؟"

قادر خان نے تلوار نکال کر کہا۔ "سچ بتاؤ تمہاری اصلیت کیا ہے؟"

قادر خان کے محافظ ابھی اس کا گھیراؤ کرنے کے لیے ہلے ہی تھے کہ موسیقار نے گھوڑے کی لگام کو جھٹکا دیا اور ایڑ لگائی۔ گھوڑا شاہی اصطبل کا تھا۔ اشارہ ملتے ہی سرپٹ دوڑ پڑا۔ قادر خان نے حکم دیا — "پکڑ لاؤ اسے" — محافظوں نے اُس کے پیچھے گھوڑے ڈال دیئے، مگر موسیقار بہت فاصلے لے گیا تھا اور وہ ایک ٹیکری کی اوٹ میں چلا گیا تھا۔ محافظ اُس پر تیر نہیں چلا سکتے تھے۔ وہ اُس کے تعاقب میں رہے۔

موسیقار بڑا اچھا سوار تھا۔ اُس نے گھوڑے کو سُست نہ ہونے دیا۔ گھوڑا کھڈ پھلانگتا جا رہا تھا۔ بہت دُور جا کر موسیقار نے پیچھے دیکھا۔ اس کے تعاقب میں آنے

والے بہت دُور تھے۔ انہوں نے مایوس ہو کر تعاقب ترک کر دیا اور واپس چلے گئے۔

ابو منصور کو اطلاع ملی کہ قادر خان جو رخصت ہو گیا تھا، واپس آ گیا ہے۔ ابو منصور دوڑا باہر آیا۔ قادر خان نے اُسے بتایا کہ اس کے دربار کا نابینا مغنّی نابینا نہیں اور وہ بھاگ گیا ہے۔

"وہ سلطان محمود کا جاسوس ہے" — قادر خان نے کہا۔ "ہماری رات کی باتیں سن گیا ہوگا۔"

"رات کو وہ اس کمرے کے قریب بھی نہیں تھا جس میں ہم باتیں کر رہے تھے" — ابو منصور نے کہا۔ "ہم معلوم کریں گے وہ رات کہاں تھا۔"

"مجھے آپ کی بیٹی پر شک ہے" — قادر خان کی بیٹی اختی نے کہا — "وہ سلطان محمود کی شیدائی ہے اور یہ موسیقار اُس کا منظورِ نظر تھا۔ مجھے آپ کی بیٹی کے بوڑھے اتالیق پر بھی شک ہے کہ وہ غدار ہے۔"

ابو منصور سوچ میں پڑ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ سمن تاش سلطان محمود کے خلاف لڑائی کے سخت خلاف ہے۔ اس کے اتالیق کے متعلق اُسے معلوم نہیں تھا۔ قادر خان اور اختی ابو منصور کے پیچھے پڑ گئے کہ وہ اتالیق اور اپنی بیٹی کے خلاف کچھ کرے، مگر ابو منصور اپنی بیٹی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پھر بھی دونوں کو بلا لیا گیا۔ جب سمن تاش سے یہ کہا گیا کہ نابینا موسیقار نابینا نہیں تھا تو وہ بہت حیران ہوئی۔ وہ مان نہیں رہی تھی۔

"سنو بوڑھے!" — قادر خان نے اتالیق سے کہا — "تم جس کا نمک کھاتے ہو اُسی کے خلاف غداری کرتے ہو۔ اگر بتا دو کہ وہ موسیقار یہاں سے کیا خبر لے گیا ہے تو ہم تمہیں بخش دیں گے ورنہ بہت بڑی موت مرو گے۔"

"خبردار!" — سمن تاش اپنے اتالیق کے سامنے کھڑی ہو گئی اور قادر خان سے کہا — "اگر میرے اتالیق کی کسی نے توہین کی تو کوئی نہیں بتا سکتا کہ یہاں کیا ہوگا۔ ہم کاشغر کے غلام نہیں۔"

"ایک طرف ہو جاؤ سمن!" — اتالیق نے قادر خان سے کہا۔ "ایک ذرا سے

iqbalmt@oneurdu.com

ملتے کی بادشاہی تمہیں خدا نہیں بنا سکتی۔ میں سلطان محمود کا حامی نہیں حق کا حامی ہوں۔ میں موسیقار کو اندھا سمجھتا رہا۔ میں تم سب کو اندھا سمجھتا ہوں۔ اگر وہ اندھا غزنی کا جاسوس تھا تو وہ آنکھوں کا اندھا تھا۔ روح کا اندھا نہیں تھا۔ اُس کے اندر ایمان کی روشنی تھی۔ مجھے کچھ خبر نہیں کہ وہ کیا خبر لے گیا ہے لیکن میں یہ کہنے سے بالکل نہیں ڈروں گا کہ وہ اگر جاسوس تھا تو پکا مسلمان تھا۔"

قادر خان نے ابو منصور کے کان کے ساتھ منہ لگا کر بلند آواز سے کہا۔ "اس بوڑھے کو قید خانے میں ڈال دیں۔ یہ ہماری جڑیں کاٹ رہا ہے۔"

ابو منصور نے اتالیق کی طرف دیکھا۔ اُسے شاید یاد آ گیا ہو گا کہ یہ بزرگ صورت انسان جو عمر کی آخری منزل کے قریب پہنچ چکا تھا، اُس کے باپ کا بھی اتالیق تھا۔ اُس کا اتالیق بھی یہی تھا اور اب اس کی بیٹی بھی اس سے تعلیم و تربیت حاصل کر رہی تھی۔

"آپ اس کا حکم مانیں گے یا اپنے خدا کا؟" — بزرگ اتالیق نے کہا۔ "اگر آپ کو دنیا عزیز ہے تو میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ شکست آپ کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔"

"اگر آپ معایا کی بغاوت برداشت کر سکتے ہیں تو اتالیق کو قید میں ڈال دیں" — سمن تاش نے اپنے باپ کے کان کے ساتھ منہ لگا کر کہا اور وہ باہر نکل گئی۔

"قادر خان!" — ابو منصور نے کہا۔ "میں نے آپ کے ساتھ دوستی کا اور فوجیں اکٹھی استعمال کرنے کا معاہدہ کیا ہے آپ کی اطاعت قبول نہیں کی۔ مجھے اتنا کمزور نہ سمجھیں کہ میں آپ کے حکم کا پابند ہو جاؤں۔"

"معلوم ہوتا ہے آپ سلطان محمود سے ڈرتے ہیں" — قادر خان نے کہا۔ "کیا آپ کو یقین نہیں آیا کہ میں اور توغان خان آپ کے ساتھ ہیں؟"

"سلطان محمود کا نہیں" — ابو منصور نے کہا۔ "میرے دل میں خدا کا کچھ خوف ابھی باقی ہے۔ مجھ پر بادشاہی کا نشہ ابھی اتنا سوار نہیں ہوا کہ میں نے جس کے ہاتھوں میں تعلیم و تربیت پائی ہے اُسے قید میں ڈال دوں .... آپ چلے جائیں اور اس یقین کے ساتھ جائیں کہ میں سلطان محمود کے ساتھ جنگ میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

اُس نے اتالیق کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ اتالیق باوقار چال چلتا باہر نکل گیا۔

"سلطان محمود کو اُس کے جاسوس کیا خبر دیں گے؟" — ابو منصور نے کہا — "یہی کہ ہم خراسان پر حملہ کریں گے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ وہ جانتا ہے ہم اُس کے دشمن ہیں۔ اُس نے خراسان کے دفاع کا انتظام کر رکھا ہے۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ تیاری میں زیادہ وقت نہ لگائیں۔"

قادر خان رخصت ہو گیا۔ اتالیق سمن تاش کے پاس چلا گیا اور اُس سے پوچھا کہ یہ کہاں تک درست ہے کہ موسیقار نابینا نہیں تھا۔ سمن تاش نے اُسے بتایا کہ وہ اُسے نابینا ہی سمجھتی رہی ہے اور سلطان محمود کو اُسی نے پیغام بھجوایا ہے لیکن موسیقار نے کہا تھا کہ وہ کسی اور کو بھیجے گا۔

"آنے والی تباہی کو خدا ہی روک سکتا ہے۔" — اتالیق نے کہا۔

"میں نے یہی پیغام بھجوایا ہے کہ تباہی کو روکو" — سمن تاش نے کہا — "اگر ضرورت پڑی تو میں خود غزنی چلی جاؤں گی، خواہ مجھے کیسی ہی سزا بھگتنی پڑے۔"

بزرگ اتالیق نے سمن تاش کو جو تعلیم دی تھی وہ رنگ دکھا رہی تھی۔ سمن تاش نڈر اور بے خوف ہوتی جا رہی تھی۔

وہ جوان آدمی جو ابو منصور کے محل میں جھکا جھکا، مرا مرا، اُداس اُداس سا نابینا موسیقار بنا ہوا تھا وہ خراسان کے پہاڑوں، چٹانوں اور جنگلوں کو چیرتا جا رہا تھا۔ اس کی گردن تنی ہوئی اور سینہ پھیلا ہوا تھا۔ گھوڑے کو آرام دینے کے لیے وہ اس کی رفتار کم کر دیتا اور بڑی پُرسوز آواز میں گانے لگتا۔ گھوڑا یوں چلا جا رہا تھا جیسے اُس کی آواز سے مسحور ہو کر چلا جا رہا ہو۔ اُسے اب پکڑے جانے کا خطرہ نہیں تھا۔ وہ غزنی کی سلطنت میں داخل ہو چکا تھا۔ غزنی ابھی دور تھا۔

اُس نے چوکیوں پر دو گھوڑے بدلے اور خود آرام نہ کیا۔ اسے وقت کا بھی احساس نہ تھا۔ دن تھا یا رات، وہ چلتا گیا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ کون سے دن کا سورج غروب ہو رہا تھا جب اُسے غزنی کی مسجدوں کے مینار دکھائی دینے لگے۔

اور وہ جب اپنے سالار کے پاس پہنچا اُس وقت رات تاریک ہو چکی تھی۔ اُس

iqbalmt@oneurdu.com

نے سالار کو بتایا کہ وہ کیا خبر لایا ہے۔ سلطان محمود نے حکم دے رکھا تھا کہ باہر سے کوئی جاسوس خواہ آدھی رات کو واپس آئے، اُسے اُسی وقت جگا لیا جائے۔ موسیقار کو جس کا نام ابی ظفر تھا، دیکھتے ہی اور اس کی مختصر سی بات سن کر سالار اُسے سلطان محمود کے پاس لے گیا۔

ابی ظفر نے پہلے تو یہ بتایا کہ وہ نابینا موسیقار بن کر ابومنصور ارسلان خان کے محل میں درباری حیثیت پا رہا ہے۔ اس طرح اُسے ابومنصور کے دربار کے علاوہ اُس کے گھر تک بھی رسائی حاصل رہی ہے۔

اُس نے سلطان محمود کو پوری رپورٹ دی کہ کاشغر کا قادر خان اور بلخ کا تونمان خان ابومنصور کی فوج کو ساتھ ملا کر خراسان پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں اور سلطان کے قتل کا منصوبہ بھی بن چکا ہے۔

"ابومنصور ارسلان خان غزنی کے ساتھ خاندانی دشمنی ختم کرنا چاہتا ہے" — ابی ظفر نے سلطان کو بتایا — "لیکن قادر خان اور تونمان خان نے اُسے اتنا خائف کر دیا ہے کہ وہ اُن کا ساتھ دینے پر مجبور ہے۔ اگر آپ اُسے فوجی تحفظ مہیا کر دیں تو وہ شاید اُن دونوں کے محاذ سے الگ ہو جائے گا۔"

"اُس کے سالاروں کے متعلق کچھ بتا سکتے ہو؟" — سلطان محمود نے پوچھا۔

"سالار ترکستانی عورتوں کے طلسم میں گرفتار ہیں" — ابی ظفر نے بتایا — "قادر خان نے انہیں بڑی ہی حسین اور جوان عورتوں کے جال میں پھانس رکھا ہے۔ وہ ابومنصور کو یہی مشورہ دیتے چلے جا رہے ہیں کہ سلطان محمود پر فوراً وار نہ کیا گیا تو وہ چھوٹی چھوٹی امارتوں اور ریاستوں کو نگل جائے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سلطان محمود ہندوستان سے تو فاتح بن کر آیا ہے لیکن ان فتوحات نے اُسے فوجی لحاظ سے بہت کمزور کر دیا ہے۔ اس لیے چپکے سے بہت جلدی خراسان پر حملہ کر کے ایک مضبوط مستقر بنا لیا جائے اور وہاں سے چھوٹے پیمانے کے حملے جاری رکھے جائیں۔"

"ابومنصور کی فوجی طاقت میں کچھ اضافہ ہوا ہے یا ایلک خان کے وقت جتنی تعداد ہے؟"

"سلطانِ غزنی!" — ابی ظفر نے جواب دیا — "ابومنصور نے اس نفری کی کمی پوری

کر لی ہے جو ایلک خان نے ہماری فوج کے ہاتھوں مروا دی تھی ... میں ابومنصور کی بیٹی سمن تاش کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ، اُس کا بزرگ اتالیق اور اُس کی ماں آپ کی پرستار ہیں۔ ماں بیٹی ابومنصور کو مجبور کر رہی ہیں کہ وہ آپ کے خلاف میدان میں نہ آئے ... سمن تاش بڑی خوبصورت لڑکی ہے۔ میں نے اس کی زبان سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ میں سلطان محمود کی لونڈی بن کر اس کے پاس رہنے کو تیار ہوں۔"

"کیا اس لڑکی کی شادی ہو چکی ہے؟" — سلطان محمود نے پوچھا۔

"نہیں" — ابی ظفر نے جواب دیا اور سمن تاش نے اُسے جو پیغام دیا تھا وہ اُس نے سلطان محمود کو سنا دیا۔ سلطان محمود گہری سوچ میں کھو گیا۔

سلطان محمود نے ابی ظفر کو انعام و اکرام دے کر فارغ کر دیا اور اُسی وقت اپنے ایک جوان بیٹے مسعود کو بلایا اور اُسے کہا کہ اُسے ابومنصور ارسلان خان کے پاس جانا ہو گا اور اُسے قائل کرنا ہو گا کہ وہ غزنی کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائے ورنہ وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ اُسے یقین دلانا ہے کہ اگر وہ دوستی کا معاہدہ کرتا ہے تو اُسے سلطنتِ غزنی کی طرف سے فوجی تحفظ ملے گا۔ سلطان محمود نے مسعود بن محمود کو بہت سی ہدایات دیں اور اسے بتلایا کہ اس کے ساتھ کون کون جا رہا ہے۔

مسعود دوسرے ہی دن روانہ ہو گیا۔ اُس کے ساتھ دو مشیر تھے۔ دونوں فوجی تھے اور بیس گھوڑ سواروں کا محافظ دستہ بھی اُس کے ساتھ تھا۔ بارہ تیرہ دنوں کی مسافت تھی۔ مسعود کے ساتھ تحفوں اور سامان کے لیے اونٹوں کا پورا قافلہ تھا۔ ابومنصور کی امارت میں پہنچ کر مسعود شہر سے کچھ دور خیمہ زن ہوا اور اُس نے ابومنصور کے ہاں اپنا ایک ایلچی اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ سلطان محمود کا بیٹا مسعود آپ سے ملنے اور کچھ ضروری امور طے کرنے آیا ہے۔

ابومنصور دوسرے دن شاہانہ شان و شوکت سے مسعود کے پاس آیا۔ تحائف کا تبادلہ ہوا اور مسعود نے اُسے سلطان محمود کا پیغام دیا۔

"میں آپ کے باپ کی تعریف کرتا ہوں کہ اُس کے مخبر بہت ہوشیار ہیں" — ابومنصور

iqbalmt@oneurdu.com

نے کہا۔ ”اُس کے اندھے بھی دیکھ سکتے ہیں۔“

”اگر کوئی بہرہ ہمارے ساتھ دوستی کر لے تو وہ سننے کے قابل ہو جاتا ہے“ ——— مسعود نے طنزیہ کہا۔ ابومنصور بہرہ تھا اور بہت اونچی آواز میں اُس کے کان میں بولتے تھے تو وہ سنتا تھا۔

”شہزادے!“ ——— ابومنصور نے بُرا مانتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں باپ نے تیغ زنی سکھا دی ہے، زبان کا استعمال نہیں سکھایا۔ میں اُس اندھے کی بات کر رہا ہوں جو اندھا نہیں تھا لیکن میرے دربار میں بڑی کامیابی سے نابینا موسیقار بنا رہا۔ اسی نے تمہارے باپ کو یہ خبر دی ہے کہ ہم سلطنتِ غزنی کے خلاف لڑنے کی تیاری کر رہے ہیں، اس لیے تم دوستی کا پیغام لے کر آئے ہو۔“

”محترم!“ ——— مسعود نے کہا۔ ”میں پیغام لے کر آیا ہوں درخواست نہیں .... اور میں سمجھ نہیں سکا کہ آپ کون سے نابینا موسیقار کی بات کر رہے ہیں جو ہمارا مخبر تھا۔ میں آپ کے ساتھ سیدھی سی بات کرنے آیا ہوں کہ آپ اگر اپنی امارت کو زندہ و سلامت رکھنا چاہتے ہیں تو قادر خان اور توغان خان کی دوستی ترک کر دیں۔ آپ تینوں کی فوج چھ سو ہاتھیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اپنے بڑے بھائی ایلک خان کا انجام آپ کو یاد ہو گا۔“

”کیا آپ انہیں دھمکیاں دینے آئے ہیں؟“ ——— ابومنصور کے ساتھ آئے ہوئے ایک سالار نے کہا۔ ”کیا آپ ہمیں اس قدر کمزور سمجھتے ہیں کہ ہم مرعوب ہو کر آپ کی اطاعت قبول کر لیں گے؟“

ابومنصور چونکہ بہرہ تھا، اس لیے وہ اپنے سالار کی بات نہ سن سکا۔ مسعود نے سالار سے بات کی تو ابومنصور وہ بھی نہ سن سکا۔ وہ دونوں کو باری باری دیکھتا اور سمجھتا تھا کہ یہ آپس میں کیا باتیں کر رہے ہیں۔

”کچھ مجھے بھی بتاؤ“ ——— ابومنصور نے اپنے سالار سے کہا۔ ”تم لوگ کیا بات کر رہے ہو؟“

”یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کا شہر اور بلخ والوں کی دوستی سے باز نہ آئے تو ہم آپ

پر حملہ کر کے آپ کو تباہ و برباد کر دیں گے۔“

ابومنصور نے مسعود کو غصیلی نگاہوں سے دیکھا اور کہا۔ ”دیکھو شہزادے! اگر تم ہمیں دھمکی دے کر ہمارے ساتھ دوستی کرنے آئے ہو تو واپس چلے جاؤ اور اپنی فوج کے ساتھ آنا۔“

مسعود نے ابومنصور کے کان میں بلند آواز سے کہا۔ ”اگر حکمران بہرہ اور سالار جھوٹا ہو تو ملک اور رعایا کا خدا ہی حافظ ہے۔ محترم! آپ کا سالار جھوٹ بول رہا ہے۔ میں نے کچھ اور کہا تھا۔ اگر سالار حکومت کے کاروبار میں اسی طرح دخل اندازی کرنے لگیں تو حکومت زیادہ دیر نہیں چل سکتی۔“

کچھ دیر بحث مباحثہ ہوتا رہا۔ مسعود نے ابومنصور کو اس حد تک قائل کر لیا کہ اُس نے کہا۔ ”آپ چند دن یہاں رہیں۔ ہم سوچ کر جواب دیں گے۔ اتنے دن آپ شکار کھیل سکتے ہیں۔ آپ کے آرام کا، کھانے اور دل بہلانے کا پورا انتظام کیا جائے گا۔“

محل کے باورچی اور ملازم آ گئے اور انہوں نے مسعود اور اس کے تمام آدمیوں کے کھانے وغیرہ کا انتظام سنبھال لیا۔ ایک روز مسعود خیمہ گاہ سے ذرا ہٹ کر اکیلا ہی ٹہل رہا تھا کہ محل کا ایک ملازم جو خیمہ گاہ کے انتظام کے لیے آیا تھا، مسعود کے قریب آیا اور رازداری سے کہا۔ ”کل شکار کے لیے جائیں۔ ابومنصور ارسلان خان کی بیٹی سمن تاش آپ کو جنگل میں ملے گی۔“

”مجھے جنگل میں قتل کیا جائے گا یا خیمے میں؟“ مسعود نے پوچھا۔

”آپ کے محافظ آپ کے ساتھ ہوں گے“ ——— ملازم نے کہا۔ ”آپ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔“

ابی ظفر نے سلطان محمود کو بتایا تھا کہ سمن تاش اپنے باپ کے خلاف ——— ہے۔ سلطان محمود نے مسعود کے ساتھ سمن تاش کا ذکر ویسے ہی کیا تھا۔ ایک شہزادی کا اپنے باپ کے خلاف ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ امارت کی فوج پر ایک شہزادی کا حکم

iqbalmt@oneurdu.com

نہیں چل سکتا تھا۔ مسعود نے سمن تاش کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ اب ایک ملازم نے اُسے کہا کہ شہزادی سمن تاش اُسے جنگل میں ملے گی تو اُس نے اسے دھوکہ نہ سمجھا۔

دوسرے دن وہ شکار کو چلا گیا۔ وہ اپنے مشیروں کو ساتھ نہ لے گیا۔ پانچ چھ محافظوں کو اُس نے اس طرح ساتھ لیا کہ انہیں اپنے ارد گرد پھیلا دیا تاکہ کسی طرف سے بھی کوئی اس پر قاتلانہ حملہ نہ کر سکے۔ وہ گھوڑے پر سوار کمان میں تیر ڈالے ادھر اُدھر دیکھتا جنگل میں بڑھتا گیا۔ جنگل گھنا ہوتا گیا اور ہری بھری سرسبز چٹانیں بھی آ گئیں۔ اُسے اپنے محافظوں کے گھوڑوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

ایک جگہ تو بہت ہی خوشنما تھی۔ چوڑے پتوں والی بیلیں گھم گھا ہو کر درختوں کے ساتھ لپٹی ہوئی تھیں۔ مسعود کو وہاں ایک جوان لڑکی کھڑی نظر آئی۔ اُس کے قریب ایک گھوڑا کھڑا تھا اور لڑکی کے کندھے کے ساتھ کمان لٹک رہی تھی۔ ترکش گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھی تھی۔ لڑکی کا چہرہ جس قدر دلنشیں تھا اتنا ہی سنجیدہ تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑی تھی۔ اُس کا یہ انداز بڑا اسرار سا لگتا تھا۔ مسعود نے پندرہ بیس قدم دور گھوڑا روک لیا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"اگر آپ مسعود بن محمود ہیں تو گھوڑے سے اُتر کر آگے آ جائیں۔" لڑکی نے کہا ۔۔۔ "آپ کے لیے یہاں کوئی خطرہ نہیں۔ میں سمن تاش ہوں۔"

مسعود گھوڑے سے اُتر کر اُس کے قریب چلا گیا۔ سمن تاش نے اُسے گھاس پر بٹھا لیا۔

"مجھے ایک جوان لڑکی کے بلانے پر یہاں نہیں آنا چاہیئے تھا۔" مسعود نے کہا۔ "لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ سلطان غزنی کی حامی ہیں۔"

"آپ کو غلط بتایا گیا ہے۔" سمن تاش نے کہا۔ "میں سلطان غزنی کی نہیں سلطانِ دو جہاں کی پرستار ہوں۔ میں اُس رسول ﷺ کی غلام ہوں جو سلطان غزنی کا بھی رسول ﷺ ہے۔ میں اس اصول کی حامی ہوں کہ ایک رسول ﷺ کا کلمہ پڑھنے والوں کو ایک دوسرے کا خون نہیں بہانا چاہیئے۔"

iqbalmt@oneurdu.com

"اور اگر ایک بھائی تخت و تاج کی طمع سے اپنے بھائی کا خون بہانے کے لیے تیار ہو جائے تو اُس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

"اُسے جینے کا کوئی حق نہیں۔" سمن تاش نے کہا ۔۔۔ "اُس کے خلاف جہاد فرض ہو جاتا ہے۔"

"ان میں ایک تو تمہارا باپ ہے۔" مسعود نے کہا۔ "میرا یہاں آنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان کے خلاف جہاد فرض ہو جانے تک نوبت نہ آئے ..... کیا تم اپنے باپ کو اس اصول کا پابند نہیں کر سکتیں جس کی تم قائل ہو؟"

"نہیں۔" سمن تاش نے کہا۔ "میں نے آپ کو یہی بتانے کے لیے بلایا ہے کہ میرا باپ انہی ایمان فروشوں میں سے ہے جن کے خلاف جہاد فرض ہے۔ آپ شاید حیران ہوں گے کہ کوئی بیٹی اپنے باپ کے خلاف ہو سکتی ہے لیکن میں جس جذبے کے تحت اپنے باپ کے خلاف ہوں اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں آپ سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ پیشتر اس کے کہ قادر خان اور طغان خان کی فوجیں یہاں آ جائیں اور ہماری فوج کے ساتھ مل کر ایک طاقتور فوج بن جائیں، آپ ہمارے شہر کو محاصرے میں لے کر اس پر قبضہ کر لیں۔ اس سے یہ ہو گا کہ خون خرابہ کم ہو گا۔ ہماری فوج آپ کی فوج کے مقابلے میں بہت کمزور ہے۔ اگر آپ کا مقابلہ تین فوجوں سے ہوا تو دونوں طرف ایک ہی قوم کا اتنا ہی خون بہہ جائے گا جتنا پہلی خانہ جنگیوں میں بہہ چکا ہے۔"

"سلطان جو ہندوستان پر بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے ہیں، ایسا کبھی نہیں کریں گے کہ کسی مسلمان امارت یا ریاست پر چڑھ دوڑیں۔" مسعود نے کہا۔ "ہمارا مقصد قبضہ کرنا نہیں، عالمِ اسلام کو کفر کے خلاف ایک عسکری قوت بنانا ہے۔ اگر ہمیں آپ کی امارت پر قبضہ کرنا ہوتا تو سلطان مجھے دوستی کا پیغام دے کر نہ بھیجتے۔"

"میرے ابا دوستی نہیں کریں گے۔" سمن تاش نے کہا۔ "انہوں نے آپ کو دوستی کرنے کے لیے کہا ہے لیکن وہ ان سالاروں اور مشیروں کے قبضے میں ہیں، جو قادر خان کے ہی دلکش جال میں آئے ہوئے ہیں۔ وہ کانوں سے بہرے ہیں۔"

وہ وہی بات سن سکتے ہیں جو اُن کے کان میں کہی جائے۔"

سمن تاش چپ ہو گئی۔ اُس نے آنکھیں سکیڑ کر ایک طرف دیکھا جیسے کسی شکاری کو گھنی جھاڑیوں میں کسی شکار کی حرکت نظر آ رہی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے مسعود کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور درخت کے پیچھے کر دیا۔ وہاں بیلیں دیواروں کی طرح درختوں پر چڑھی ہوئی تھیں۔ سمن تاش نے مسعود سے کہا —— "یہاں سے ہلنا نہیں۔ ادھر اُدھر دیکھتے رہنا۔" اور وہ خود بیلوں میں غائب ہو گئی۔

مسعود حیران و پریشان وہاں کھڑا رہا۔ وہ کسی پھندے میں آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اپنے قریب ہی اُسے کمان میں سے تیر نکلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ چونکا۔ فوراً بعد اُسے کسی کی کربناک آہ سنائی دی۔ مسعود نے منہ سے سیٹی بجائی، اُس کے تین چار محافظ جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے تھے، ننگی تلواریں سونتے اُس کے پاس آ گئے۔ اُس نے سامنے والی سرسبز چٹان پر ایک آدمی کو کھڑے دیکھا جس کے کندھے میں تیر اُترا ہوا تھا۔ سمن تاش نے سامنے آ کر مسعود سے کہا —— "میرے ساتھ آؤ۔"

مسعود اپنے محافظوں کے ساتھ اُس چٹان پر گیا جہاں اُس نے وہ آدمی دیکھا تھا جس کے کندھے میں تیر اُترا ہوا تھا۔ وہ آدمی بیٹھ گیا تھا اور کراہ رہا تھا۔ سمن تاش نے خنجر نکال کر اس کی نوک اُس زخمی کی شہ رگ پر رکھ دی۔

"سچ بتا دو تو تمہیں گھوڑے پر اُٹھا لے جاؤں گی اور یہ تیر نکلوا کر زخم کا علاج کرا دوں گی" —— سمن تاش نے اُسے کہا —— "جھوٹ بولو گے تو درخت کے ساتھ باندھ جاؤں گی۔ سوچ لو کہ تم کیسی موت مرو گے۔"

زخمی نے رحم طلب نگاہوں سے پہلے سمن تاش کو پھر مسعود کو دیکھا اور بولا —— "سلطان محمود کے بیٹے کو قتل کرنے آیا تھا۔"

"تمہیں کس نے بتایا تھا کہ سلطان محمود کا بیٹا یہی ہے؟" —— سمن تاش نے پوچھا۔

"مجھے دکھایا گیا تھا" —— زخمی نے کہا —— "میرے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔ وہ بھاگ گیا ہے۔"

"یہ کس کا انتظام ہے؟"

"خانِ کاشغر قادر خان کا" —— زخمی نے کہا —— "اور اُس نے آپ کے والد امیر محترم ابو منصور ارسلان خان سے بات کر لی تھی۔"

"انہوں نے کیا کہا تھا؟" —— سمن تاش نے پوچھا۔

"آپ کے والد محترم نے کہا تھا کہ میں نے سلطان محمود کے بیٹے کو اپنے جواب کے انتظار کے لیے روک لیا ہے۔ تم لوگ اپنا کام کر سکتے ہو۔ وہ شکار کے لیے ضرور جائے گا۔ اسے ایک دو ایسے ملازم دو جو تمہیں قبل از وقت بتا سکیں کہ وہ شکار پر جا رہا ہے۔"

"اسے گھوڑے پر ڈالو اور لے چلو" —— سمن تاش نے مسعود کے ایک محافظ سے کہا اور مسعود سے کہا —— "میں نے آپ کو یہی بات بتانے کے لیے یہاں بلایا تھا کہ آپ یہاں انتظار نہ کریں اور اپنی حفاظت کا انتظام بڑا سخت رکھیں۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ میں نے چٹان پر پودوں کی اوٹ میں اس آدمی کو ہلتا جلتا دیکھ لیا تھا۔ مجھے اس کی کمان بھی تھوڑی سی نظر آ گئی تھی۔ اس جگہ شاہی خاندان کے سوا کوئی بھی شکار کے لیے نہیں آ سکتا۔ میں نے بیلوں کے پیچھے چھپ کر اس پر تیر چلایا تھا۔"

"مجھے کیا کرنا چاہیے؟" —— مسعود نے پوچھا۔

"آپ واپس چلے جائیں" —— سمن تاش نے کہا —— "مجھے نظر آ رہا ہے کہ ہماری ملاقات میدانِ جنگ میں ہوگی۔"

"کیا تم مجھے میدانِ جنگ میں ملو گی؟"

"شاید" —— سمن تاش نے کہا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"آنسو کیوں؟"

"میں پاگل ہوں" —— سمن تاش نے جذباتی سے لہجے میں کہا۔ ذرا سی خاموشی کے بعد اُس نے مسعود کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اور جھنجھلا کر کہا —— "کیا میں پاگل نہیں ہوں مسعود؟ کیا میرا اتالیق پاگل ہے؟ فریب کاروں کی بستی میں حق کی بات کہنے والوں کو پاگل کہا کرتے ہیں۔ میری شادی ایک ایسے شہزادے کے

iqbalmt@oneurdu.com

ساتھ ہوگی جو تمہارا بیٹا ہے اور جسے احساس ہی نہیں کہ قوم اور مذہب کی کیسا ذمہ داریاں ہیں جو اُس پر عائد ہوتی ہیں۔" اُس کے ایک ہاتھ میں کمان تھی اور دوسرے ہاتھ میں خنجر۔ اُس نے دونوں ہتھیار آگے کر کے پُرجوش آواز میں کہا ۔۔۔
"میری شادی ان سے ہو چکی ہے۔ یہ میرے سہاگ کی دو نشانیاں ہیں۔ کمان اور خنجر۔ عورت مرد کی تفریح اور نمائش کی چیز نہیں۔ کمان اور خنجر عورت کا زیور ہے۔"
"تم ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو؟" مسعود نے کہا۔ "جس کے ہاتھ میں کمان اور کندھے کے ساتھ ترکش لٹک رہی ہو، اُس کی آنکھوں میں آنسو نہیں آیا کرتے ... سمن! کیا ہمیں یہیں کھڑے رہنا چاہیئے؟"
"نہیں۔" سمن تاش نے کہا۔ "آپ چلے جائیں .... آپ غزنی چلے جائیں۔ آپ کو اُس جاسوس نے جو یہاں نابینا موسیقار بن کے آیا تھا، بہت کچھ بتلایا ہوگا۔ اُس نے آپ کے والدِ محترم تک میرا پیغام پہنچا دیا ہوگا۔"
"ہم اُسی سے پوچھ لو۔" مسعود نے اپنے ایک محافظ سے کہا۔ "ابی ظفر کو بلاؤ۔"
ایک گھوڑ سوار گھوڑا دوڑاتا چٹان پر آ گیا۔ وہ بھرے بھرے چہرے والا تنومند جوان تھا۔ وہ گھوڑے سے اُتر کر مسعود تک گیا تو اُس کی چال سے جیسے چٹان ہل رہی تھی۔
"انہیں پہچانتے ہو ظفر؟" مسعود نے سمن تاش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔
ابی ظفر سمن تاش کو دیکھ کر مسکرایا۔ سمن تاش بھی مسکرا دی۔
"میں نے تمہیں مشکل سے پہچانا ہے۔" سمن تاش نے اُسے کہا۔ "اپنے سلطان تک میرا پیغام پہنچا دیا تھا؟"
"لفظ بہ لفظ" ۔۔۔ ابی ظفر نے جواب دیا۔
"یہ ہمارا بڑا ہی کامیاب جاسوس ہے" مسعود نے کہا۔ "یہ محافظ دستے کا آدمی نہیں۔ اسے میں اپنی راہنمائی کے لیے ساتھ لایا ہوں .... اور سمن! اُس زخمی کو کہاں لے گئے ہیں؟"
"میں فیصلہ نہیں کر سکی کہ اُسے اپنے باپ کے پاس لے جاؤں یا جراح کے

پاس" ۔۔۔ سمن تاش نے جواب دیا۔ "میں جا رہی ہوں۔ معلوم نہیں کہاں ملاقات ہوگی۔ ہوگی یا نہیں۔ آپ کو دوستی کے پیغام کا جواب مل گیا ہے۔ آپ آج ہی روانہ ہو جائیں۔"
سمن تاش ہرن کی طرح کودتی پھلانگتی چٹان سے اُتر گئی۔ مسعود اُسے دیکھتا رہا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئی اور شہسوار کی طرح ایڑ لگا کر جنگل میں غائب ہو گئی۔ جب تک اُس کے گھوڑے کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی رہی مسعود اُدھر ہی دیکھتا رہا۔
"آپ سمجھ نہیں سکتے کہ یہ لڑکی [illegible] اتحاد کے متعلق کس قدر جذباتی ہے" ۔۔۔ ابی ظفر نے کہا۔ "میں نے اس کے ساتھ بہت وقت گزارا ہے۔ اسے جتنا میں جانتا ہوں اتنا کوئی نہیں جانتا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ لڑکی غزنی کی سلطنت کے لیے بہت بڑی قربانی دے گی۔"
مسعود کی ذہنی کیفیت بدل گئی۔ اُس نے اپنے محافظوں سے کہا ۔۔۔
"میرے ساتھ چلو" ۔۔۔ اور وہ چٹان سے اُتر کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اُس کے تمام محافظ اُس کے پاس آ گئے تو اس نے شہر کا رُخ کر لیا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ تیر کے زخمی کو جس گھوڑے پہ لے جایا جا رہا تھا وہ ابھی شہر میں داخل ہی ہوا تھا۔ سمن تاش کا گھوڑا اس سے آگے نکل گیا تھا۔ زخمی کا خون بہہ رہا تھا۔ مسعود نے حکم دیا کہ اس زخمی کو محل میں لے چلو۔

ابو منصور ارسلان خان اپنے دربار میں بیٹھا تھا۔ مسعود بن محمود اطلاع دیئے بغیر اندر چلا گیا۔ اُس کے پیچھے پیچھے مسعود کا ایک محافظ اندر داخل ہوا۔ اُس نے کندھے پر ایک زخمی کو اٹھا رکھا تھا جس کے کندھے میں ایک تیر اُترا ہوا تھا۔ مسعود کے اشارے پر محافظ نے زخمی کو فرش پر لٹا دیا۔ زخمی کا خون بہہ رہا تھا۔
"یہ کیا ہے مسعود بن محمود؟" ۔۔۔ ابو منصور نے پوچھا۔
"یہ آپ کا وہ جواب ہے جو آپ نے میرے دوستی کے پیغام کا دیا ہے" ۔۔۔ مسعود نے کہا ۔۔۔ "میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں کہ آپ نے مجھے زیادہ ان

iqbalmt@oneurdu.com

انتظار نہیں کرایا۔"

ابومنصور اُٹھ کھڑا ہُوا اور غصے میں بولا۔"یہ سب کیا ماجرا ہے؟ کیا سلطان محمود نے اپنی اولاد کو دربار کے آداب نہیں سکھائے؟"

"نہیں"— مسعود نے ابومنصور کے قریب کھڑے ایک سالار سے کہا۔"اپنے آقا کے کان میں کہئے کہ کفار اور ایمان فروشوں نے ہمارے باپ کو اتنی فرصت نہیں دی کہ دربار میں بیٹھتا اور اپنی اولاد کو دربار کے آداب سکھاتا۔ ہم میدانِ جنگ میں تیروں کی بوچھاڑوں میں پل کر جوان ہوئے ہیں۔"

ابومنصور نے اپنے سالار کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ سالار نے اُس کے کان میں مسعود کے الفاظ دہرائے۔ ابومنصور نے مسعود کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔"ہندوستان کے ہیروں اور زروجواہرات نے اس لڑکے کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ یہ ہمیں اپنے باپ کے جنگی ہاتھیوں سے ڈرانے آیا ہے۔"

"اپنے آقا کے کان میں کہئے"— مسعود نے کہا۔"طاقت ہاتھیوں کی نہیں ایمان کی ہوتی ہے۔ ہم اپنے تمام ہاتھی آپ کو دے دیتے ہیں مگر آپ ہمیں شکست نہیں دے سکیں گے۔ اپنے مہمان کو چوری چھپے قتل کرانے والے میدان میں بڑی جلدی پیٹھ دکھا جاتے ہیں۔"

جب ابومنصور کے کان میں مسعود کے الفاظ پہنچے تو وہ بیٹھ گیا اور بڑبڑانے لگا۔ مسعود دربار سے نکل گیا۔

"حکومت کا نشہ ہی ایسا ہے کہ عقل پر سیاہ کالا پردہ پڑ جاتا ہے"— سلطان محمود نے اپنے بیٹے مسعود سے ابومنصور کی ملاقات اور قاتلانہ حملے کی کوشش کی تفصیلات سن کر کہا— "میں نے دوستی کا پیغام بھیج کر اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں ہوگا۔ البتہ میرے دل پر ایک بوجھ آ پڑا ہے۔ قنوج کا مہاراجہ راجیا پال بھاگ گیا تھا۔ اُس نے اپنا خزانہ پہلے ہی کہیں غائب کر دیا تھا۔ مجھے خزانے کی ضرورت نہیں۔ قنوج کی ضرورت تھی۔ وہ مجھے مل گیا تھا۔ اب ہندوستان

سے اطلاع آئی ہے کہ راجیا پال قنوج میں ہمارے حاکموں کو پیغام بھیج رہا ہے کہ اُس کی جاں بخشی کی جائے اور وہ غزنی کا باجگزار رہے گا مگر لاہور کا مہاراجہ بھیم پال نڈر دوسرے شکست خوردہ مہاراجوں کو ساتھ ملا کر راجیا پال کو خوفزدہ کر رہا ہے اور ہمارے خلاف فیصلہ کُن جنگ کے لیے فوجیں اکٹھی کر رہا ہے۔

"مجھے فوراً وہاں چلے جانا چاہئے مگر میں کاشغر اور بخارا کے مسلمانوں کا سر کچلنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ تم کہتے ہو کہ ابومنصور کی بیٹی نے تمہیں کہا ہے کہ ہم اُس کے باپ پر حملہ کریں۔ ہم قوم کی اس بیٹی کی خواہش پوری کر دیں گے اور ہمارے لیے یہ جنگی اقدام اس لیے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ یہ لوگ عیسائیوں کے زیرِ اثر ہیں۔ مجھے ان لوگوں سے کوئی خطرہ نہیں۔ اگر انہوں نے خراسان پر حملہ کیا تو منہ کی کھائیں گے، لیکن خطرہ یہ ہے کہ عیسائی ان لوگوں کے ہاں اپنے اڈے بنا لیں گے۔ ہماری جنگ اسلام کی مخالف قوتوں کے ساتھ ہے..... میرا خیال ہے کہ ابومنصور اور قادر خان خراسان پر حملے کا منصوبہ تو بنا سکتے ہیں، حملے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ تاہم ہمیں تیار رہنا چاہئے۔"

سلطان محمود کا یہ خیال غلط نکلا۔ کوئی دو ماہ بعد اُسے اطلاع ملی کہ کاشغر، بخارا اور بلاساغون کی فوجیں بلخ کی سمت بڑھی آ رہی ہیں۔ بلاساغون ابومنصور ارسلان کا دارالحکومت تھا۔ سلطان محمود نے پہلے ان تینوں کے اتحاد کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی لیکن اُسے جب ان کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو وہ پریشان سا ہو گیا۔ کاشغر، بخارا اور بلاساغون خراسان کی سرحد سے بہت دُور پہاڑی علاقے میں واقع تھے اور ایک دوسرے سے بھی دور تھے۔ خراسان تک کی مسافت خاصی دشوار تھی۔ راستے میں ایک بڑا دریا بھی تھا۔

"اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تینوں فوجیں بہت عرصے سے جنگ کی تیاریاں کر رہی ہیں"— سلطان محمود نے اپنے سالاروں اور مشیروں سے کہا— "اتنی دشوار پیش قدمی تیاری کے بغیر نہیں کی جا سکتی۔"

سلطان غزنی نے شاید اس پہلو پر توجہ نہیں دی کہ قادر خان راستے میں پہلی

iqbalmt@oneurdu.com

قبائل کو مالِ غنیمت کا لالچ دے کر اور اسلام کے خلاف نفرت پھیلا کر اپنے ساتھ ملاتا چلا آرہا ہے۔ یہ قبائل وحشی، خونخوار اور جنگجو ہیں۔ ان کا اپنا ہی بنایا ہوا کوئی مذہب ہے۔"

"مجھے معلوم ہے"۔ سلطان محمود نے کہا۔ "اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں انہیں بلخ سے کچھ دُور میدانی علاقے میں لا کر لڑاؤں گا۔ ان قبائل سے میں واقف ہوں۔ وہ جنگجو اس لیے ہیں کہ آپس میں لڑتے رہتے ہیں اور وہ صرف پہاڑیوں میں لڑ سکتے ہیں۔ اُن کے گھوڑے بھی سنگلاخ وادیوں میں بھاگنے دوڑنے کے عادی ہیں"۔

غزنی سے بلخ تک کا فاصلہ بھی خاصا زیادہ تھا۔ سلطان محمود نے ابی ظفر (نابینا موسیقار) کی اطلاع پر پہلے ہی خراسان کی فوج کو بلخ سے کچھ دُور جمع ہو کر تیاری کی حالت میں رہنے کا حکم بھیج دیا تھا۔ وہاں ہاتھیوں کی تعداد تھوڑی تھی۔ سلطان محمود نے غزنی سے تین سو ہاتھی اس حکم سے بلخ کو روانہ کر دیئے کہ بہت تیز رفتار سے جائیں۔

صرف دو مؤرخوں نے اس جنگ کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ایک عطبی ہے اور دوسرا ابن الاثیر۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس لڑائی میں سلطان محمود اپنی جنگی طاقت کی نمائش پر زیادہ توجہ دے رہا تھا تاکہ اس کے دشمن اور پہاڑی قبائل مرعوب ہو جائیں اور آئندہ سر اٹھانے کی جرأت نہ کریں۔

قادر خان، تو غان خان اور ابو منصور کی فوجیں ایک دوسری کے پیچھے تیزی سے چلی آرہی تھیں۔ ان کے لیے رسد کی کمی نہیں تھی۔ پہاڑی قبائل ان کی بہت مدد کر رہے تھے۔ دونوں مؤرخ لکھتے ہیں کہ یہ قبائل سرپٹ دوڑتے گھوڑوں سے تیر اندازی کے ماہر تھے اور لڑائی میں بھی بھاگتے دوڑتے لڑا کرتے تھے۔ سلطان محمود کے دشمنوں کو ان کی اسی مہارت اور لڑنے کے انداز پر ناز تھا۔ تینوں فوجوں کی اپنی نفری بھی بہت تھی۔ مؤرخوں کے اندازے کے مطابق سلطان محمود کی فوج بھی اتنی ہی

iqbalmt@oneurdu.com

تھی۔ اس کے پاس ہاتھی تھے جو اس کے دشمنوں کے پاس نہیں تھے۔ اس کے علاوہ سلطان کے پاس تقریباً چار سو رتھ تھے جو اس نے ہندوستان کی شکست خوردہ فوجوں سے حاصل کئے تھے۔ وہ ان کے استعمال کا قائل نہ تھا لیکن قبائلیوں سے لڑنے کے لیے اُس نے رتھوں کا استعمال ضروری سمجھا۔

یہ ہلکی قسم کے رتھ تھے۔ ہر رتھ کے آگے ایک گھوڑا جوتا جاتا اور اس میں دو آدمی ہوتے تھے۔ دونوں لڑاکے ہوتے تھے۔ ایک گھوڑے کو ہانکتا اور دوسرے کے پاس پھینکنے والی برچھیاں اور تیر و کمان ہوتے تھے۔ سلطان محمود نے رتھوں کے دو دستے تیار کر رکھے تھے اور اب اُس نے دونوں دستوں کو بلخ پہنچنے کا حکم دے دیا تھا۔

مؤرخوں اور اُس دَور کے جنگی مبصروں نے لکھا ہے کہ سلطان محمود کی فوج ٹریننگ اور میدانِ جنگ میں ڈسپلن اور دستوں کے باہمی ملاپ کے لحاظ سے ایک عمدہ فوج تھی۔ نہایت دشوار صورتِ حال میں بھی دستوں میں بھگدڑ اور انتشار پیدا نہیں ہوتا تھا۔ البتہ اس معرکے میں سلطان کو اپنی یہ کمزوری پریشان کر رہی تھی کہ اُس کی فوج کی تقریباً نصف نفری ہندوستان میں شہید ہو گئی تھی۔ اس کی کمی کسی حد تک اُس نے اُن ہندو دستوں سے پوری کر لی تھی جنہیں وہ جنگی قیدی بنا کر لاتا رہا تھا۔ ان ہندوؤں کو اُس نے اپنی فوج کی بجائے بہتر اور زیادہ مراعات دے رکھی تھیں۔ ان میں سے ہندو اکثر اسلام قبول کرتے رہتے تھے۔ ان دستوں کو وہ ہندوستان نہیں لے جاتا تھا۔

جب سلطان محمود بلخ پہنچا تو اُس نے آرام کئے بغیر دستوں کی تقسیم کا کام شروع کر دیا مگر اُس سے یہ ضروری کام دلجمعی سے نہ ہو سکا کیونکہ اُسے اطلاع ملی کہ دشمن ترمز کے مقام پر دریائے او کسس پار کر رہا ہے۔ یہ مقام بلخ سے تقریباً پچاس میل دُور تھا۔ سلطان محمود کو سالاروں نے مشورہ دیا کہ دریا پار کرنے کے دوران ہی حملہ کر دیا جائے لیکن سلطان نے کہا کہ انہیں اطمینان سے گذر

آنے دو۔ اس کے بعد دریا ہمارا دوست ہوگا۔ سلطان محمود کو اس اطلاع سے یہ اطمینان ہُوا کہ دشمن کا رخ بلخ کی طرف ہے۔

سلطان محمود نے ہاتھیوں کو دو حصوں میں تقسیم کرکے ایک حصّے کو بلخ سے پانچ چھ میل دُور دائیں اور دوسرے حصّے کو اتنی ہی دُور بائیں جاکر دریا کی طرف چلے جانے کو کہا۔ ان کے ساتھ اُس نے ایک ایک سو رتھ اور ایک ایک دستہ پیادوں کا بھیج دیا۔ انہیں سلطان کے حکم کا انتظار کرنا تھا اور ان کے لیے اہم حکم یہ تھا کہ وہ دشمن کو نظر نہ آئیں۔

چوتھے روز دشمن کا ہراول نظر آیا۔ سلطان محمود کو اطلاع ملی تو وہ اٹھا اور قبلہ رُو ہوگیا۔ اُس نے دو نفل ادا کیے اور دعا کے بعد پہلا حکم یہ دیا کہ دشمن کے ہراول پر ایک بھی تیر نہ چلے۔ وہ حکم دے ہی رہا تھا کہ اُسے اطلاع ملی کہ دشمن کا ایک جاسوس پکڑ لائے ہیں۔ اس کے حکم پر جاسوس کو اس کے سامنے لایا گیا۔

"ہاں سلطان!" — جاسوس نے کہا — "میں بلاساغون کا جاسوس ہوں لیکن میں ایک خبر دینے آیا ہوں، کچھ معلوم کرنے نہیں آیا"۔

"کیا خبر ہے؟" — سلطان محمود نے پوچھا۔

"جو کچھ بھی ہے وہ آپ کے فرزند مسعود کے لیے ہے" — جاسوس نے کہا — "آپ انہیں ذرا جلدی بلالیں"۔

مسعود کو بلایا گیا تو جاسوس نے سلطان محمود کی موجودگی میں بتایا کہ اُسے ابومنصور کی بیٹی سمن... نے اس زبانی پیغام کے ساتھ بھیجا ہے — "میں نے تمہیں کہا تھا کہ میدانِ جنگ میں ملاقات ہوگی۔ میں اُن مستورات کے ساتھ آگئی ہوں جو میرے ابا اور اس کے سالاروں وغیرہ کی بیویاں اور داشتائیں ہیں۔ ہماری فوجوں کی ترتیب یہ ہے کہ ہماری فوج دائیں پہلو پر ہے۔ بخارا کی فوج بائیں پہلو پر اور درمیان میں قادر خان کی فوج ہے۔ قبائلیوں کو تینوں فوجوں کے ساتھ تقسیم کردیا گیا ہے۔ میرے ابا اپنی فوج کی کمان خود کررہے ہیں۔ آپ کے والدِ محترم بہتر سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری ترتیب جان کر اپنی فوج کی تقسیم کس طرح کریں گے۔ میں تمہیں مشورہ دوں گی کہ ہماری طرف تم آنا۔ میں کوشش کروں گی کہ تم تک زندہ پہنچ سکوں۔ زندہ نہ رہی تو خدا حافظ!"

iqbalmt@oneurdu.com

جاسوس نے کہا — "آپ مجھے اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ شہزادی نے کہا تھا کہ واپس نہ آنا"۔

"سنو مسعود!" — سلطان محمود نے جاسوس کو باہر نکال کر مسعود سے پوچھا — "کیا یہ کوئی جذباتی معاملہ ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو میں تمہیں اس طرف نہیں جانے دوں گا"۔

"معاملہ جذباتی ہے لیکن ذاتی یا سفلی جذبات کا نہیں" — مسعود نے جواب دیا — "آپ مجھے اُسی طرف بھیجیں۔ میں اس لڑکی کی بجائے اس کے باپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اس پیغام کو دھوکہ نہ سمجھیں۔ آپ کو اس لڑکی کے متعلق ابی ظفر بھی بتا چکا ہے اور میں نے بھی آپ کو بہت کچھ بتایا ہے"۔

پانچویں صبح کا سورج سرخ رنگ کی گرد میں اس طرح چھپا ہُوا تھا کہ چمکتے ہوئے گولے کی طرح نظر آتا تھا۔ الیاس بن اسمٰعیل کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں فوجیں اللہ اکبر کے نعرے لگا رہی تھیں اور ایک دوسرے کے خون کی پیاسی تھیں۔ دشمن اسی ترتیب میں آرہا تھا جو سمن تاش نے بتائی تھی۔ گھوڑ سوار قاصدوں کی سرپٹ بھاگ دوڑ شروع ہوچکی تھی۔ اُن کی اطلاعوں سے دشمن کی ترتیب کا پتہ چل رہا تھا۔ سلطان محمود اس کے مطابق قاصدوں کو پیغام دے رہا تھا۔ قادر خان کی فوج درمیان میں اور خاصی پیچھے تھی۔ توغان خان اور ابومنصور دائیں اور بائیں بلخ سے چند میل دُور چلے آرہے تھے۔ یہ گھیرے کی ترتیب تھی۔ وہ بلخ کو اور سلطان محمود کی فوج کو گھیرے میں لینا چاہتے تھے۔

سلطان محمود نے مسعود کو اُس طرف بھیج دیا تھا جدھر ابومنصور کی فوج تھی۔ جدھر سے توغان کی فوج آرہی تھی اُدھر سلطان نے ایک اور تجربہ کار سالار بھیج دیا تھا۔ دشمن کی تینوں فوجوں کے درمیان ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو میل کا فاصلہ

تھا۔ ان خالی جگہوں میں سلطان محمود کے دستے جا رہے تھے۔ ہاتھی، رتھ اور پیادہ دستے پہلے ہی اُس طرف نکل گئے تھے۔ اس سے سلطان نے دشمن کے لیے یہ صورت پیدا کر دی کہ تو غان خان اور ابو منصور کی فوجیں دائیں بائیں سے سلطان کے گھیرے میں آگئیں۔

سلطان محمود نے اپنے پیغاموں کے ساتھ قاصد دوڑا دیئے۔ سورج اوپر اُٹھ آیا تھا مگر گرد نے اس کی روشنی مدھم کر رکھی تھی۔ اچانک زمین و آسمان کانپنے لگے۔ سلطان محمود نے دشمن کے دائیں اور بائیں پہلوؤں پر حملے کا حکم دے دیا تھا۔ دونوں پہلوؤں پر دونوں اطراف سے حملہ ہُوا۔ ایک طرف ہاتھی اور رتھ تھے۔ قبائلیوں نے اپنے مخصوص انداز سے گھوڑے دوڑانے اور تیر اندازی کی کوشش کی لیکن اتنے گھمسان کی جنگ میں انہیں اپنے پرائے کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔

قادر خان کو بھی پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اس کے دائیں بائیں کیا ہو رہا ہے۔ اُسے پہلوؤں سے کوئی پیغام نہیں مل رہا تھا۔ اُسے بتانے والا کوئی نہ تھا کہ اُس کے پہلو کچلے اور ہاتھیوں تلے مسلے جا رہے ہیں۔

دائیں طرف ابو منصور کی حالت اچھی نہیں تھی۔ اُس کی فوج پر ایک طرف سے مسعود نے حملہ کیا اور جب اس کی فوج اس طرف متوجہ ہوئی تو پیچھے سے چنگھاڑتے ہاتھیوں، رتھ سواروں اور پیادہ دستوں نے حملہ کر دیا۔ رتھ سواروں کی توجہ قبائلیوں پر تھی۔ جونہی کوئی قبائلی اپنے گھوڑے کو باہر نکالتا اور اپنے انداز سے لڑنے کی کوشش کرتا، دو رتھ سوار اس کے دائیں بائیں دوڑ پڑتے اور اُسے برچھی یا تیر سے گرا لیتے۔

شام سے کچھ پہلے مسعود ایک بلند جگہ کھڑا لڑائی کا منظر دیکھ رہا تھا عقب سے تین گھوڑے سرپٹ دوڑتے آ رہے تھے۔ ایک سوار کے ہاتھ میں سفید جھنڈا تھا۔ مسعود کے محافظوں نے گھوڑے اُن کی طرف دوڑا دیئے کیونکہ یہ دھوکہ بھی ہو سکتا

iqbalmt@oneurdu.com

تھا۔ وہ تینوں سواروں کو اپنے ساتھ مسعود کے سامنے لے آئے۔ ان میں ایک سوار سمن تاش تھی جس کے سر اور چہرے پر موٹا پڑا ہُوا تھا۔ اس کے ساتھ دو مرد گھوڑ سوار تھے۔ سمن تاش کود کر گھوڑے سے اُتری اور دوڑتی مسعود کے پاس آئی۔

"بڑی مشکل سے تمہارا پتہ چلا ہے"—وہ ہانپتی ہوئی سانسوں سے بول رہی تھی "میرے ابا بھاگنے کی فکر میں ہیں لیکن ان کا ایک سالار انہیں جھوٹی تسلیاں دے رہا ہے۔ وہ فوج کا قلب پیچھے لے گئے ہیں۔ انہیں یقین ہو گیا ہے کہ انہیں شکست ہو چکی ہے۔ اُن کے پاس قادر خان کا قاصد یہ پیغام لے کر آیا ہے کہ اُس نے رُخ کی طرف پیشقدمی روک دی ہے اور وہ اپنی فوج کو دائیں اور بائیں کمک کے طور پر تقسیم کر رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ حوصلہ نہ ہارنا، سلطانی فوج کو ہم گھیرے میں لے رہے ہیں.... میں نے تمہارا سراغ کس طرح لگایا اور یہاں تک کس طرح پہنچی، یہ پھر کبھی بتاؤں گی۔ میں اس لیے آئی ہوں کہ ہمارے قلب کو تم ذرا سی ہمت سے پکڑ سکتے ہو۔ مجھے معلوم نہیں کہ دوسری طرف لڑائی کی صورتِ حال کیا ہے میں اپنی فوج کی بات کر رہی ہوں۔"

مسعود سوچ میں پڑ گیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"—سمن تاش نے کہا—"میرا گھوڑا لاشوں کو روندتا آیا ہے۔ مرنے والوں میں غزنوی بھی ہیں، ترکستانی اور بخاری بھی مگر مر کر سب ایک جیسے لگتے ہیں۔ وہ مسلمان تھے لہٰ۔ اُس نے چلّا کر کہا—"اپنی قوم کا خون روک مسعود! میں جو کہتی ہوں وہ کرو۔ قادر خان کی کمک آگئی تو یہ قتل و غارت نہیں رُکے گی۔ اس سے پہلے ہمارے قلب کو مٹھی میں لے لو۔"

"تم ساتھ چلو گی؟"

"نہیں!"—سمن تاش نے کہا—"میں جا رہی ہوں۔ تم آؤ۔"

وہ گھوڑے پر سوار ہوئی اور دو محافظوں کے ساتھ جو اس کے زرخرید بنے ہوئے تھے، میدانِ جنگ کے گرد و غبار میں غائب ہو گئی۔ وہ مسعود کو بتا گئی کہ تم کہاں

کا باپ کہاں ہے۔

قادر خان کی پیش قدمی رُک گئی تھی۔ وہ اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے تو غان خان اور ابو منصور کو کمک بھیج رہا تھا۔ سلطان محمود کو اُس کے اس اقدام کا پتہ اُس وقت چلا جب رات گہری ہو رہی تھی۔ اس وقت حملہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سلطان نے اپنے پلان میں ردو بدل کر لیا اور اُسی وقت مسعود اور دوسرے سالار کی طرف پیغام بھیج دیا کہ تازہ صورتِ حال کیا ہے۔

مسعود اپنی جگہ نہیں تھا۔ وہاں ایک نائب سالار نے پیغام وصول کیا۔ مسعود کم و بیش ایک سو منتخب سپاہیوں اور چھاپہ مار کمانداروں کو ساتھ لے کر ابو منصور کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کرنے چلا گیا تھا۔ یہ ایک شب خون تھا۔ ابو منصور حوصلہ ہار بیٹھا تھا۔ اس کی فوج بُری طرح کچلی گئی تھی۔ سلطان محمود نے اُس پر حملہ ہی ایسے انداز سے کرایا تھا کہ وہ بچ نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کی نشاندہی کے مطابق دریا کے کنارے چلا گیا تھا۔ اُس کے ساتھ اس کا ایک سالار اشیر، تین بیویاں، چند ایک محافظ اور چند قاصد تھے۔ وہاں اس پر حملہ نہیں ہو سکتا تھا۔

مسعود دور کا چکر کاٹ کر وہاں تک پہنچا۔ اُسے دو تین مشعلیں جلتی نظر آئیں۔ اُس نے اپنے آدمیوں کو ہدایات دیں اور انہیں پھیلا کر آگے بڑھا۔ ابو منصور کے صرف دو محافظ جاگ رہے تھے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ وہ گھوڑوں کی آوازیں سُن رہا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ وہی ہوں گے۔ اُس نے ایک مشعل اٹھائی اور اوپر کر کے دو مرتبہ دائیں بائیں ہلائی اور دو مرتبہ اوپر نیچے کی۔ مشعل رکھ کر وہ ایک خیمے کے قریب جا کھڑا ہوا اور منہ سے دھیمی سی آواز نکالی۔ خیمے میں سمن تاش سوئی ہوئی تھی۔ وہ فوراً اُٹھ کر باہر آ گئی اور محافظ سے کہا کہ تم آگے چلے جاؤ۔

چونکہ راہنمائی موجود تھی اس لیے شب خون میں کوئی دشواری اور کوئی خطرہ نہ تھا۔ ابو منصور اور سالار اپنے اپنے خیموں میں سوئے ہوئے تھے۔ ان تک زخمیوں کی

iqbalmt@oneurdu.com

کربناک آوازیں نہیں پہنچ رہی تھیں، نہ وہاں تک خون اور لاشوں کی بو پہنچتی تھی۔ وہ اس خوش فہمی میں بھی مبتلا تھے کہ وہاں تک کوئی خطرہ نہیں پہنچ سکتا مگر ایمان فروش باپ کی دین وار بیٹی ایک بہت بڑا خطرہ بن کر اُس کے ساتھ موجود تھی۔

مسعود نے خیمہ گاہ میں داخل ہو کر ایک مشعل اٹھائی اور ابو منصور کے خیمے میں جا کر اُسے جگایا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا تو مسعود کو دیکھ کر پوری طرح ہوش میں آ گیا۔ باہر مسعود کے آدمیوں نے محافظوں کو جگا کر الگ کھڑا کر لیا اور سالار کو بھی پکڑ لیا تھا۔ ابو منصور نے مسعود سے کہا کہ وہ شکست تسلیم کرتا ہے لیکن اُس کی بیٹی کو گرفتار نہ کیا جائے۔ مسعود نے اس کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔

نصف شب کا عمل ہو گا۔ سلطان محمود ابھی ابھی میدانِ جنگ کا چکر لگا کر آیا تھا۔ اُسے اطلاع دی گئی کہ مسعود ابو منصور کو پکڑ لایا ہے۔ سلطان دوڑتا باہر آیا۔ اُس کے لیے یہ خبر معمولی نہیں تھی۔ ابو منصور کے ساتھ سمن تاش بھی تھی۔ انہیں سلطان اپنے خیمے میں لے گیا۔

"کیا سلطان میری دوستی قبول کر لیں گے؟" — ابو منصور نے پوچھا۔

"میں نے دوستی کا ہی پیغام بھیجا تھا" — سلطان محمود نے کہا — "مگر تم نے میرے بیٹے کو قتل کرانے کی کوشش کی ..... کیا میں تم پر بھروسہ کر سکتا ہوں؟ تم مجھے کس طرح یقین دلا سکتے ہو کہ تمہاری دوستی میں خلوص ہے؟ تمہارے پاس ہے کیا؟ تمہاری حیثیت کیا رہ گئی ہے؟ تم میرے قیدی ہو۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں" — ابو منصور نے کہا — "میرے پاس کچھ نہیں رہا پھر بھی آپ کی دوستی چاہتا ہوں۔ میں آپ کے خلاف لڑنا نہیں چاہتا تھا مگر ....." اور اُس نے اقبالِ جرم کے انداز سے بتا دیا کہ وہ مجبور ہو کر اپنی فوج لے آیا ہے۔

سمن تاش کھڑی سن رہی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر سلطان کے سامنے دوزانو ہو گئی اور سلطان کا ہاتھ چوم کر کہا — "کیا آپ کے دل میں میرے لیے کچھ جگہ ہے؟" — اُس نے مسعود کی طرف دیکھا اور سلطان محمود سے کہا — "میں یہ دوستی پکی کر سکتی ہوں۔"

سلطان محمود اشارہ سمجھ گیا۔ ابو منصور نے کہا۔ "ہاں سلطان! میرے پاس یہی کچھ رہ گیا ہے... ایک بیٹی.... اس نے مجھے آپ کے خلاف لڑنے سے روکا تھا۔ اسے اپنی بیٹی بنالیں۔"

سلطان محمود نے اُسی وقت یہ پیشکش قبول کرلی اور مسعود کی رضامندی سے سمن تاش کو اُس کی بیوی بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ لڑائی اور شادی ۱۰۲۰ء میں ہوئی تھی۔

دوسرے دن کی لڑائی فیصلہ کن تھی۔ ابو منصور نے اپنی فوج کو لڑائی سے الگ ہوجانے کا حکم بھیج دیا۔ سلطان محمود نے اُسے قیدی سے مہمان بنالیا تھا۔ قادر خان اور تو غان خان میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ڈیڑھ دو سال بعد ان دونوں نے بھی سلطان محمود کی اطاعت قبول کرلی تھی۔

دیوتا نے پنڈت کو نگل لیا

بھارت میں کالنجر، قنوج اور گوالیار ایک مثلث کی صورت میں واقع ہیں۔ اس مثلث میں سے ہندوؤں کے دو مقدس دریا، جمنا اور گنگا گذرتے ہیں۔ کئی اور ندی نالے بھی جسم کی رگوں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی کے دور میں اس علاقے میں گھنے جنگلات تھے۔ ٹیلے، ٹیکریاں اور پہاڑیاں بھی تھیں۔ یہ تینوں مقامات ایک دوسرے سے ڈیڑھ ڈیڑھ سو میل دور ہیں۔ اُس دور میں جب غزنی کا بت شکن ہندوستان پر دہشت بن کے چھا گیا تھا، یہ بڑی مشہور راجدھانیاں تھیں۔ قنوج کے متعلق سنایا جاچکا ہے کہ بلند شہر، متھرا، منج اور چھوٹے بڑے کئی ایک قلعوں کی فتح کے بعد محمود غزنوی نے قنوج کو تہ تیغ کرلیا تھا اور قنوج کا مہاراجہ راجیا پال جس کا بڑا شہرہ تھا، محاصرے سے پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔

کالنجر کے متعلق یہ وضاحت ضروری ہے کہ آپ پہلے بھی کشمیر کے حملے کی کہانی میں یہ نام پڑھ چکے ہیں۔ وہ دراصل کالانجر ہے جو آج کوٹلی کہلاتا ہے۔ اب جس جگہ کا ذکر ہو رہا ہے یہ کالنجر ہے۔

۱۰۱۸ء کے آخری دنوں میں قنوج کا مہاراجہ راجیا پال سلطان محمود غزنوی کے مقابلے سے پہلے ہی منہ موڑ گیا تھا تو وہ کالنجر، قنوج اور گوالیار کی مثلث سے نکل گیا تھا۔ راجیا پال نے اپنا تمام تر خزانہ شہر سے دور ایک ایسی پہاڑی اور جنگلاتی جگہ چھپایا تھا جہاں انسانوں کا گذر کم ہی ہوتا تھا۔ اس کا رازدان صرف ایک

iqbalmt@oneurdu.com

پنڈت تھا اور بعد میں محمود غزنوی کا ایک جاسوس اس خزانے کے راز سے واقف ہُوا تھا۔ اُس نے قنوج کی فتح کے وقت اس پنڈت کو پکڑوا دیا تھا مگر پنڈت نے سُلطان کو بتایا تھا کہ وہ اُسے خزانے کی جگہ لے جاسکتا ہے لیکن وہاں خزانہ نہیں ہوگا۔ وہ راجیا پال اپنے ساتھ لے گیا ہے۔

"وہ گیا کہاں ہے؟" سُلطان محمود نے اُس سے پوچھا۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں بھی اُس کے ساتھ چلا جاتا"۔۔۔ پنڈت نے جواب دیا تھا۔۔۔ "آپ کا قیدی نہ ہوتا"۔

"ہمیں بتایا گیا ہے کہ تم واحد آدمی تھے جو مہاراجہ کے خزانے کے راز سے واقف تھے"۔۔۔ سلطان کے ایک سالار نے اُس سے پوچھا۔۔۔ "یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ مہاراجہ تمہیں بتائے بغیر چلا گیا ہو"۔

"خزانے سے جسے پیار ہو وہ انسانوں کے پیار سے محروم ہو جاتا ہے"۔۔۔ پنڈت نے کہا۔۔۔ "جو مہاراجہ اپنے دیوتاؤں اور دیویوں کو اور اپنے مندروں کو توہین اتباہی و بربادی کے لیے چھوڑ گیا ہے، اُس کے لیے مندروں کا ایک پجاری کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ مجھے اُس کے خزانوں کے ساتھ دلچسپی ہوتی تو تمام تر خزانہ میری تحویل میں رہا ہے۔ میں اسے غائب کر سکتا تھا مگر میں نے اس کی خاطر آپ کا ایک آدمی سانپوں سے مروایا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ آپ کو وہ جگہ دکھا دوں گا۔ مندروں میں جو کچھ ہے وہ آپ کے حوالے کیا جا چکا ہے"۔

"کیا آپ اسلام قبول کریں گے؟"

"نہیں"۔۔۔ پنڈت نے کہا تھا۔۔۔ "جس طرح آپ کے آدمی میرے دیوتاؤں کو مٹی اور پتھر کے بُت سمجھ کر توڑ رہے ہیں اسی طرح میرے جسم کے بھی ٹکڑے کر دیں۔ اپنا مذہب نہیں چھوڑوں گا۔ اگر آپ اپنے مذہب کو سچا سمجھتے ہیں تو دوسرے مذہب کے پیشواؤں کا احترام کریں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا مذہب بھی یہی کہتا ہے"۔

"میں نے تمہارے مذہب کے پیشواؤں کو اپنے قدموں میں سر گرتے دیکھا ہے"

۔۔۔ سُلطان محمود نے پُرجوش آواز اور داد و تحسین کے لہجے میں کہا۔۔۔ "مگر تم میں جو جرأت ہے میں اس کی تعریف کرتا ہوں۔ غدار کسی بھی قوم کا اور کسی بھی مذہب کا ہو وہ قابلِ نفرت ہے۔۔۔ کہو پنڈت! کیا چاہتے ہو؟"

"اگر مجھ پر کرم کرنا چاہتے ہیں تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں"۔۔۔ پنڈت نے کہا۔۔۔ "میں اپنی آنکھوں اپنے مذہب کی توہین نہیں دیکھ سکتا۔ میں اپنے آپ کو گنگا ماتا کے حوالے کر دوں گا یا جنگل میں نکل جاؤں گا اور باقی عمر وہیں گزار دوں گا"۔

"جاؤ پنڈت!"۔۔۔ سلطان محمود نے کہا۔۔۔ "چلتے ہوئے قنوج کے دروازے کھلے ہیں چلے جاؤ۔ اگر اپنے مہاراجہ سے کہیں ملاقات ہو جائے تو اُسے کہنا کہ جنگجو بادشاہ اپنی قوم اور اپنے ملک کے ساتھ دھوکہ نہیں کیا کرتے"۔

پنڈت سر جھکائے ہوئے چلا گیا۔

وہ ۲۰ دسمبر ۱۰۱۸ء کا دن تھا جب سلطان محمود غزنوی نے قنوج کا محاصرہ کیا تھا۔ کوئی بھی نہ بتا سکا کہ مہاراجہ کب قنوج سے نکل گیا تھا۔ اُس کے تعاقب کی ضرورت بھی محسوس نہ کی گئی۔ تھوڑا ہی عرصہ بعد سلطان محمود غزنی چلا گیا اور قنوج میں اپنے ایک سالار ابوالقدر سلجوقی کو چھوڑ گیا۔

پنڈت جو سلطان محمود کو یہ کہہ کر وہ گنگا میں ڈوب مرے گا یا باقی عمر جنگل میں گزار دے گا، گھوڑے پر سوار قنوج سے دُور نکل گیا تھا۔ اُس نے اور دور جا کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ دریا گہرا تو تھا مگر خاموش تھا۔ وہ موسم سیلاب اور طغیانی کا نہیں تھا۔ گھوڑا اُسے آگے ہی آگے لے جاتا رہا لیکن پنڈت نے اپنے آپ کو گنگا ماتا کے حوالے نہ کیا اور گھوڑا اُسے پار لے گیا۔ آگے گھنا جنگل تھا۔ پنڈت نے گھوڑے کو آرام دیا اور اُسے چرنے چگنے کے لیے چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گھوڑے پر سوار ہُوا اور جنگل میں داخل ہو گیا۔ جنگل گھنا بھی تھا، کم گھنا بھی اور کہیں کہیں درخت تھے ہی نہیں۔ راستے میں دو تین ندیاں بھی آئیں۔ چٹانوں کی بھول بھلیاں بھی آئیں۔ سورج غروب ہُوا۔ رات اندھیری ہوتی چلی گئی۔ اُس کا گھوڑا چلتا گیا۔ آخر وہ

iqbalmt@oneurdu.com

رک گیا۔ علاقہ زیادہ دشوار گزار ہو گیا تھا۔ اُس نے گھوڑے سے اُتر کر اندھیرے میں گھاس پھونس اور خشک ٹہنیاں اکٹھی کر کے انہیں آگ لگا دی۔ سردی تھی اور درندوں کا خطرہ بھی تھا۔ اُس نے اپنے ارد گرد خشک جھاڑیاں اور ٹہنیاں اور گھاس پھونس جلاتے رات گزاری۔ صبح وہ پھر گھوڑے پر سوار ہُوا اور روانہ ہو گیا۔

اب وہاں کوئی راستہ نہیں تھا۔ بیلیں زمین پر پھیل کر درختوں پر چڑھی ہُوئی تھیں۔ کھڈ بھی تھے اور درخت اتنے زیادہ کہ ان کے جھکے ہوئے ٹہنوں کے نیچے سے گزرنا محال تھا۔

اُس کا گھوڑا چلتا گیا۔ کچھ دور گیا تو جنگل کم گھنا ہو گیا۔ آگے دو پہاڑیوں کے درمیان کھلی جگہ تھی۔ بکھرے بکھرے درخت اور اونچی گھاس تھی۔ وہ چلتا گیا اور دونوں پہاڑیوں کے درمیان گیا تو اُسے ایک پہاڑی میں سے راستہ نظر آ گیا۔ یہاں سے پہاڑی دو حصّوں میں کٹی ہُوئی تھی۔ وہ اس تنگ راستے میں سے گزر گیا۔ آگے ایک اور پہاڑی آ گئی جو کہیں سے دیوار کی طرح عمودی تھی اور کہیں سے اوپر جا کر آگے کو جھکی ہُوئی تھی۔

اس وادی میں کچھ دُور اُسے خیمے دکھائی دیئے۔ ان سے ہٹ کر دو خیمے خوشنما کپڑے کے تھے۔ ان سے ذرا پرے گھوڑے اور خچر بندھے ہُوئے تھے۔ پنڈت نے گھوڑے کی لگام کو جھٹکا دیا اور ایڑ لگائی۔ گھوڑا دوڑ پڑا۔ چند ایک آدمی ہاتھوں میں تیر و کمان اور برچھیاں اٹھائے سامنے آ گئے۔

"پنڈت جی مہاراج ہیں" — کسی نے بلند آواز سے کہا۔

قنوج کا مہاراجہ راجیا پال خیمے سے باہر آیا۔ اُس کے ساتھ اُس کی رانی اور اُس کا بیٹا لچھمن پال بھی آن کھڑا ہُوا۔ یہ تھی وہ جگہ جہاں مہاراجہ راجیا پال نے قنوج سے بھاگ کر پناہ لے رکھی تھی۔ اس کی رانی اور بیٹے لچھمن پال کے علاوہ تین ناچنے اور گانے والیاں بھی تھیں۔ کم و بیش پچاس وفادار سپاہی تھے جو مہاراجہ کے محافظ تھے۔ چند ایک ملازم بھی تھے۔ پنڈت کو یہ جگہ معلوم تھی، ورنہ وہ اس جگہ تک کبھی نہ پہنچ سکتا۔

iqbalmt@oneurdu.com

پنڈت گھوڑے سے اُترا تو راجیا پال نے آگے بڑھ کر اُسے بازو سے پکڑا اور اپنے خیمے میں لے گیا۔ رانی اور اُس کے بیٹے لچھمن پال نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اُن کے چہروں پر اُداسی اور پریشانی تھی۔ وہ اپنے خیمے میں چلے گئے۔

"کیا آپ مجھ سے یہ پوچھنے کی جرأت کریں گے کہ آپ کی راجدھانی کس حال میں ہے؟" — پنڈت نے مہاراجہ قنوج سے پوچھا — "کیا آپ میں سننے کی ہمت ہے کہ مسلمانوں نے قنوج میں مندروں کو کس طرح اجاڑا ہے؟"

مہاراجہ راجیا پال نے اُسے ایسی نگاہوں سے دیکھا جو خشمگیں تھیں۔ ان میں شکست اور بے بسی کا تاثر نہیں تھا۔

"میں جب وہاں سے رخصت ہُوا اُس وقت قنوج جل رہا تھا" —

پنڈت نے کہا — "مندروں میں مسلمان سپاہی ہری کرشن مہاراج کے بُت گھسیٹ کر باہر لا رہے تھے اور انہیں توڑا جا رہا تھا۔ آپ کے محل میں ...."

"آپ میرے لیے کوئی نئی خبر نہیں لائے" — مہاراجہ راجیا پال نے اُس کی بات کاٹ کر کہا — "اس سلسلے میں آپ کے ساتھ بہت باتیں ہو چکی ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ غزنی کا سلطان محمود لڑنے میں بہت ماہر ہے۔ میں جانتا تھا کہ قنوج میں جب اُس کے مقابلے میں لڑنے والا کوئی نہیں ہو گا اور میں بھی اُسے نہیں ملوں گا تو وہ بھڑک اُٹھے گا اور وہ اپنا غصہ قنوج کے در و دیوار پر ٹھنڈا کرے گا۔ وہ آسان فتح سے خوش ہونے والا نہیں۔ میں نے قنوج کو، اپنے محل کو اور مندروں کو کسی خاص مقصد کے لیے قربان کیا ہے۔"

"مگر آپ نے اپنا خزانہ قربان نہیں کیا" — پنڈت نے کہا۔

"پنڈت جی مہاراج!" — راجیا پال نے کہا — "آپ کے دماغ کی خرابی کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔ آپ ہر بات میں مذہب کو سامنے لے آتے ہیں۔ میں جانتا ہُوں آپ کہیں گے کہ مجھے خزانے کے ساتھ پیار ہے .... ان باتوں

کو ذرا ذہن سے اتارو مہاراج! مجھے یہ بتاؤ کہ میں جس مقصد کے لیے آپ کو وہاں چھوڑ آیا تھا وہ پورا ہوا یا نہیں؟

"نہیں" — پنڈت نے جواب دیا۔ "آپ میرے ساتھ بارہ آدمی چھوڑ آئے تھے۔ آپ نے مجھے بتایا تھا کہ یہ درندے ہیں کسی سے نہیں ڈرتے اور انہیں بھگوان نے انسانوں کو قتل کرنے کے لیے دنیا میں بھیجا ہے۔ آپ نے بتایا تھا کہ ان میں عقل اتنی زیادہ ہے کہ بڑا کامیاب فریب دیتے ہیں اور قتل کر کے غائب ہو جاتے ہیں۔ آپ نے کہا تھا کہ ان سے سلطان محمود کو قتل کرانا ہے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو سکے تو اُس کے بڑے بڑے سالاروں کو قتل کر دیں۔ آپ نے مجھ پر چھوڑا تھا کہ ان کے ہاتھوں اور کس کس کو قتل کرانا ہے"۔

"میں یہ سننے کے لیے بیتاب ہوں کہ آپ نے کس کس کو قتل کرایا ہے" — مہاراجہ راجیاپال نے پوچھا۔

"کسی ایک کو بھی نہیں" — پنڈت نے کہا۔ "میں نے آپ کے ان بارہ شیر درندوں کو جو آپ کہتے تھے کہ موت سے نہیں ڈرتے، غریب مزدوروں کے لباس میں اپنے ساتھ رکھا مگر مسلمان فوج شہر میں داخل ہوئی تو لوٹ مار شروع ہو گئی اور مکان جلنے لگے۔ میں نے دیکھا کہ بارہ میں سے دس غائب ہو گئے۔ مجھے اُمید تھی کہ وہ اپنا کام کرنے گئے ہیں مگر تھوڑی دیر بعد میں نے باقی دو کو ان کی تلاش کے لیے بھیجا تو پتہ چلا کہ وہ بھی لوٹ مار میں شامل ہو گئے ہیں اور ان میں سے بعض شہر سے چلے گئے ہیں۔ میں نے باقی دو سے پوچھا کہ وہ کسی کو قتل کر سکیں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مہاراجہ خود تو خزانہ لے کر بھاگ گیا ہے، ہم کس کے لیے کسی کی جان لیں اور اپنی جان کو خطرے میں ڈالیں؟ .... اور وہ بھی میرا ساتھ چھوڑ گئے"۔

مہاراجہ قنوج نے سر جھکا لیا۔

"مہاراج!" — پنڈت نے کہا۔ "وہ نمک حرام نہیں تھے لیکن وہی وہاں نہ تھا جس کا انہوں نے نمک کھایا تھا تو انہوں نے اتنا بڑا خطرہ مول لینا بیکار سمجھا .... اور مہاراج! کسی بادشاہ کو قتل کر کے آپ اُس کی فوج کو شکست نہیں دے

سکتے، اور یہ غیرت مند جنگجوؤں کا شیوہ بھی نہیں۔ میں اب بھی آپ سے کہتا ہوں کہ اپنی جس فوج کو آپ نے قنوج سے باری چلے جانے کا حکم دیا تھا، اُسے تیار کریں۔ باری کو اپنی راجدھانی بنا لیں اور سلطان محمود کو یہاں سے نکالیں۔ اُس کی فوج تھوڑی رہ گئی ہے۔ لاہور کا مہاراجہ بھیم پال نڈر، گوالیار کا راجہ ارجن اور کالنجر کا راجہ گنڈا آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہیں۔ مسلمانوں کو آپ کچل سکتے ہیں۔ آپ کی گدی کو لوگ مقدس سمجھتے ہیں"۔

"سب سے پہلے خزانہ وہاں سے نکالنا ہے" — مہاراجہ راجیاپال نے کہا۔ "پھر سوچیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ میں ساری عمر یہاں چھپ کر تو نہیں گزار سکتا"۔

ایک دن اور ایک رات کی مسافت کے بعد قافلہ اُس جگہ پہنچا جہاں پنڈت نے مہاراجہ قنوج کا خزانہ چھپایا تھا۔ یہ ایک پہاڑی تھی جس میں اوپر سے نیچے تک شگاف تھا جو اندر کو چلا گیا تھا۔ اس کی شکل کنوئیں جیسی تھی جس کی دیوار ایک طرف سے گرا دی گئی ہو۔ اوپر کے درختوں نے جھک کر اس پر سایہ کر رکھا تھا۔ دیواروں کے ساتھ بھی درخت تھے اور دیوار میں بھی تھے جو جھک کر زمین کے ساتھ متوازی ہو گئے تھے۔ اس کنوئیں نما میں پانی کھڑا رہتا تھا جو دراصل دلدل تھی۔ اس کے کناروں اور عمودی چٹان کے درمیان تنگ سا راستہ تھا۔ سامنے والی دیوار جیسی چٹان کے دامن کے ساتھ مٹی اور پتھروں کی ٹیکری تھی۔ ٹیکری اور چٹان کے دامن کے درمیان ایک دہانہ تھا جو جھاڑیوں نما درختوں میں چھپا ہوا تھا۔ یہ ایک غار کا دہانہ تھا۔ غار وسیع تھا۔ اس کے ایک طرف ایک سرنگ کا منہ کھلا ہوا تھا۔ یہ سرنگ ایک اور غار میں چلی جاتی تھی۔ وہاں قنوج کا خزانہ پڑا تھا مگر جہاں سرنگ ختم ہوتی تھی وہاں ایک گہرا گڑھا کھود دیا گیا تھا۔ اس میں سانپ پھینک دیئے گئے تھے۔ گڑھے کے اوپر سرکنڈے ڈال کر ان پر مٹی ڈال دی گئی تھی تاکہ کوئی آدمی خزانے کا سراغ پا لے اور وہ اندر جائے تو سرکنڈوں پر پاؤں رکھتے

iqbalmt@oneurdu.com

ہی گڑھے میں جا پڑے جہاں زہریلے سانپ چھوڑ دیئے گئے تھے۔

اب جو قافلہ اس جگہ آیا، اس میں مہاراجہ قنوج تھا اور پنڈت بھی۔ بہت سے خچر اور گھوڑے تھے اور ان کے ساتھ دس بارہ ملازم تھے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں قنوج کے محاصرے سے پہلے پنڈت چند آدمیوں کو اس حالت میں یہاں لایا تھا کہ ان کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور وہ ایک رسی پکڑے ہوئے آئے تھے۔ رسی کا اگلا سرا پنڈت کے ہاتھ میں تھا۔ وہ خزانے کے کچھ بکس رکھنے آئے تھے۔ اس جگہ کو ملازموں سے بھی چھپا کر رکھا تھا۔

اب مہاراجہ اور پنڈت خزانہ نکالنے کے لیے آئے تو کسی بھی ملازم کی آنکھوں پر پٹی نہیں بندھی تھی۔ انہیں سرنگ میں داخل کرنے سے پہلے اس گہرے گڑھے پر جس میں زہریلے سانپ چھوڑے ہوئے تھے، تختے رکھ دیئے گئے۔ پنڈت ان سے گزر کر اندرونی غار میں چلا گیا اور ملازموں کو بھی اندر بلا لیا گیا۔ وہ بکس باہر لا کر خچروں اور گھوڑوں پر لادنے لگے۔ یہ ایک ریاست کا خزانہ تھا جو مہاراجہ راجیا پال کے آباؤ اجداد سے جمع تھا اور بڑھتا ہی رہا تھا۔ منوں کے حساب سے سونا تھا، چاندی تھی، ہیرے جواہرات اور نقدی تھی۔ اسے باہر لانے کے لیے ملازموں کو کئی بار اندر جانا پڑا۔

جب آخری بکس بھی باہر آ گیا اور تمام بکس گھوڑوں اور خچروں پر لاد دیئے گئے تو پنڈت تمام آدمیوں کو غار میں لے گیا اور خود باہر آ گیا۔ وہ ابھی سرنگ میں تھا۔ سانپوں والے گڑھے پر تین تختے رکھے گئے تھے۔ اس نے بڑی تیزی سے تینوں تختے کھینچ لیے اور انہیں گھسیٹ کر باہر لے آیا۔

"چلو مہاراج!"— پنڈت نے مہاراجہ راجیا پال سے کہا۔

"وہ سب کہاں ہیں؟"— راجیا پال نے پوچھا۔

"وہ اب کبھی باہر نہیں آ سکیں گے"— پنڈت نے جواب دیا— "انہیں اندر بھیج کر تختے کھینچ لایا ہوں۔ نکلنے والے آگے بڑھیں گے تو اس گڑھے میں گریں گے جو میں نے زہریلے سانپوں سے بھر رکھا ہے۔ ایک دو گریں گے تو باقی آگے

نہیں آئیں گے۔ بھوکے پیاسے اندر ہی مر جائیں گے۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ انہیں زیادہ انعام دے دیا جائے اور ان کی مرتے وقت کی بددعائیں نہ لی جائیں؟"

"مہاراج!"— پنڈت نے کہا— "جس طرح آپ نے اس خزانے کی خاطر اپنا مذہب، اپنا وقار اور اپنی قوم کو قربان کر دیا ہے اسی طرح ہر انسان اتنے زیادہ خزانے کی خاطر آپ کو، مجھے، آپ کی رانی اور بیٹے کو قتل کرنے کی سوچے گا۔ اتنے بڑے خزانے میں سے کوئی انسان تھوڑا سا نہیں لینا چاہتا۔ آپ نے اپنی رعایا کے ساتھ کونسی نیکی کی ہے؟ .... انسان جب تخت پر بیٹھتا اور سر پر تاج رکھتا ہے تو اس کی نظریں رعایا سے ہٹ جاتی اور خزانے پر جم جاتی ہیں۔ وہ انسان سمجھتا نہیں، سوچتا نہیں کہ خزانے اور حکومت کا پیار اسے اس حال تک پہنچا دیتا ہے جس میں آج آپ ہیں۔ آپ ڈرے ہوئے گیدڑ کی طرح چھپتے پھر رہے ہیں۔ اپنی رعایا کو جو آپ کی ہم مذہب ہے آپ نے اپنے دشمن کے حوالے کر دیا ہے۔"

"پنڈت جی مہاراج! آپ مجھے بار بار شرمسار نہ کریں"— مہاراجہ راجیا پال نے کہا— "میں کچھ کر کے دکھاؤں گا۔"

"میں اسی لیے آپ کے ساتھ ہوں کہ آپ کچھ کر کے دکھائیں"— پنڈت نے کہا— "آپ بھول گئے ہیں کہ قنوج کی گدی ہندو جاتی کی بہادری کی، علم و ہنر کی اور ہندوستان کے وقار کی علامت ہے۔ تمام راجے مہاراجے آپ کو اپنا سردار مانتے تھے۔ اب بھی مانتے ہیں۔ میں آپ کو اس جنگل سے نکالوں گا .... چلیے۔ یہاں رکنا بہت خطرناک ہے۔"

وہ چل پڑے۔ غار کے اندر سے آوازیں آ رہی تھیں۔ جن آدمیوں کو اندر بند کر آئے تھے وہ پنڈت کو پکار رہے تھے۔ پنڈت اور راجیا پال دو گھوڑوں اور خچروں کو ایک دوسرے کے پیچھے باندھے دور ہی دور ہٹتے جا رہے تھے۔ آگے

iqbalmt@oneurdu.com

ایسا جنگل اور ایسا دشوار گزار علاقہ تھا جہاں درندے اور جنگلی جانور ہو سکتے تھے، کسی انسان کا گزر ممکن نہیں تھا۔

"پنڈت جی!" — راجیا پال نے کہا — "آپ کی وفاداری نے میرا سر جھکا دیا ہے۔ میں آپ کو اتنا انعام دینا چاہتا ہوں جتنا آج تک کسی نے مجھ سے وصول نہیں کیا۔ اپنے منہ سے مانگو۔ کیا انعام دوں!"

"ایک انعام ہے جو آج تک کوئی مہاراجہ کسی وفادار کو نہیں دے سکا" — پنڈت نے کہا — "آپ دے سکتے ہیں"۔

"مانگو مہاراج! کہو کیا دوں؟"

"غزنی کے سلطان کا سر" — پنڈت نے کہا۔

مہاراجہ راجیا پال کی ہنسی نکل گئی۔

"یہ سر جسم سے الگ ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ ہندوستان کو آئے دن کے حملوں سے نجات مل سکتی ہے، بلکہ اسلام کا پھیلاؤ ہمیشہ کے لیے رک سکتا ہے"

— پنڈت نے کہا — "یہ دھرتی ہمیشہ کے لیے پاک ہو سکتی ہے مگر مجھے نظر آ رہا ہے کہ ہماری آنے والی نسلیں بھی مسلمانوں کے خلاف لڑتی رہیں گی، کشت و خون ہوتا رہے گا لیکن اسلام اس ملک سے نہیں نکلے گا۔ ہمارے بعد آنے والوں میں عقل ہوئی تو وہ لڑنے مرنے کی بجائے مسلمانوں کو ختم کرنے کے کچھ اور طریقے اختیار کریں گے۔ اگر ہم مسلمانوں کو اپنی دھرتی ماتا سے نکال نہ سکیں تو یہی کافی ہو گا کہ ہم اسلام اور اس مذہب کے پیروکاروں کے خلاف اتنی نفرت پیدا کر دیں کہ کوئی ہندو اسلام قبول کرنا تو درکنار، مسلمان کے قریب سے گزرنے سے بھی سمجھے کہ ناپاک ہو گیا ہے"۔

"مہاراج!" — مہاراجہ راجیا پال نے کہا — "مجھے اپنے مذہب سے نفرت ہوتی جا رہی ہے۔ ہر ہر مہادیو اور ہری کرشن نے ہماری کیا مدد کی ہے؟ آپ ہمیں ہمیشہ دیوتاؤں کے قہر سے ڈراتے ہیں۔ کیا ان کے پاس صرف قہر ہے کرم نہیں؟ ہر بار اور ہر جگہ فتح مسلمانوں کی ہی کیوں ہوتی ہے؟ آپ کے مہادیو کا قہر مسلمانوں

iqbalmt@oneurdu.com

پر کیوں نہیں گرتا؟"

"یہ دیوتاؤں کے بھید ہیں" — پنڈت نے کہا — "جب انسان دیوتاؤں کا حکم نہیں مانتا تو وہ اس کے دماغ میں خلل ڈال دیتے ہیں، پھر وہ ایسی ہی باتیں کرتا ہے جیسی آپ کر رہے ہیں"۔

گھوڑے چلے جا رہے تھے۔ دور بھیڑیوں کی چیخ و پکار اور لکڑبگوں کی قہقہہ نما آوازیں اور کبھی کبھی کسی شیر کی دھاڑ سنائی دیتی تھی۔ گھوڑے دشوار گزار علاقے سے گزر رہے تھے۔

"میں نے مندروں کو ہیروں اور جواہرات سے سجایا ہے" — راجیا پال کہتا جا رہا تھا — "میں نے پنڈتوں، رشیوں اور سادھوؤں کی بہت خدمت کی ہے۔ آپ کے مندر کو اور اس میں رکھے ہوئے پتھر کے دیوتاؤں کو میں نے عطر سے نہلایا ہے ... میرا تخت کہاں ہے؟ میرا تاج کہاں ہے؟ قنوج کی وہ گدی کہاں ہے جس کے گن سارا ہندوستان گاتا تھا؟ مجھے کیا سوجھی کہ میں مسلمانوں کی فوج کے آنے سے پہلے ہی بھاگ اٹھا! مجھے کس نے اشارہ دیا تھا؟"

"خزانے کے پیار نے" — پنڈت نے کہا — "آپ خود دل چھوڑ بیٹھے"۔

سوال کا جواب نہیں دے سکتے ... میں خود اپنے سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ پنڈت جی مہاراج! آپ مجھے آج تک نہیں سمجھا سکے کہ مذہب کیا ہے میں یہی سمجھ سکا ہوں کہ کسی نگری کا راجہ مندر میں چلا جائے تو رعایا اسے اچھا سمجھنے لگتی ہے۔ آج تک یہی سمجھا ہوں کہ رعایا کو مذہب کے نام پر دھوکہ دیا جا سکتا ہے، اپنے دل میں مذہب کی محبت ہو یا نہ ہو۔ قنوج کی گدی کی سارا ہندوستان صرف اس لیے پوجا کرتا ہے کہ میرے باپ دادا آپ کے بتوں کو عطر سے نہلاتے رہے ہیں۔ میں نے اس رسم کو جاری رکھا لیکن میرے دل میں اپنے مذہب کی محبت کبھی بھی پیدا نہ ہو سکی"۔

"آپ گمراہ ہو گئے ہیں مہاراج!"

"ہاں!" — راجیا پال نے کہا — "میں گمراہ ہو گیا ہوں۔ کیا آپ کو یاد نہیں رہا کہ میں نے متھرا میں ہری کرشن کے قدموں میں بیٹھ کر کہا تھا کہ میرے سامنے

دیویوں دیوتاؤں کی بات نہ کرو۔ اتحاد پیدا کرو اور مل کر محمود کا مقابلہ کرو مگر ایسا نہ ہُوا۔ سب نے شکست کھائی۔ میں نے سنا ہے کہ لاہور کے مہاراجوں نے انسانی جانوں کی قربانیاں بھی دی تھیں۔ نوجوان لڑکیوں کو قتل کر کے اُن کے خون سے دیوتاؤں کے پاؤں دھوئے تھے مگر انہیں شکست ہوئی۔

"میں آپ کو اپنے مذہب کا کرشمہ دکھاؤں گا"۔ پنڈت نے کہا۔

"میں نے کرشمے دیکھ لیے ہیں"۔ راجیپال نے کہا۔ "مجھے یہ بتاؤ کہ مسلمانوں میں وہ کونسی طاقت ہے کہ اتنی دُور سے آتے ہیں۔ ان کی فوج تھوڑی ہوتی ہے۔ ان کو رسد نہیں مل سکتی مگر وہ ہمیں شکست دے جاتے ہیں .... آپ مجھے جواب نہیں دے سکتے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ایک بار ایک مسلمان جاسوس کو پکڑ لائے تھے۔ آپ بھی موجود تھے۔ ہم اُس سے پوچھتے تھے کہ اُس کے اور ساتھی کہاں کہاں ہیں اور یہ بھی کہ محمود کا اب ارادہ کیا ہے آپ کو یاد ہو گا کہ اُس نے کیا جواب دیا تھا"

"ہاں ہاں، یاد ہے"۔ پنڈت نے کہا۔ "اُس نے کہا تھا کہ میرے جسم کے ٹکڑے کر دو، میں کچھ نہیں بتاؤں گا"۔

"اور اُس نے کچھ نہیں بتایا تھا"۔ مہاراجہ راجیپال نے کہا۔ "میں نے اُسے سونے کے ٹکڑے دکھائے تھے۔ وہ نہیں مانا تھا۔ میں نے راج محل کی سب سے زیادہ خوبصورت رقاصہ اُس کے حوالے کر دی تھی۔ وہ ہنس پڑا تھا اور اُس نے کہا تھا کہ میرے ایمان کو تم خرید نہیں سکتے۔ پھر آپ ایک پٹاری لے آئے تھے جس میں بڑا ہی زہریلا سانپ تھا۔ آپ نے اُسے کہا تھا کہ آپ اُسے اس سانپ کے ساتھ کال کوٹھڑی میں بند کر دیں گے۔ وہ اس سے بھی نہیں ڈرا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ ایمان کو سانپ نہیں ڈس سکتا"۔

"ہاں مہاراج!" پنڈت نے کہا۔ "مجھے یاد ہے۔ ہم نے اُسے تنگ سی کوٹھڑی میں بند کر کے اس میں سانپ چھوڑ دیا تھا مگر یہ آدمی سانپ کے زہر سے تڑپ تڑپ کر مر گیا تھا، اُس نے راز کی کوئی بات نہیں بتائی تھی"۔

iqbalmt@oneurdu.com

"یہ ہے مسلمانوں کی قوت!" مہاراجہ نے کہا۔ "یہ ایمان کیا ہے؟"

"اسے ہم دھرم کہتے ہیں"۔ پنڈت نے کہا۔ "یہ ہم میں بھی پیدا ہو سکتی ہے"۔

"باتیں۔ باتیں کھوکھلی اور بے جان باتیں"۔ مہاراجہ نے آہ لے کر کہا جیسے اُسے پنڈت کی باتوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ ہو۔ "آپ کو مذہب سے ہٹ کر کوئی بات کرنی نہیں آتی یا آپ کو سانپوں کے ساتھ دلچسپی ہے۔ آپ سانپ پکڑنا اور پالنا جانتے ہیں"۔

جب یہ خزانہ اپنے پہلے ڈھکے چھپے ٹھکانے پر پہنچا تھا اُس وقت سلطان محمود بڑی احتیاط سے قنوج کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ اُس کا اصل اور بڑا ہی خونریز مقابلہ قنوج میں ہو گا۔ کوئی جاسوس اُسے یہ نہیں بتا سکا تھا کہ قنوج میں مقابلہ ہو گا ہی نہیں اور وہاں مہاراجہ برائے نام فوج چھوڑ کر اور اُس کے سالاروں کے خفیہ قتل کا انتظام کر کے غائب ہو چکا ہے۔ اس سلسلے کی ایک قسط میں سنایا جا چکا ہے کہ غزنی کے ایک جاسوس کی اسی پنڈت کے ساتھ اسی خزانے والے غار میں ملاقات ہو گئی تھی اور پنڈت نے یہ جان کر کہ یہ غزنی کا جاسوس ہے، اُسے یہ غلط اطلاع دے کر گمراہ کیا تھا کہ قنوج میں کئی فوجیں جمع ہیں جو غزنی کی فوج کو کچل کر رکھ دیں گی۔

جاسوس ضلع برروک نے اسی اطلاع کو مستند سمجھ کر سلطان محمود کو چوکنا کر دیا تھا۔ سلطان محتاط ہو کر اور قدم پھونک پھونک کر آگے بڑھتا رہا اور مہاراجہ راجیپال قنوج سے نکل گیا۔ پنڈت دراصل وقت چاہتا تھا کہ وہ راجیپال کو جم کر مقابلہ کرنے کے لیے روک لے لیکن راجیپال منہ موڑ گیا۔ اگر سلطان محمود اپنی مخصوص رفتار سے پیشقدمی کرتا جسے صحیح معنوں میں برق رفتار پیشقدمی کہتے ہیں اور جس کے لیے غزنی کی فوج شہرت یافتہ تھی تو وہ راجیپال کے فرار سے پہلے قنوج پہنچ جاتا مگر پنڈت کا دھوکہ کامیاب رہا۔

راجیپال اور پنڈت نے خزانہ اپنے ٹھکانے پر پہنچا دیا۔ وہاں ایک قدرتی غار تھا جسے انہوں نے اور زیادہ لمبا کر لیا تھا۔ رات کو جب اتنے زیادہ جس

وہاں پہنچے تو محافظوں میں سے صرف چار پانچ کو اس اعتماد میں لیا گیا کہ اُن سے بکس اتروا کر غار میں رکھوائے جائیں۔

اس سے اگلی رات وہاں جشن منایا گیا۔ شراب کا ذخیرہ ساتھ تھا ناچنے اور گانے والیاں بھی تھیں۔ ان کے سازندے بھی تھے۔ رات کو مشعلیں جلا کر جنگل میں منگل بنا دیا گیا۔ مہاراجہ نے اپنے محافظوں کو خوب عیش کرائی اور انہیں نقد انعام بھی دیئے۔ اب اُس کی زندگی اور سلامتی کا دارومدار انہی چند ایک محافظوں پر تھا۔ انہیں وہ بہت بڑی قیمت دے کر بھی خوش رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس جشن میں دو افراد نہیں تھے۔ ایک تو پنڈت تھا اور دوسرے اُس کی رانی۔ مہاراجہ راجیا پال دونوں کی غیر حاضری کو محسوس نہیں کر رہا تھا۔ پنڈت اپنے خیمے میں عبادت میں مصروف تھا۔ اُس نے چھوٹے چھوٹے دو بُت اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ عبادت کے بعد وہ کوئی مذہبی کتاب پڑھ رہا تھا کہ رانی خیمے میں آئی۔ وہ بوڑھی ہو گئی تھی۔ راجیا پال کو اس کے ساتھ اتنی سی دلچسپی رہ گئی تھی کہ وہ اُس کے جوان اور اپنے جانشین بیٹے کی ماں تھی۔ وہ پنڈت کے پاس بیٹھ گئی۔

"کیا آپ نے سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ مہاراج کیا کر رہے ہیں اور ان کے ارادے کیا ہیں؟" پنڈت نے رانی سے پوچھا۔ "کیا یہ موقع خوشیاں منانے اور شراب پینے کا ہے؟"

"میں کچھ نہیں سمجھ سکی" رانی نے جواب دیا۔ "میری نگاہیں اب اپنے بیٹے پر لگی ہوئی ہیں۔ اس کا مستقبل تاریک ہو گیا ہے۔ ہمارے ہاتھ میں باری ہے جسے ہم قنوج کی طرح اپنی راجدھانی بنا سکتے ہیں۔ قنوج ہمیں واپس نہیں مل سکتا.... میرا خیال ہے کہ مہاراج پاگل ہو چکے ہیں۔ میں ان سے کوئی بات پوچھتی ہوں تو مجھے یوں ٹال دیتے ہیں جیسے راج کے ساتھ میرا کوئی تعلق ہی نہ ہو... کیا آپ کچھ نہیں کر سکتے؟ کوئی ٹونہ کوئی جادو کر دکھائیں۔ آپ

کے ہاتھ میں بہت کچھ ہے۔"

"میں یہی سوچ رہا ہوں" پنڈت نے کہا۔ "مہاراج کے دماغ پر قابو پانے کی کوشش کروں گا.... میرا حساب بتا رہا ہے کہ ایک انسان کی قربانی دینی پڑے گی۔ ایک لڑکی کا خون بہانا پڑے گا۔"

"لڑکی کہاں سے آئے گی؟"

"میں نے دیکھ لی ہے" پنڈت نے کہا۔ "وہ ناچنے والی جو سب سے چھوٹی ہے... نندیا!"

"کریں" رانی نے کہا۔ "آپ جب چاہیں اُسے قربانی کے لیے لے سکتے ہیں۔ وہ بہت خوبصورت ہے اور نوجوان بھی ہے۔ قربانی ایسی ہی لڑکی کی ہونی چاہیے۔"

باری دریائے گنگا سے دُور ایک قصبہ تھا جو قنوج سے تین دنوں کی مسافت پر تھا۔ یہ قنوج کی ریاست میں تھا۔ تمام مورخین نے لکھا ہے کہ مہاراجہ راجیا پال نے باری کو اپنا دارالحکومت بنا لیا تھا جہاں اُس نے اپنے بیٹے لکھمن پال کو بھیج دیا تھا۔ اُس نے باری کو قنوج کے پیمانے کا شہر بنانے کے لیے تعمیر شروع کرا دی تھی۔ اُس نے اپنی فوج قنوج کے محاصرے سے پہلے ہی باری بھیج دی تھی لیکن جنگل میں وہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ کیا کرے۔ سلطان محمود اُس پر آسیب کی طرح غالب آ گیا تھا۔ ایک مورخ سبطاکوزی نے یہاں تک لکھا ہے کہ مہاراجہ راجیا پال در پردہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

جنگل کی ایک رات تھی۔ مہاراجہ کو یہاں آئے ڈیڑھ دو مہینے گزر چکے تھے۔ پنڈت اپنے خیمے میں عبادت میں مصروف تھا۔ گھٹاؤں کی گرج سنائی دی اور ہوا تیز ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد بجلی چمکی اور بڑی زور کا دھماکہ ہوا۔ اس کے بعد بجلی بار بار چمکنے اور کڑکنے لگی۔ جنگل دودھ کی مانند سفید روشنی سے روشن ہو جاتا تھا۔ اتنی زور کا مینہ برسنے لگا جیسے ژالہ باری ہو رہی ہو۔ اُس

وقت مہاراجہ راجیاپال اپنے خیمے میں نہیں بلکہ اُس غار میں تھا جس میں اُس نے ایک اور غار کھدوا کر خزانہ چھپا رکھا تھا۔ وہ اپنے خیمے کو جانے لگا تو بجلی اور بارش نے اُسے روک لیا۔

یہ ایک طوفانی بارش تھی۔ آسمان پھٹا جا رہا تھا۔ بجلی اتنی زور سے کڑکتی اور چمکتی تھی کہ دل دہل جاتے تھے۔ غار میں ایک مشعل جل رہی تھی۔ باہر گھوڑے ڈر کر ہنہنا رہے تھے۔ پنڈت غار کے منہ میں نمودار ہوا اور اندر چلا گیا۔ اُس نے مہاراجہ کو بتایا کہ وہ اُس کے خیمے میں گیا تھا۔ وہ اُسے نہ ملا تو اِدھر آ گیا۔ اُسے مہاراجہ کے متعلق فکر پیدا ہو گیا تھا۔ بارش اور تیز ہو گئی۔

ڈیڑھ ایک گھنٹے کے بعد باہر شور و غل بپا ہو گیا۔ گھوڑے بڑی زور سے ہنہنانے لگے۔ باہر بھگدڑ مچ گئی تھی۔ بارش کے شور کے ساتھ ایک اور شور سنائی دینے لگا اور اس کے ساتھ یہ گھبرائی ہوئی آوازیں — "پانی آ گیا.... سیلاب آ گیا.... خیمے اُکھاڑ دو۔"

مہاراجہ اور پنڈت نے غار کے دہانے میں سے دیکھا۔ بجلی چمکتی اور کڑکتی تھی تو انہیں سیلابی پانی غراتا دکھائی دیتا اور لوگ بھاگتے دوڑتے نظر آتے تھے۔ لچھمن پال دوڑتا غار میں آ گیا۔ یہ جگہ دو پہاڑیوں کے درمیان تھی۔ ان لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ یہاں سے اُوپر کے علاقے کا برساتی سیلاب گزرتا ہے۔ اب یہ سیلاب چڑھ رہا تھا۔ بارش اور تیز ہو گئی تھی۔ بجلی پہلے کی طرح کڑک رہی تھی اور اس کے ساتھ سیلاب غراتا ہوا گزر رہا تھا اور چڑھ بھی رہا تھا۔ مہاراجہ کے آدمی بلند جگہوں پر جا رہے تھے۔

پانی غار میں بھی آنے لگا۔ غار ذرا اونچا تھا اس لیے اندر تھوڑا پانی آ رہا تھا۔

"مہاراج!" — پنڈت نے راجیاپال سے کہا — "یہ ہر ہر مہادیو کا قہر ہے۔ سر جھکا لیں، معافی مانگیں۔ توبہ کریں۔ کیا آپ نے ایسی بارش کبھی دیکھی ہے؟"

مہاراجہ نے قہقہہ لگایا جیسے اُس کا دماغی توازن صحیح نہ رہا ہو۔ بولا —

"اب طوفان میرا کیا بگاڑ لیں گے۔ اب بجلیاں مجھے نہیں ڈرا سکتیں... لے جاؤ میرا خزانہ۔"

پنڈت نے بارش اور سیلاب کے شور سے بلند آواز میں کہا۔ "مہاراج! آپ کو کیا ہو گیا ہے! باہر شیطان چیخ رہے ہیں۔ اس قہر کو سمجھیں۔ میں جو کہتا ہوں وہ کریں۔ ہاتھ جوڑیں۔ میں جو پڑھتا ہوں وہ آپ بھی پڑھتے جائیں۔"

مہاراجہ ایک بار پھر ہنسا۔ لچھمن پال جو جوان راجکمار اور جنگجو تھا، چہرے پر خوف کے آثار لیے اور ہاتھ جوڑے ہوئے کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ اُس کے منہ سے گھبرائی ہوئی آواز نکلی — "وہ دیکھو۔"

مہاراجہ اور پنڈت نے غار کے دہانے کی طرف دیکھا۔ ایک اژدہا جس کا سر انسان کے سر جتنا بڑا تھا، غار میں داخل ہو رہا تھا۔ لچھمن پال کے پاس تلوار تھی جو اُس نے نکال لی۔ اژدہا آہستہ آہستہ رینگتا آ رہا تھا۔ شاید سیلاب میں کہیں سے بہتا آیا تھا۔ ایسے اژدہا دلدل یا پانی میں رہتے ہیں۔ وہاں خوراک نہ ملے تو خشکی پر آ جاتے ہیں۔ یہ سالم انسان یا جانور کو نگل لیتے اور دو دو تین تین مہینے سوئے رہتے ہیں۔ ان کی لمبائی چھ سے بارہ فٹ تک ہوتی ہے۔ بعض اژدہا اس سے بھی لمبے ہو سکتے ہیں۔

یہ جو غار میں داخل ہو رہا تھا، نو دس فٹ لمبا تھا۔ لچھمن پال نے تلوار نکالی تو پنڈت نے اُسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ مہاراجہ اُٹھ کر پیچھے ہٹ گیا۔ پنڈت نے مشعل اُٹھائی اور آگے کر دی۔ اژدہا ابھی پورا غار میں نہیں آیا تھا۔ پنڈت کو معلوم تھا کہ اژدہا زہریلے نہیں ہوا کرتے نہ یہ ڈستے ہیں، بلکہ یہ شکار کو نگلا کرتے ہیں۔

"پنڈت جی مہاراج!" — مہاراجہ راجیاپال نے کہا — "آپ کو سانپوں کو پکڑ لینے اور قبضے میں رکھنے کی مہارت ہے۔ کیا آپ اس پر بھی قابو پا سکتے ہیں؟"

پنڈت نے نظریں اژدہا پر جمائے رکھیں اور مشعل کا شعلہ اُس کے اور

iqbalmt@oneurdu.com

اپنے درمیان کیسے رکھا۔ اُس نے کہا "اگر یہ دھرتی کا اژدہا ہُوا تو میں
اسے قابو میں لے لوں گا لیکن مہاراج! یہ دیوتا ہے"۔۔۔ پنڈت نے اُسے
کچھ بتا کر کہا "یہ پڑھتے رہیں۔ ہری کرشن آپ سے کوئی بہت بڑا کام کرانا
چاہتے ہیں۔"

مہاراجہ اور اُس کے بیٹے لچھمن پال نے وہی پڑھنا شروع کر دیا جو پنڈت
نے بتایا تھا۔ پنڈت نے مشعل کا ڈنڈا پکڑے ہوئے شعلہ آگے کر رکھا تھا
اس لیے اژدہا جو بہت آہستہ آہستہ اندر آ رہا تھا کُنڈلی مارنے لگا اور رُک
کر اکٹھا ہو گیا۔ وہ سر کو اٹھاتا اور اِدھر اُدھر دیکھتا تھا۔ پنڈت نے لچھمن پال
سے کہا کہ اندر کے غار میں رسّہ ہو گا وہ لے آؤ۔

لچھمن پال نے تلاش کر کے رسّے کا ایک لمبا ٹکڑا پنڈت کے ہاتھ میں
دے دیا۔ پنڈت نے مشعل لچھمن پال کو دے کر اُسے کہا کہ اژدہا کے آگے کیے
رکھے۔ اُس نے رسّے کا پھندا بنا لیا۔ اژدہا اپنی آنکھوں کے آگے شعلے کی وجہ
سے کچھ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اُس نے ایک بار سر اُٹھایا تو پنڈت نے پھندا پھینکا
جو اُس کے سر سے سرک کر گردن پر چلا گیا۔ پنڈت نے رسّہ کھینچا تو اژدھا
کا مُنہ کھُل گیا اور اُس کا اتنا لمبا جسم تڑپنے لگا۔ پنڈت اُچھل کر اُس پر بیٹھ گیا
اور رسّہ اس کے گرد اس طرح لپیٹ کر کس دیا کہ وہ بے بس ہو گیا۔

بارش کا زور گھٹنے لگا تھا۔ پنڈت نے مہاراجہ راجیا پال کو اژدہا سے
بہت ڈرایا۔ مہاراجہ پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ پنڈت نے اُسے کہا کہ وہ اب
غار میں ہی آرام سے سو جائے۔

دوسرے دن مہاراجہ کی آنکھ اُس وقت کھُلی جب سورج بہت اُوپر آ گیا تھا۔
اُس نے غار سے دیکھا۔ وہاں نہ پنڈت تھا نہ اژدھا لچھمن پال بھی نہیں تھا۔
وہ باہر نکلا۔ باہر کی دنیا بدلی ہُوئی تھی۔ سیلاب گزر گیا تھا۔ خیمے کھڑے کیے

جا رہے تھے۔ مہاراجہ نے کسی سے کہا کہ پنڈت کو بُلا لائے۔

پنڈت آیا تو مہاراجہ نے اُس سے پوچھا "رات اژدہا کو مار دیا گیا تھا؟"

"وہ اژدہا نہیں دیوتا تھا"۔۔۔ پنڈت نے کہا۔ "وہ آپ کو وہی بات کہنے آیا
تھا جو میں ایک عرصے سے آپ کو کہہ رہا ہُوں۔ میں بھی اسے اژدہا ہی سمجھا تھا۔
کوئی انسان اتنے بڑے اژدہا پر قابو نہیں پا سکتا۔ مجھے اشارہ ملا تو میں نے
اسے رسّے سے قابو کر لیا۔ آپ سو گئے پھر راجکمار چلا گیا تو اژدہا نے مجھے اپنا
آپ دکھایا۔ میں اس کے ساتھ باہر نکل گیا۔ اُس نے کہا کہ مندروں کی تباہی اور
ہماری توہین کا انتقام لو۔ ہماری روحوں کو بہت تکلیف پہنچ رہی ہے۔ ہم جب
آتے ہیں تو بجلیاں چمک چمک کر ہمارا راستہ روشن کرتی ہیں اور بارش ہمارا راستہ
دھو ڈالتی ہے۔ ہم اپنی بجلیاں اِن پر بھی گرا سکتے ہیں جنہوں نے ہماری روحوں
کو تکلیف دی ہے لیکن ہم انہیں باز آ جانے کا موقع دے رہے ہیں ... دیوتا
نے مجھے کہا کہ اپنے راجہ سے کہو کہ اپنی راجدھانی میں مسلمانوں کی اذانیں بند کرو۔
یہ آوازیں ہمیں چین نہیں لینے دیتیں۔"

"دیوتا کہاں چلے گئے ہیں؟"۔۔۔ مہاراجہ قنوج نے پوچھا۔ "کہاں گئے ہیں؟"

"جہاں سے آئے تھے"۔۔۔ پنڈت نے کہا۔ "میں نے ان کے قدموں میں
سر رکھ کر معافی مانگی ہے۔ آپ کی طرف سے بھی ہاتھ جوڑے تھے مگر وہ سخت
ناراض تھے۔ کہتے تھے کہ ان کی بجلیاں ان پہاڑوں کو جڑوں سے اکھاڑنے
آئی تھیں۔ ہم سب کو جلا کر بھسم کرنے آئی تھیں۔ دیوتا کہتے تھے کہ مہاراجہ
کا خزانہ دفن کر دیں گے .... میں نے بڑی مشکل سے انہیں راضی کیا۔ انہوں
نے کہا ہے کہ ایک نرتکی (رقاصہ) کی قربانی دو۔ ان کے اشارے پر میں نے رقاصہ
کا انتخاب کر لیا ہے۔"

"کون ہے وہ؟"

"نندیا!"

"نہیں"۔۔۔ مہاراجہ راجیا پال نے کہا۔ "پنڈت جی مہاراج! میں نندیا کی

iqbalmt@oneurdu.com

قربانی نہیں دوں گا۔"

"آپ غزنی کے سلطان کا مقابلہ نہیں کر سکے" — رانی نے خشمگیں لہجے میں کہا — "کیا آپ دیوتاؤں کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ .... بندیا کی قربانی دی جائے گی۔"

"تم چپ رہو" — مہاراجہ نے گرج کر کہا۔

"پتی دیوتا نہیں ہو سکتا" — رانی نے آنکھیں پھاڑ کر کہا — "دیوتا پتی ہو سکتا ہے۔ مجھے دیوتاؤں کا حکم ماننا ہے، آپ کا نہیں۔"

"پتا مہاراج!" — راجیپال کے بیٹے نے جو قریب ہی کھڑا تھا، کہا — "مجھے تلوار کا دھنی آپ ہی نے بنایا تھا۔ مجھے مجبور نہ کریں کہ ایک بیٹے کی تلوار اپنے باپ کا سر تن سے جدا کر دے۔ کوئی سپوت اپنا وطن اور اپنا مذہب اپنے باپ پر قربان نہیں کر سکتا۔ پنڈت جی مہاراج جو کہتے ہیں وہی ہو گا .....
پتا مہاراج! مجھے معلوم ہے کہ آپ نے اپنا دھرم نہیں چھوڑا لیکن آپ نے غزنی کے سلطان کو اپنے دماغ پر اور اپنے دل پر سوار کر لیا ہے۔"

مہاراجہ راجیپال نے جب اپنی رانی اور اپنے بیٹے کا رویہ دیکھا تو وہ دب گیا۔ وہ کچھ بھی نہ بولا۔ اس نے پنڈت سے یہ پوچھنے کی بھی جرأت نہ کی کہ دیوتاؤں نے صرف اسی کو تباہ کرنے کا تہیہ کیوں کر رکھا ہے۔ متھرا قنوج سے زیادہ مقدس جگہ تھی۔ وہاں کرشن مہاراج نے جنم لیا تھا۔ تھانیسر کا مندر بھی ہندوؤں کی بہت بڑی عبادت گاہ تھی۔ وہاں گھنٹیوں، سنکھوں اور بھجنوں کی بجائے اذانیں گونج رہی ہیں۔ دیوتاؤں نے وہاں کے راجوں مہاراجوں کو اژدہا بن کر نہیں ڈرایا تھا۔

مہاراجہ نے دیکھا کہ اس کی رانی اور اس کے بیٹے پر دیوتاؤں کا خوف طاری ہو گیا ہے تو وہ کچھ کہے بغیر اس غار میں چلا گیا جس میں اس نے خزانہ رکھوایا تھا۔

"یہ ہے ہندوؤں کا مذہب" — قنوج کے بڑے مندر کے سامنے ایک

iqbalmt@oneurdu.com

آواز گرج رہی تھی۔

یہ آواز اُس خطیب کی تھی جو غزنی سے سلطان محمود غزنوی کے ساتھ آیا تھا۔ غزنی کی فوج کے ساتھ چند ایک امام بھی ہوا کرتے تھے۔ جتنی فوج ایک جگہ اکٹھی ہو وہ نماز باجماعت پڑھا کرتی تھی۔ فرصت کے وقت امام اپنے اپنے دستوں کا ایمان اور حوصلہ برقرار رکھنے کے لیے وعظ سنایا کرتے تھے۔

غزنی کا خطیب قنوج کے بڑے مندر کے چبوترے پر کھڑا تھا۔ اُس کے ارد گرد ٹوٹے ہوئے بتوں کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے سامنے غزنی کی فوج کھڑی تھی۔ اس کے پیچھے قنوج کے جنگی قیدی کھڑے تھے۔

"یہ ہے ہندوؤں کا مذہب" — وہ بلند آواز سے کہہ رہا تھا — "دیکھ لو ان کے 'خداؤں' کے ٹکڑے تمہارے قدموں میں پڑے ہیں۔ خدا ایک ہے۔ وحدہٗ لاشریک ہے۔ تم یہاں کوئی ملک فتح کرنے کے لیے اور یہاں لوٹ مار کرنے کے لیے نہیں آئے۔ تم یہاں ایک باطل مذہب کی بیخ کنی کے لیے آئے ہو۔ تم سوال پوچھنا چاہو گے کہ ہم نے ہندوستان کا انتخاب کیوں کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سرزمینِ عرب کا ایک مجاہد محمد بن قاسم ایک مسلمان لڑکی کی پکار پر یہاں آیا تھا۔ اُس نے یہاں ایک بڑے جابر اور ظالم راجہ کو شکست دی لیکن یہ نوجوان قہر اور دہشت بن کر نہیں آیا تھا۔ اُس نے ثابت کر دیا کہ مسلمان کی تلوار چٹانوں کو کاٹ سکتی ہے اور مسلمان کا حسنِ سلوک پتھر کو موم کر سکتا ہے....

"محمد بن قاسم نے یہاں کے پتھروں کو موم کر دیا اور یہاں کے بت اپنے آپ ٹوٹنے لگے۔ ہندو جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔ شمال مغربی ہندوستان اللہ اور رسولؐ کے نور سے منور ہو گیا اور یہ مقدس روشنی سارے ہندوستان میں پھیلنے لگی مگر حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ مجاہد کو مجرم بنا دیا گیا۔ محمد بن قاسم ایک ناہنجار خلیفہ کے قہر کا نشانہ بن گیا۔ ہندوستان سے وہ گیا تو ہندوؤں کے باطل مذہب نے پھر سر اٹھایا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسجدیں مندر بنتی چلی گئیں اور ہندو نے ریاکاری اور دہشت گردی سے مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا ....

"غزنی کے مجاہدو! تم صرف غزنی کے پرچم کے نہیں اسلام کے علمبردار ہو۔ یہ خطّہ جو دارالاسلام بن گیا تھا بُت خانہ بن گیا۔ حق پر باطل غالب آنے لگا۔ اس باطل کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ قوم جو ہندو کہلاتی ہے، سانپوں کی نسل سے ہے۔ اس کی خصلتیں زہریلے سانپوں سے ملتی ہیں اور یہ قوم سانپوں کی پجاری ہے۔ اس کے ہاں خدائے وحدہٗ لاشریک کا کوئی تصور نہیں جیسے دریائے گنگا اور جمنا کو تم نے روندا ہے اور اسے بارہا عبور کیا ہے، انہیں بھی ہندو اپنے دیوتا کہتے ہیں۔ ان دریاؤں کے غلیظ پانی کو مقدس سمجھتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اس میں نہا کر کہتے ہیں کہ گناہ دُھل گئے ہیں۔ بجلی چمکتی اور کڑکتی ہے تو اسے دیوتاؤں کا قہر کہتے ہیں اور مندروں کی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں۔ اژدہا کو دیکھ لیں تو اسے دیوتا کہتے اور اس کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ درندے معصوم بچوں اور نوجوان لڑکیوں کی قربانی دیتے اور ان کے خون سے ان بُتوں کے پاؤں دھوتے ہیں۔ کیا انسانی عقل اس درندگی کو نیکی کہہ سکتی ہے؟ اسے تم عبادت کہہ سکتے ہو؟ ....

"اسلام کے پاسبانو! تم یہاں پنڈتوں کی اس ریاکاری کا قلع قمع کرنے آئے ہو۔ اگر تم نے اس مذہب کو جڑوں سے نہ اکھاڑ پھینکا تو یہ زمین ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے خون کی پیاسی رہے گی۔ یہ قوم جو چند ایک توہمات کو اور اپنے بے بنیاد عقیدوں اور رسموں کو مذہب کہتی ہے مسلمانوں کی جڑیں کھوکھلی کرتی رہے گی۔ یہ کوئی مذہب نہیں۔ ان لوگوں کے پنڈتوں نے ان پر خوف طاری کر کے اپنی فریب کاری کو مذہب کا نام دے رکھا ہے۔ اگر ان کا مذہب سچا ہے تو ان کے ان خداؤں سے جو تمہارے قدموں میں پڑے ہیں، کہو کہ ہم سے اپنی توہین کا انتقام لیں۔ رات جو گزر گئی ہے بجلی کے دھماکوں سے کانپ رہی تھی۔ کیا تم اطمینان کی نیند نہیں سوئے رہے؟ کیا گذشتہ رات کی طوفانی بارش نے تمہیں ذرا سا بھی پریشان کیا تھا؟ ... نہیں، بجلیاں اور طوفان کسی مسلمان کو نہیں ڈرا سکتے مگر تم رات کو ہندوؤں کو دیکھتے۔ وہ ساری رات ہاتھ جوڑ کر، خوف سے

iqbalmt@oneurdu.com

کانپتے ہری رام ہری کرشن کا ورد کرتے رہے تھے .... حق و صداقت اور ایمان تمہاری قوت ہے۔ اس کے سامنے کوئی قلعہ کھڑا نہیں رہ سکتا۔ تمہارے خون کے جو قطرے اس زمین پر گریں گے وہ گُل ولالہ کی صورت میں کھلیں گے اور یہ زمین اللہ کے نُور سے گلرنگ ہو جائے گی۔"

قنوج کی فتح کا دھماکہ ڈیڑھ سو میل دُور کالنجر میں اور اتنی ہی دور گوالیار میں بھی سنائی دیا۔ قنوج سے بھاگے ہوئے کچھ لوگ کالنجر جا پہنچے اور وہاں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ قنوج پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور وہاں کا مہاراجہ لاپتہ ہے۔ کالنجر کا راجہ گنڈہ ایک مدت سے یہی ایک خبر سن رہا تھا کہ غزنی کے مسلمانوں نے حملہ کیا ہے اور فلاں راجہ بھاگ گیا ہے یا اُس نے ہتھیار ڈال کر سلطان محمود کی اطاعت قبول کر لی ہے اور وہ غزنی کا باجگزار ہو گیا ہے۔ راجہ گنڈہ سلطان محمود کی پیشقدمی پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ اب سلطان اُس کے دروازے پر آن پہنچا تھا۔ ڈیڑھ سو میل کوئی فاصلہ نہیں تھا۔ راجہ گنڈہ نے اُسی وقت گوالیار کو روانگی کا حکم دے دیا۔

وہ جب گوالیار پہنچا تو اُسے پتہ چلا کہ راجہ ارجن کو قنوج کے سقوط کی اطلاع مل چکی ہے۔ وہ پریشان بھی تھا اور بھڑکا ہوا بھی مگر وہ یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ مہاراجہ قنوج بھاگ گیا ہے، حالانکہ بتانے والوں نے یہی بتایا تھا کہ جب قنوج کا محاصرہ ہوا تو قلعے میں فوج بہت تھوڑی تھی اور مہاراجے کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ کوئی مقابلہ بھی نہ ہوا۔ مسلمان شہر میں داخل ہوئے اور شہر اور مندروں کی تباہی شروع ہو گئی۔

کالنجر اور گوالیار کے مہاراجوں نے مل کر مشترکہ منصوبہ بنایا کہ سلطان محمود پر جاسوسوں کے ذریعے نظر رکھی جائے کہ وہ آگے بڑھتا ہے یا قنوج میں رہتا ہے یا واپس چلا جاتا ہے۔ اگر وہ قنوج میں رُکتا ہے تو اُس پر دہیں حملہ کیا جائے اور اس حملے میں لاہور کے راجہ بھیم پال بند کی فوج کو بھی شامل کیا جائے۔

مہاراجہ کالنجر ابھی گوالیار میں ہی تھا کہ قنوج کے راج دربار کا ایک اعلیٰ رتبے کا آدمی کالنجر کے راستے گوالیار پہنچا۔ کالنجر میں اُسے بتایا گیا تھا کہ مہاراجہ گنڈہ گوالیار میں ہے۔ اس آدمی نے دونوں مہاراجوں کو بتایا کہ مہاراجہ قنوج محاصرے سے پہلے ہی کہیں غائب ہو گیا تھا۔ غزنی کا سلطان محمود آیا تو اُس نے خزانہ کھلوایا۔ خزانہ بالکل خالی تھا۔ مہاراجہ کے گھر کے ہیرے جواہرات اور زیورات وغیرہ بھی غائب تھے۔ قلعے میں فوج بھی پوری نہیں تھی۔

"اس کا مطلب یہ ہُوا کہ مہاراجہ راجیپال دشمن کو دیکھے بغیر غائب ہو گیا تھا" — مہاراجہ گنڈہ نے کہا — "اور وہ فوج کو بھی ساتھ لے گیا تھا"

"کیا ہندو جاتی اس کا یہ گناہ معاف کر دے گی؟" — راجہ ارجن نے غضبناک آواز میں کہا — "کیا یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ گیا کہاں ہے؟"

"یہ معلوم نہیں ہو سکا" — اس آدمی نے جواب دیا — "اور دوسری خبر یہ ہے کہ سلطان محمود غزنی چلا گیا ہے"

"اور اُس کی فوج؟"

"کچھ ساتھ لے گیا ہے، کچھ قنوج میں چھوڑ گیا ہے"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ مہاراجہ راجیپال نے سلطان محمود کے ساتھ کوئی خفیہ معاہدہ کر لیا ہو؟" — راجہ ارجن نے پوچھا — "اور سلطان کو خوش کرنے کے لیے اپنی فوج جسے وہ اپنے ساتھ لے گیا ہے، ضرورت کے وقت سلطان کو دے دے؟"

"ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا پڑے گا" — مہاراجہ گنڈہ نے کہا — "راجیپال کو ہم سارے ہندوستان کی عزت کا رکھوالا سمجھتے تھے مگر وہ بزدل نکلا۔ متھرا، مہابن، بلند شہر اور برنج کی فوجیں ختم ہو چکی ہیں۔ لاہور کے راجہ بھیم پال نڈر پر نظر اُٹھتی ہے مگر وہ غزنی والوں کا باجگزار ہے۔ وہ ہمارا ساتھ نہیں دے گا"

"مگر ہم یہاں بیٹھے تماشہ تو نہیں دیکھ سکتے" — راجہ ارجن نے کہا — "اپنے دیس اور اپنے مذہب کی خاطر ہمیں اپنا سب کچھ داؤ پر لگانا ہو گا۔ مسلمانوں

iqbalmt@oneurdu.com

کو ہم اتنی آسانی سے ہندوستان کی حکمرانی نہیں لینے دیں گے۔ مسلمانوں کی حکمرانی کا مطلب یہ ہو گا کہ صرف ہمیں ہی نہیں، ہمارے مذہب کو بھی ختم کر دیا جائے گا"

مؤرخین نے جن میں گردیزی، ابن الاثیر، سمتھ اور فرشتہ قابلِ ذکر ہیں، لکھا ہے کہ کالنجر اور گوالیار کے مہاراجوں نے سلطان محمود کے خلاف متحدہ محاذ بنا لیا اور ان کے درمیان طے پایا کہ معلوم کیا جائے کہ مہاراجہ قنوج کہاں ہے اور راجہ بھیم پال نڈر کے ہاں ایلچی بھیجا جائے کہ وہ سلطان محمود کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو جائے تاکہ اُسے فیصلہ کن شکست دی جا سکے۔

سلطان محمود غزنی چلا گیا اور قنوج کا قلعہ اپنے ایک سالار ابوالقدر کے حوالے کر گیا تھا۔ غزنی کی تاریخ میں دو سالاروں کو زیادہ شہرت ملی ہے۔ ایک ابوعبداللہ بن محمد الطائی تھا اور دوسرا ارسلان جاذب۔ ابوالقدر کا ذکر بہت کم آیا ہے لیکن قنوج میں اُس نے ایسے دفاعی انتظامات کیے اور انتظامیہ کا ایسا ڈھانچہ بنایا کہ قنوج کو اس نے محفوظ کر دیا تھا۔

مہاراجہ قنوج کا سراغ لگانا ممکن نہیں تھا۔ اُسے پنڈت نے اژدہا سے ڈرا دیا تھا اور اُس پر اس لیے بھی خاموشی طاری ہو گئی تھی کہ اُس کی پسندیدہ رقاصہ کو انسانی قربانی کے لیے منتخب کر لیا گیا تھا۔ اُس کا بیٹا لکھمن پال اُس کے پاس غار میں جا بیٹھا اور کہنے لگا کہ اُسے باری کو راجدھانی بنانے کی اجازت دی جائے۔ وہاں وہ تیاری کر کے سلطان محمود کو قنوج سے نکالے گا اور شکست کا انتقام لے گا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ وہ لاہور، کالنجر اور گوالیار کے مہاراجوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لے گا۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ سلطان محمود تمہیں نئی راجدھانی آباد کرنے دے گا؟" — راجیپال نے کہا — "اُس کے جاسوس دُور دُور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اُسے جونہی پتہ چلا کہ ہم باری میں اپنی فوج تیار کر رہے ہیں، وہ ہم پر ٹوٹ پڑے گا"

"تو کیا ہم جنگلوں میں چھپے رہیں گے؟"۔ لچھمن پال نے پوچھا۔

"میں نے ایک محفوظ طریقہ سوچا ہے"۔ راجیا پال نے کہا۔"میں قنوج سلطان محمود کے پاس چلا جاتا ہوں۔ اُسے اس پر راضی کرلوں گا کہ مجھ سے تاوان لے لے اور میں اس کا باجگزار بھی رہوں گا اور وہ مجھے باری کو راجدھانی بنانے اور فوج تیار کرنے کی اجازت دے دے۔ میں اس کے ساتھ معاہدہ کروں گا کہ اس کے خلاف کبھی نہیں لڑوں گا اور اسے بوقتِ ضرورت فوج بھی دونگا"۔

"نہیں"۔ لچھمن پال نے کہا۔"آپ کا جانا ٹھیک نہیں۔ آپ اس پہلو پر غور کریں کہ سلطان محمود آپ سے خزانہ مانگے گا۔ اگر آپ نہیں دیں گے تو آپ کو قتل کرادے گا.... اگر ایسا نہ ہوا تو بھی میں آپ کو نہیں جانے دوں گا کیونکہ ہم میں سے کسی کو آپ پر بھروسہ نہیں۔ آپ کے دماغ پر غزنی کا سلطان اتنا سوار ہوگیا ہے کہ آپ اپنے مذہب سے بھی منحرف ہوگئے ہیں"۔

"تو کیا میں تم سب کا قیدی ہوگیا ہوں؟"۔ مہاراجہ نے پوچھا۔

"پنڈت جی مہاراج کہتے ہیں کہ آپ پر کسی شیطانی روح کا سایہ پڑگیا ہے"۔ اُس کے بیٹے لچھمن پال نے کہا۔"یہ سایہ کنواری لڑکی کی جان کی قربانی سے ہٹ جائے گا۔ پنڈت جی مہاراج کہتے ہیں کہ بھگوان جب کسی پر قہر برسانے پر آتے ہیں تو اُسے سب سے پہلے اپنے مذہب سے گمراہ کرتے ہیں"۔

"مذہب.... مذہب.... مذہب"۔ راجیا پال نے طنزیہ کہا۔"میں مذہب سے تنگ آگیا ہوں۔ میں کسی کا قیدی نہیں۔ تم جاؤ۔ باری چلے جاؤ۔ راجدھانی آباد کرو۔ میں تمہارا باپ ہوں۔ تم میرے جانشین ہو۔ میں تمہاری حفاظت کے لیے جو بہتر سمجھوں گا کروں گا"۔

پنڈت نے اپنا خیمہ اب دُور نصب کرایا تھا۔ مہاراجہ کی طرح اس کا خیمہ تین خیموں پر مشتمل تھا۔ ایک کو اُس نے عبادت گاہ بنا رکھا تھا۔ اس کے خیمے میں کوئی نہیں جاسکتا تھا۔ اُس نے جب رقاصہ سندیا کو اپنے ہاں بلایا تو وہ حیران

ہوئی کہ پنڈت نے اُسے کیوں بلایا ہے۔ وہ کسی رقاصہ کے ساتھ بات تک نہیں کیا کرتا تھا۔ سندیا اُس کے خیمے میں چلی گئی۔

"سندیا!"۔ پنڈت نے کہا۔"تم پاپ کی چلتی پھرتی مورتی ہو۔ تم مر جاؤ گی تو لومڑی یا گیدڑی کے روپ میں دوسرا جنم لوگی۔ تمہارا وہ جنم دکھوں سے بھرا ہوگا۔ تمہاری روح بھٹکتی اور روتی رہے گی۔ تم پہلے جنم کو یاد کر کر کے بہت اذیت اٹھاؤ گی، لیکن ہر ہر مہادیو تم پر معلوم نہیں کیوں مہربان ہوگئے ہیں۔ انہوں نے تمہیں اپنی پتنی بنانے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ دیوتا کی خواہش حکم ہوتا ہے سندیا! تم اس جیون کو نہیں چھوڑنا چاہو گی لیکن تم خوش ہو جاؤ کہ تم آکاش کی رانی ہوگی"۔

"وہ کس طرح مہاراج؟"

"ہم تمہیں دیوتا کے قدموں میں قربان کر رہے ہیں"۔ پنڈت نے کہا۔"چاند کی بارھویں رات دیوتا تمہیں لینے آئیں گے۔ تمہارا خون اس زمین پر بہہ جائے گا کیونکہ یہ خون پاک نہیں"۔

"میں سمجھ گئی ہوں مہاراج!"۔ سندیا نے گھبرا کر کہا۔"آپ میری گردن کاٹ دیں گے.... نہیں مہاراج! میں یہ موت نہیں مرنا چاہتی"۔

"تمہیں مرنا ہوگا سندیا!"۔ پنڈت نے کہا۔"اپنے مذہب اور اپنے مہاراجہ کی خاطر تمہیں جان دینی ہوگی"۔

نوجوان رقاصہ نے بھاگ جانے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پنڈت نے اُسے تسلی دلاسہ دیا اور کہا۔"تم دیوتاؤں کی خواہش کو ٹھکراؤ گی تو تمہارا یہ حسین چہرہ جھریوں سے بھر جائے گا۔ آنکھیں سفید ہو جائیں گی اور کمر جھک جائے گی۔ تم مہاراجہ کے قابل نہیں رہوگی۔ وہ تمہیں جنگل میں چھوڑ آئیں گے.... دیوتا آگئے ہیں۔ آؤ تمہیں دکھاؤں"۔

وہ اُسے دوسرے کمرے میں لے گیا جو خیمہ ہی تھا۔ اُس نے ایک جگہ خشک گھاس ڈال رکھی تھی۔ لکڑی سے گھاس ہٹائی تو ایک گڑھا نظر آیا۔ پنڈت

iqbalmt@oneurdu.com

نے نندیا کو آگے کر کے گڑھا دکھایا۔ اس میں ایک اژدہا کنڈلی مارے ہوئے تھا۔ اس پر رتسہ لپٹا ہُوا تھا۔ نندیا کی دبی دبی سی چیخ نکل گئی۔

"یہ ہیں دیوتا جو ہمارے مہمان ہیں"

"کیا آپ مجھے اس گڑھے میں پھینک دیں گے؟" نندیا نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

پنڈت نے ایک پھول رقاصہ کی ناک سے لگا دیا اور کہا کہ اسے سونگھو۔ یہ مہا دیو کا تحفہ ہے۔ رقاصہ نے پھول سونگھا اور اُس پر غنودگی طاری ہو گئی۔ ذرا سی دیر بعد وہ ڈولنے لگی۔ پنڈت نے اُسے تھام لیا اور دوسرے خیمے میں جا کر لٹا دیا، پھر اُس نے جا کر اژدہا پر گھاس بکھیر کر اُسے چھپا دیا۔

دو تین راتیں گذر گئیں۔ رات کے اندھیرے میں کوئی آدمی سایہ بن کر دبے پاؤں خیموں کے ساتھ ساتھ چلتا اور رُکتا تھا۔ ایک رات وہ پنڈت کے خیمے کے ساتھ جا کھڑا ہُوا اور بیٹھ کر کان خیمے کے ساتھ لگا دیئے۔ وہ خیمے کے اردگرد رینگتا رہا اور رینگتا ہُوا پرے چلا گیا۔ اگلی رات وہ مہاراجہ کے خیموں کے قریب چلا گیا۔ للکار سنائی دی — "کون ہے" — یہ سایہ سا وہیں سے غائب ہو گیا۔ اندھیرے میں سنسناتا ہُوا ایک تیر آیا جو اُس کے قریب سے گذر کر زمین میں جا لگا۔ وہ چوپایوں کی طرح جھاڑیوں میں چلا گیا جہاں سے گیدڑ کی آوازیں سنائی دیں۔ محافظوں نے کہا — "گیدڑ ہے" — انہوں نے تلاش ترک کر دی۔

چند روز بعد مہاراجہ راجیا پال نے دو آدمی بلائے۔ دونوں اعلیٰ حکام تھے اور اُس کے معتمد۔ انہوں نے ہر حال میں مہاراجہ کا ساتھ دیا تھا۔ اب بھی انہوں نے اُسے یقین دلایا تھا کہ ہر مصیبت میں اور اُس کے ہر فیصلے میں اُس کا ساتھ دیں گے۔ اُس نے انہیں کہا کہ وہ قنوج جا کر سلطان محمود کی اطاعت قبول کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنا مستقبل نہیں بنا سکتا۔ مہاراجہ جگر زارین کر باری کو آباد کرنا چاہتا تھا لیکن پنڈت اس کی رانی

اور اس کا بیٹا اس فیصلے کے سخت خلاف تھے۔

مہاراجہ نے اپنا شاہانہ لباس اتار کر بالکل معمولی سے کپڑے پہن لیے۔ ایسا ہی لباس اپنے دونوں ساتھیوں کو پہنایا۔ سر اور چہرے پر گرد ڈال لی۔ وہ تینوں جب یہ بھیس بدل رہے تھے، اُس وقت پنڈت اُس کے خیمے میں آیا لیکن اُسے کوئی دیکھ نہ سکا۔ اُس نے تینوں کو بھیس بدلتے دیکھا تو اُسے شک ہُوا۔ وہ وہیں سے واپس چلا گیا۔ مہاراجہ کا خیمہ سب سے الگ تھلگ اور دُور ہٹا ہُوا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اُسے کسی نے نہیں دیکھا۔

وہ تینوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور دوسری طرف جدھر ویرانہ تھا، نکل گئے۔ قنوج کی طرف جانے کے لیے جنگل میں سے نکلنے کا ایک ہی راستہ تھا جو چٹانوں کے درمیان سے گذرتا تھا۔ وہاں گھنے پودے اور درخت تھے۔ تینوں سوار ایک چٹان کی اوٹ میں جا کر خیمہ گاہ سے اوجھل ہو گئے اور اطمینان سے چلنے لگے۔ وہ جب دو چٹانوں کے درمیان سے گذر رہے تھے تو مہاراجہ کا گھوڑا جو آگے جا رہا تھا، رُک گیا اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ مہاراجہ کے ایک ساتھی نے کہا کہ گھوڑے نے سانپ دیکھ لیا ہے۔ اتنے میں دوسرے دو گھوڑے بھی رُک کر کانپنے لگے۔ گھوڑا اگر سانپ کو دیکھ لے تو بے لگام ہو کر بھاگ اٹھتا ہے یا ایک جگہ رُک کر کانپنے لگتا ہے۔

جھاڑیوں میں سے ایک گرجدار اور بھاری سی آواز سنائی دی — "واپس جاؤ۔ دل کے ارادے دل میں مار دو۔ واپس جاؤ۔ جہاں جا رہے ہو وہاں ذلت کی موت ہے" — یہ آواز رُک رُک کر آئی تھی اور اس کے ساتھ دھیمی سی آواز میں گھنٹیاں بجتی تھیں۔ ان کے بجنے کا خاص انداز تھا جس سے ہر ہندو واقف تھا۔ ایسی گھنٹیاں مندروں میں بجا کرتی ہیں۔

"یہ آواز کسی انسان کی معلوم نہیں ہوتی" — مہاراجہ کے ایک ساتھی نے کہا۔

اچانک ایک گھنے پودے میں سے ایک اژدہا کا سر نظر آیا۔ اژدہا آہستہ آہستہ باہر آ رہا تھا۔ تینوں گھوڑے بدکے اور پیچھے کو بھاگ اٹھنے کی بجائے

iqbalmt@oneurdu.com

دائیں بائیں ہو کر سرپٹ دوڑ پڑے اور بکھر گئے۔ گھوڑے بے لگام ہو گئے تھے تینوں ماہر سوار تھے۔ انہوں نے دماغ حاضر رکھے اور گھوڑوں کو تھک جانے تک دوڑنے دیا۔

اُن کے چلے جانے کے بعد اژدہا ایک اور جھاڑی میں چلا گیا۔ ایک گڑھے میں سے جس پر ہری جھاڑیاں اور گھاس تھی، پنڈت نے سر نکالا۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر وہ اوپر آ گیا اور کھڑا ہو گیا۔ اُس نے ہاتھ اپنے ماتھے پر مارا جیسے اُسے تینوں سوار نکل جانے کا افسوس ہُوا ہو۔ اُس نے آسمان کی طرف دیکھا اور وہیں کھڑا رہا۔

کہیں سے ایک آدمی اُس کے سامنے آ گیا۔ پنڈت اسے پہچانتا تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر محافظ تھا۔ اُس نے نیام سے تلوار نکال لی اور بولا — "سندیا کہاں ہے؟"

"تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟" پنڈت نے اُسے ڈانٹتے ہوئے کہا — "چلے جاؤ یہاں سے ورنہ مہاراجہ سے کہہ کر قتل کرا دوں گا۔"

"تمہاری اور مہاراجہ کی جانیں ہمارے قبضے میں ہیں" — محافظ نے کہا — "میں پوچھتا ہوں تم نے سندیا کو کہاں چھپا رکھا ہے؟ .... میں اس کی قربانی نہیں دینے دوں گا۔ تم یہاں سے زندہ نہیں جا سکو گے پنڈت!"

پنڈت اُسے دیوتاؤں کے قہر سے ڈرانے لگا۔ قریب کی ایک گھنی جھاڑی سے جو پنڈت کے پیچھے تھی۔ اژدہا نے سر نکالا اور آہستہ آہستہ باہر آنے لگا۔ ادھیڑ عمر محافظ نے دیکھا مگر پنڈت کو خبردار نہ کیا۔ اژدہا نے جھپٹ کر پنڈت کی ران منہ میں لے لی۔ پنڈت نے چیخ ماری۔ اژدہا نے اُسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ اژدہا مگرمچھ کی طرح شکار کو چباتا نہیں سالم نگلتا ہے اور اس میں بہت وقت لگتا ہے۔ پنڈت نے چیخ چیخ کر محافظ سے کہا "اسے کاٹ دو۔ اسے تلوار سے کاٹ دو۔"

"یہ تمہارا دیوتا ہے پنڈت جی مہاراج!" — محافظ نے کہا۔ "میں جانتا ہوں یہ کب سے تمہاری قید میں ہے۔ میں مہاراجہ کا وفادار ہوں، تمہارا نہیں۔ مجھے سب معلوم ہے تمہارا دیوتا ہمارے مہاراجہ کو روک نہیں سکا۔"

"مجھے اس سے چھڑاؤ .... آگے آؤ" — پنڈت چلا رہا تھا۔

"سندیا کہاں ہے؟"

"بتا دوں گا" — پنڈت نے درد سے کراہتے ہوئے کہا۔ "اسے کاٹ دو۔"

"سندیا کہاں ہے؟" — محافظ نے کہا۔ "وہ تمہارے لیے ناچنے والی ایک بے معنی لڑکی ہے لیکن میں اسے اپنی بیٹی سمجھتا ہوں۔ وہ یتیم لڑکی ہے جسے میرے ماں باپ نے پالا پوسا اور مہاراجہ کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ مجھے اس بچی کے ساتھ اتنا پیار تھا کہ میں اس کی خاطر مہاراجہ کے پاس آ گیا۔ میں نے مہاراجہ کو تیر اندازی اور تیغ زنی کے جوہر دکھائے تو اس نے مجھے اپنے پاس رکھ لیا۔ میں مہاراجہ کا کم اور سندیا کا محافظ زیادہ ہوں۔"

"میرے پیچھے سے دو سَو قدم پورب کی طرف چلے جانا" — پنڈت نے کہا — "وہاں دو ٹیلوں کے درمیان جاؤ گے تو دائیں ٹیلے میں ایک شگاف دیکھو گے۔ اس میں چلے جانا۔ آگے گُف ہے۔ بہت سجی ہوئی جگہ ہے۔ تم بھی وہیں رہنا چاہو گے۔ تمہیں سندیا وہیں ملے گی .... آگے آؤ بدبخت! مجھے اس سے چھڑاؤ!"

"تم اپنی ریاکاری کا شکار ہو رہے ہو" — محافظ نے کہا۔ "تمہاری اپنی فریب کاریاں تمہیں نگل رہی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ اژدہا ہے دیوتا نہیں ہے" — محافظ نے قہقہہ لگایا اور تلوار نیام میں ڈال کر وہاں سے اُس سمت دوڑ پڑا جو اُسے پنڈت نے بتائی تھی۔

اژدہا نے پنڈت کو زمین پر بار بار پٹخا اور اس کی ران چھوڑ کر اس کا سر اپنے منہ میں لے لیا۔ پنڈت بے ہوش ہو چکا تھا۔ اژدہا اُسے اچھال اچھال کر

iqbalmt@oneurdu.com

نگلنے لگا۔

ادھر محافظ نے گھوڑا کہیں دور کھڑا کر رکھا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور اُس جگہ پہنچا جو اُسے پنڈت نے بتائی تھی۔ نشانیاں بڑی صاف تھیں۔ وہ ٹیلے کے شگاف میں داخل ہو گیا۔ آگے خاصی کھلی گُف تھی جس کے فرش پر مخمل جیسا کپڑا بچھا تھا۔ کچھ مورتیاں رکھی تھیں اور لوبان سلگ رہا تھا۔ نوجوان رقاصہ نے محافظ کو یوں دیکھا جیسے اُسے پہچانتی ہی نہ ہو۔ محافظ پرانی عمر کا تجربہ کار آدمی تھا۔ اُسے شک ہوا کہ سندیا کسی دوائی کے اثر میں ہے ورنہ یہاں سے اکیلی کہیں نکل جاتی۔ محافظ نے سندیا کو بلایا تو وہ مسکرائی۔

محافظ نے وقت ضائع نہ کیا۔ وہ تنومند آدمی تھا۔ اُس نے سندیا کو اُٹھا کر کندھے پر ڈال لیا اور باہر لے جا کر گھوڑے پر سوار کیا۔ خود بھی سوار ہوا اور جنگل کو نکل گیا۔

مہاراجہ راجیپال کا بیٹا لچھمن پال اپنے باپ کو ڈھونڈھ رہا تھا۔ وہ پنڈت کے خیمے میں گیا۔ پنڈت وہاں نہیں تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ پنڈت نے سندیا کو کہاں رکھا ہوا ہے۔ وہاں گیا تو وہاں سندیا نہیں تھی۔ واپس خیمہ گاہ میں آیا تو ایک ملازم نے اُسے بتایا کہ پنڈت کو اُس نے فلاں طرف جاتے دیکھا تھا۔ وہ بہت بڑی گٹھڑی کو گھسیٹ کر لے جا رہا تھا۔ لچھمن پال اُدھر گیا۔ اُسے گٹھڑی گھسیٹنے کے نشان نظر آ رہے تھے۔ یہ نشان اُسے وہاں تک لے گئے جہاں اژدہا پنڈت کو آدھے سے زیادہ نگل چکا تھا۔ پنڈت کی ٹانگیں اژدہا کے منہ سے باہر تھیں۔

لچھمن پال نے تلوار نکالی اور اژدہا کو دو حصوں میں کاٹ دیا مگر پنڈت جس شکنجے میں آ چکا تھا اس سے نہ نکل سکا۔ وہ بے حس ہو چکا تھا۔ کبھی کا مر گیا تھا۔ لچھمن پال نے دیکھا کہ وہاں ایک موٹا کپڑا پڑا تھا اور ایک رسّہ بھی تھا۔ اُس نے رسّے کا یہ ٹکڑا پہچان لیا۔ جس رات اژدہا غار میں آیا تھا، لچھمن پال وہیں تھا۔ رسّے کا یہ ٹکڑا اُسی نے پنڈت کو دیا تھا۔ اُس نے اژدہا کو بھی

پہچان لیا لیکن سمجھ نہ سکا کہ یہ قصہ کیا ہے اور ہُوا کیا ہے۔

مہاراجہ راجیپال بہت دُور جا کر اپنے ساتھیوں سے ملا۔ اُن کے گھوڑے بے لگام اور سرپٹ دوڑ دوڑ کر شل ہو گئے تھے۔ اس سے سواروں کو یہ فائدہ پہنچا کہ پورے دن کی مسافت آدھے دن میں طے ہو گئی۔ وہ قنوج کی طرف صحیح سمت پر جا رہے تھے۔

محافظ دن بھر سندیا کو لیے لیے پھرتا اور اُسے دوائی کے اثر سے نکالنے کی کوشش کرتا رہا۔ شام کے بعد سندیا اپنے آپ میں آنے لگی اور اُس نے اس طرح باتیں کیں جیسے خواب سے بیدار ہوئی ہو۔ پنڈت نے کسی دوائی کے ذریعے اس کے دماغ کو ماؤف کر رکھا تھا۔ اُسے اتنا ہی اچھی طرح یاد تھا کہ پنڈت نے اُسے کہا تھا کہ وہ دیوتاؤں کو راضی کرنے کے لیے اُس کی جان کی قربانی دے گا۔ باقی سب باتوں کو وہ خواب کی باتیں سمجھتی تھی۔

"پنڈت خود دیوتا کا نوالہ بن گیا ہے" — محافظ نے اُسے بتایا — "اُس نے ایک اژدہا پکڑ رکھا تھا۔ اُس سے وہ مہاراجہ کا راستہ روکنا چاہتا تھا مگر اژدہا نے اُسی کو کھا لیا۔"

"مہاراجہ کہاں ہیں؟"

"قنوج گئے ہیں" — محافظ نے جواب دیا۔ "مسلمانوں سے صلح کریں گے۔"

"مسلمانوں سے صلح کرنے گئے ہیں؟" — سندیا نے حیران ہو کے کہا۔

"ہاں!" — محافظ نے جواب دیا — "ان کی سلامتی اسی میں ہے۔ میری طرح وہ بھی سمجھ گئے ہیں کہ پنڈتوں کا یہ مذہب اُن کا اپنا فریب ہے اور میدانِ جنگ میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ مہاراجہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے مندروں کو تباہ و برباد کر دیا ہے تو ہمارے دیوتاؤں نے اُن کا کیا بگاڑ لیا ہے؟"

"تم بھی اپنے مذہب کے خلاف ہو گئے ہو؟" — سندیا نے پوچھا۔

"ہمارا مذہب کیا ہے سندیا؟" — اُس نے جواب دیا — "راجوں مہاراجوں

کو خوش کرنا اور اُن کی جان بچانے کے لیے اپنی جان دے دینا ہمارا مذہب ہے ... مگر یہ باتیں ہمارے سوچنے کی نہیں۔ ہمیں اب یہ سوچنا ہے کہ جائیں کہاں ... کالنجر قریب ہے۔ ڈیڑھ دن کا سفر رہ گیا ہے۔ وہاں کے دربار میں تمہیں اور اپنے آپ کو پیش کروں گا۔ کسی نے قبول کر لیا تو وہیں رہیں گے۔ نہیں تو کہیں اور چلے چلیں گے۔"

انہوں نے وہ رات سفر میں گذاری۔ اگلی صبح وہ کالنجر کے قریب پہنچ گئے تھے ۔ اور اُس صبح مہاراجہ راجیا پال قنوج میں داخل ہُوا۔ اُس کے دو نوکر ساتھ تھے۔ تینوں کے حلیئے عام سی قسم کے مسافروں جیسے تھے۔ مہاراجہ نے اپنی راجدھانی دیکھی تو اسے دھچکہ سا لگا۔ شہر اُجڑا اُجڑا تھا اور بعض مکان جلے ہوئے تھے۔ مہاراجہ آگے بڑھتا گیا اور بڑے مندر کے سامنے گھوڑے سے اُترا۔ کسی نے اُس کی طرف آنکھ اٹھا کے بھی نہ دیکھا۔ وہ مندر کے چبوترے پر چڑھ گیا۔ مندر خاموش تھا۔ وہاں بدبُو سی تھی۔ یہاں تو خوشبو ہُوا کرتی تھی۔ اندر گیا تو مندر ویران تھا۔ نہ کوئی بُت نہ مُورتی۔ یہ تو اُجڑی ہوئی سرائے لگتی تھی۔ وہ اندرونی کمروں میں گیا۔

"میں کچھ نہیں سمجھ سکتا" — اُس نے جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں کچھ نہیں جانتا۔ کیا یہ دیوتاؤں کا قہر ہے کہ ہم اجڑے۔ ہمارا شہر اُجڑا؟ ... کیا یہ میرا جرم ہے؟ ... میں نہیں جانتا کون جھوٹا ہے اور کون سچا ہے۔ یہاں تو بھجنوں میں دیوتاؤں کے ساتھ میرا نام بھی لیا جاتا تھا۔"

"سچا وہ خدا ہے جو بھجنوں اور گھنٹیوں سے بے نیاز ہے" — اُس کے عقب سے آواز آئی۔

مہاراجہ نے گھوم کے دیکھا۔ ایک آدمی اُس کی زبان بول رہا تھا۔ "کیا قنوج کا مہاراجہ اپنے جاہ و جلال کے اور اپنے باطل مذہب کے کھنڈرات دیکھ رہا ہے؟ ... کیا مہاراجہ عبرت حاصل کرنے آیا ہے؟"

"اوہ، تم؟ سنگرام؟" — مہاراجہ نے اس آدمی کو پہچانتے ہوئے پوچھا

— "تم یہیں ہو؟ کیا کر رہے ہو؟"

"جو لوگ بہروپ میں آتے ہیں انہیں اصلی روپ میں لانے کا کام کرتا ہوں" — سنگرام نے کہا — "میں اب سنگرام نہیں عثمان ہوں۔ مسلمان ہو گیا ہوں۔ آپ مجھے غدار کہہ سکتے ہیں مگر مہاراجہ خود ہی قوم سے غداری کر جائے تو ...!"

"میں کسی کو غدار کہنے نہیں آیا" — مہاراجہ نے کہا — "غزنی کے سلطان سے ملنے آیا ہوں۔"

"سلطان غزنی جا چکا ہے" — عثمان نے کہا۔ "یہاں سالار ابوالقدر سلجوقی ہے۔"

"اُس کے پاس لے چلو۔"

سالار ابوالقدر سلجوقی کو جب بتایا گیا کہ یہ شخص مہاراجہ قنوج ہے تو اُس نے یقین نہ کیا۔ اُسے یقین دلایا گیا تو اُس نے پوچھا کہ مہاراجہ کیوں آیا ہے؟

"سلطان کی اطاعت قبول کرنے آیا ہوں" — مہاراجہ نے کہا — "آپ چاہیں تو مجھے قید کر لیں، چاہیں تو قتل کر دیں۔"

"میں ایک مہاراجہ کو اس حلیئے میں نہیں دیکھ سکتا" — ابوالقدر سلجوقی نے کہا — "اگر آپ کے کپڑے خون آلود ہوتے تو میں اور زیادہ خوش ہوتا کہ آپ اپنے ملک کے لیے لڑے ہیں مگر آپ میرے پاس آ گئے ہیں۔ میں آپ کا احترام کرتا ہوں" — ابوالقدر نے حکم دیا — "مہاراجہ کو غزنی کے اُمراء کا لباس پہنا کر لایا جائے اور ان کے ساتھیوں کو عزت سے رکھا جائے۔"

کچھ دیر بعد مہاراجہ نہا دھو کر نہایت اچھی پوشاک میں ابوالقدر کے سامنے آیا۔ ابوالقدر نے اُس سے پوچھا کہ اس کے پاس ہے کیا جس کے بل بوتے پر وہ اپنے آپ کو قیدی نہیں سمجھتا اور اطاعت قبول کرے گا؟

"آپ کو یہاں خزانہ خالی ملا ہو گا" — مہاراجہ راجیا پال نے کہا۔ "وہ تمام

iqbalmt@oneurdu.com

خزانہ میرے پاس ہے۔ میرے پاس باری نام کی اور جگہ ہے اور وہاں کچھ فوج بھی ہے۔ اگر آپ مجھے یقین دلا دیں کہ باری میں مجھے اپنی ریاست قائم کرنے دیں گے تو میں تاوان بھی ادا کردوں گا اور باج بھی اور میں دوستی کا معاہدہ بھی کردوں گا۔"

"آپ بھاگے کیوں تھے؟" ـــ ابوالقدر نے پوچھا۔

"میں اس سوال کا جواب نہیں دوں گا" ـــ مہاراجہ نے کہا۔ "کیونکہ یہ خوشامد ہوگی۔ میں نے اپنے دیوتاؤں کی بھی کبھی خوشامد نہیں کی۔"

"کیا آپ اسلام قبول کریں گے؟"

"میں مذہب کے نام سے بیزار ہوں" ـــ مہاراجہ نے جواب دیا۔ "میں آپ کے سلوک سے اس قدر متاثر ہوا ہوں کہ کسی دن میرا دل مجھے کہے گا کہ اسلام قبول کرلو لیکن ابھی آپ میری درخواست پر غور کریں۔"

"میں سلطانِ غزنی کے نام پر آپ کی درخواست قبول کرتا ہوں" ـــ ابوالقدر نے کہا ـــ "آپ اپنی نئی ریاست قائم کرلیں۔ میرے کچھ عسکری حکام باری جاکر جائزہ لیں گے کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ تحریری معاہدہ ابھی ہوجائے گا۔ تاوان اور باج سلطانِ غزنی مقرر کریں گے۔ قاصد آج ہی روانہ ہوجائے گا۔"

ادھر نندیا اپنے محافظ کے ساتھ کالنجر پہنچ گئی۔ محافظ نے مہاراجہ کالنجر کو یہ خبر سنائی کہ مہاراجہ راجیا پال غزنی کی اطاعت قبول کرنے کے لیے قنوج چلا گیا ہے۔ مہاراجہ کالنجر گنڈہ تڑپ اٹھا۔ اُس نے اُسی وقت راجہ ارجن (گوالیار) کے نام پیغام لکھوا کر بھیج دیا جس میں لکھا کہ وہی ہُوا جس کا ڈر تھا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ راجیا پال کے قتل کا انتظام کیا جائے اور راجہ بھیم پال نڈر سے مل کر سلطان محمود کو ہمیشہ کے لیے ختم کیا جائے۔

غزنی کی آبرو

۴۰۹ ہجری (۱۰۱۹۔۲۰ عیسوی) کے حج میں چند مہینے باقی تھے۔ حج کو جانے والوں کے قافلے تیار ہو رہے تھے۔ ہر علاقے کے سینکڑوں لوگ اکٹھے ہو جاتے اور گھوڑوں، خچروں اور اونٹوں پر اور پیدل قافلے کی صورت میں حج کو چلا کرتے تھے۔ ان قافلوں میں تاجر بھی شامل ہو جایا کرتے تھے۔ بعض مسافر اپنے بیوی بچوں کو بھی ساتھ رکھتے تھے۔ قافلہ جتنا چھوٹا ہوتا تھا، اس پر ڈاکوؤں کے حملے کا اتنا ہی زیادہ خطرہ ہوتا تھا، اس لیے قافلے بہت بڑے ہوتے تھے۔ جوں جوں قافلے بڑھتے جاتے تھے ان میں مسافر شامل ہوتے جاتے تھے۔

اس کے مطابق ڈاکوؤں نے بھی اپنے گروہوں کی نفری بڑھالی تھی۔ آگے چل کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور میں صلیبیوں نے اپنے فوجی دستوں سے حاجیوں کے قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا تھا۔ معروف مؤرخ محمد قاسم فرشتہ نے بہت سے مؤرخوں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ حماد بن علی نام کا ایک عرب سلطان محمود غزنوی کے دور کا طاقتور رہزن تھا۔ اُس نے عرب ممالک کے پسماندہ قبائل میں سے اپنا ایک گروہ بنا رکھا تھا جو قافلوں کو لوٹتا تھا۔ اس کا یہ گروہ ایک فوج بنتا جا رہا تھا۔ وہ عرب ملکوں میں حاجیوں کے قافلوں کو روکتا اور مال و دولت اور نوجوان لڑکیاں اڑا لے جاتا تھا۔ دو تین قافلے غزنی کے بھی لوٹے گئے تھے۔ محمود غزنوی کو اطلاع ملی تھی لیکن اُسے

iqbalmt@oneurdu.com

ہندوستان کی جنگیں اور اپنے ہاں کی خانہ جنگی مہلت نہیں دیتی تھی کہ ڈاکوؤں کے انسداد کے لیے کچھ کرتا۔ اس کے علاوہ غزنی کے قافلے عرب کے دور دراز علاقوں میں لوٹے گئے تھے جو سلطان محمود کی دسترس سے باہر تھے۔

فرشتہ نے اُس دور کی تحریروں کی شہادت پر لکھا ہے کہ سلطان محمود کے دور میں القادر باللہ عباسی خلیفہ تھا اور خلافت کی گدی بغداد میں تھی۔ خلافت اب اقتدار کی گدی بن کر رہ گئی تھی۔ القادر باللہ ایک علاقے کا حکمران بھی تھا جس کے دفاع اور توسیع کے لیے وہ کوشاں رہتا تھا۔ اس کی یہ کوشش درپردہ ہوتی تھیں۔ اقتدار پرستی اور شہنشاہیت کے لیے جھوٹ اور فریب ضروری ہوتا ہے، چنانچہ خلیفہ بعض سازشوں کا خالق تھا۔ سلطان محمود کے ساتھ بھی اُس کی ایک ٹکر ہو چکی تھی۔ مورخ لکھتے ہیں کہ خلیفہ القادر باللہ کو معلوم تھا کہ عرب کے بعض قبائل جو بدّو کہلاتے ہیں، حماد بن علی کی قیادت میں قافلوں کو لُوٹتے ہیں لیکن خلیفہ دانستہ نگاہیں پھیرے ہُوئے تھا۔

انہی دنوں جب ہر علاقے میں حاجیوں کے قافلے تیار ہو رہے تھے، بغداد میں حماد بن علی خلیفہ کے ایک سالار کے گھر میں بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ دو بڑی حسین لڑکیاں تھیں جو کچھ دیر وہاں خاموش بیٹھی رہیں۔ سالار انہیں دیکھتا اور مسکراتا رہا۔ ان لڑکیوں کے علاوہ حماد بن علی کچھ اور تحفے بھی لایا تھا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکیاں اور تحفے کسی اور کمرے میں چلے گئے۔ سالار اور حماد اکیلے رہ گئے۔

"خلیفہ کے مزاج کیسے ہیں؟" — حماد نے پُوچھا۔ "حج کا موسم آ رہا ہے۔"

"خلیفہ کے مزاج پہلے کی طرح میرے ہی ہاتھ میں ہیں" — سالار نے جواب دیا — "مجھے معلوم تھا حج سے پہلے تم آؤ گے۔ ہمارا حصہ ہمیں مل جائے۔ خلیفہ کی پرواہ نہ کرو۔ اُسے خلافت کی گدی سے پیار ہے اور اُسے ایسے مشیروں اور درباریوں کی ضرورت ہے جو اسے یقین دلاتے رہیں کہ وہ ساری دنیا کا بادشاہ ہے اور اُس کی رعایا اُس سے بہت خوش ہے۔ یہ کام ہم

کر رہے ہیں۔ اس کی نظر میں تم بہت بڑے تاجر ہو جس کی تجارت غزنی سے ہندوستان اور مصر تک پھیلی ہُوئی ہے۔"

"اب میں اپنی تجارت غزنی تک پھیلانا چاہتا ہُوں" — حماد بن علی نے کہا — "وہاں سے مجھے خبر ملی ہے کہ سینکڑوں آدمیوں کا قافلہ حج کے لیے آ رہا ہے۔ اس کی تعداد بڑھتی جائے گی۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس قافلے میں ہندوستان کی دولت آ رہی ہے ... کیا یہ صحیح ہے کہ غزنی کا سلطان محمود ہندوستان کے خزانے خالی کر لایا ہے؟"

"اُس کے تحفے خلیفہ کے پاس بھی پہنچ چکے ہیں" — خلیفہ کے سالار نے جواب دیا — "یہ صحیح ہے کہ سلطان محمود ہندوستان سے اتنے زر و جواہرات اور درہم و دینار لایا ہے جو تمہارے اور میرے تصوروں میں بھی نہیں آ سکتے۔"

"اور مجھے بتایا گیا ہے کہ اُس نے اپنی فوج کو مالِ غنیمت سے مالا مال کر دیا ہے" — حماد نے کہا — "ان فوجیوں کے لواحقین حج کے لیے آ رہے ہیں۔ ہندوستان کا قیمتی سامان ان کے ساتھ آ رہا ہے جو ہماری منڈیوں میں فروخت ہو گا۔ قافلے کے ساتھ غزنی کے وہ تاجر بھی آ رہے ہیں جنہوں نے سُلطان کی فوج سے سامان خریدا ہے۔ ایسا قافلہ اس سے پہلے میرے ہاتھ کبھی نہیں آیا تھا۔ اب میری توجہ اسی قافلے پر مرکوز ہے۔ میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہُوں کہ آپ مجھے یقین دلائیں کہ میں اس قافلے پر ہاتھ ڈالوں تو خلیفہ میری گردن نہیں پکڑے گا۔ میں جانتا ہوں کہ خلیفہ سلطان محمود سے ڈرتا ہے۔"

"کیا میں نے تمہیں بتایا نہیں کہ خلیفہ تمہیں تاجر سمجھتا ہے؟" — سالار نے کہا — "کون جان سکے گا کہ غزنی کے قافلے کا تم نے صفایا کیا ہے؟ ... ہاں تمہیں ایک احتیاط کرنی پڑے گی۔ قافلہ بہت بڑا ہے اس لیے تمہارے ساتھ بہت سے آدمی ہونے چاہئیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلطان محمود قافلے کے ساتھ فوج کا ایک دستہ بھی بھیج دے۔ وہ پکا مسلمان

iqbalmt@oneurdu.com

ہے اور سنا ہے کہ وہ حج کے لیے جانے والوں اور حج سے واپس آنے والوں کا بہت احترام کرتا ہے اور انہیں ہر طرح کی سہولت دیتا ہے۔"

"اب تو میں بھی فوج اکٹھی کر سکتا ہوں"— حماد بن علی نے کہا — "تمام قبیلے میرے زیرِ اثر ہیں۔ میں سات آٹھ سو لشکری بڑی آسانی سے لے آؤں گا۔ کیا آپ ان قبیلوں سے واقف نہیں؟ .... اور پھر میں آمنے سامنے آکر للکار کر تھوڑے ہی لڑوں گا۔ میں گھات لگاؤں گا۔"

"کسی پہاڑی علاقے میں؟"— سالار نے جواب دیا۔

"نہیں۔ کید کے ریگستان میں"— حماد نے جواب دیا — "آپ کیسے سالار ہیں؟ کیا آپ ریگستان کی گھات نہیں جانتے؟ جب قافلے پر اچانک حملہ ہوگا تو قافلے والے ادھر اُدھر بھاگیں گے۔ انہیں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں ملے گی۔ میں کید کے ریگستان سے واقف ہوں۔ ایک علاقہ ریتیلے ٹیلوں کا ہے۔ اس کی بھول بھلیوں سے صرف ہمارے قبیلے واقف ہیں۔ کوئی اجنبی ان میں پھنس جائے تو اُسے باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا۔ اس علاقے میں غزنی کی فوج بھی نہیں لڑ سکتی۔ میرے ساتھ جو قبائل ہیں وہ انسان نہیں جن ہیں .... آپ مجھے خلیفہ سے ملوا دیں۔ اس کی خدمت میں بھی کچھ پیش کر دوں۔"

خلیفہ القادر باللہ عباسی اپنے خاص کمرے میں بیٹھا تھا اور اُس کا سالار جو اُس کا منظورِ نظر تھا اُسے بتا رہا تھا کہ حماد بن علی اُس سے ملنے آیا ہے۔ وہ تحفے جو حماد لایا تھا، خلیفہ کے سامنے پڑے تھے۔ سالار نے حماد کی بہت تعریف کی اور خلیفہ کو بتایا کہ حماد بن علی بڑے کام کا آدمی ہے۔ وہ تمام سرکش قبائل کو آپ کی خلافت کا غلام بنا رہا ہے اور آپ کے لیے وہ ان قبائل میں سے فوج تیار کر رہا ہے۔ جب کبھی ہمیں ضرورت پڑی، یہ قبائل ہمارے دوش بدوش لڑیں گے۔"

"یہ قبائل سرکش اور خودسر ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ قافلوں کو لوٹتے ہیں اور

iqbalmt@oneurdu.com

لڑکیاں بھی اٹھا لے جاتے جنہیں وہ بیچ ڈالتے ہیں۔"

"یہ اُن لوگوں کا بہتان ہے جو حماد کی مقبولیت اور طاقت سے خوفزدہ ہیں اور حسد کرتے ہیں"— سالار نے چاپلوسی کا کمال دکھاتے ہوئے کہا — "ہر وہ انسان جو لوگوں میں مقبول ہے وہ حاسدوں کے دل کا کانٹا سمجھا جاتا ہے۔ آپ کے بھی دشمن ہیں۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ آپ کی رعایا آپ کا نام سن کر سجدہ ریز ہو جاتی ہے تو وہ جلتے اور کڑھتے ہیں۔ حماد بن علی نے تمام سرکش قبائل کو اپنا مرید بنا رکھا ہے اور خود آپ کا مرید ہے۔ وہ تمام قبائل کو آپ کا مرید بنا چکا ہے۔"

"امیر المومنین!"— ایک اور درباری حاکم جو سالار کا ہی آدمی تھا، بول پڑا — "اس عمر میں بھی آپ کا چہرہ مبارک جوانی کے خون سے دمک رہا ہے۔ حماد بن علی آپ کے لیے جو تحفہ لایا ہے، وہ آپ رات کو اپنے حرم میں دیکھ لیں گے۔"

"اور آپ اس تحفے کے قابل ہیں"— سالار نے کہا — "آپ حماد کو شرفِ باریابی بخشیں۔ وہ باہر انتظار کر رہا ہے۔"

"اسے انتظار میں باہر کیوں کھڑا رکھا گیا ہے"— خلیفہ نے ساری دنیا کے بادشاہ کی طرح جلالی سے لہجے میں کہا — "ایسے آدمی کو ہم اپنے برابر بٹھائیں گے۔"

فوراً حماد بن علی کو حاضر کیا گیا۔ وہ وجیہہ عرب تھا۔ چہرہ لال اور آنکھیں شربتی رنگ کی تھیں۔ ادھیڑ عمر تھا لیکن لگتا جوان تھا۔ اُس کے چہرے پر اُن عربوں کا جلال تھا جنہوں نے رومیوں اور زرتشتوں کو گھٹنوں بٹھا دیا اور اسلام کا پرچم سمندر پار یورپ میں جا گاڑا تھا۔ حماد کے بازو لمبے اور کندھے سیدھے اور گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ جب اندر آیا تھا تو اُس کے قدموں کے نیچے زمین ہلتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر تبسم تھا اور وہ مردانہ وقار کا شاہکار تھا۔ اُس کی آنکھوں کی چمک میں ہوس

کے چہرے کی دمک میں اور اُس کے ظاہری جاہ وجلال میں شائبہ تک نہ ملتا تھا کہ یہ شخص لٹیرا اور قاتل ہے۔

خلیفہ اُٹھ کھڑا ہوا اور ہاتھ حماد کی طرف بڑھا کر بولا۔ "آگے آؤ حماد بن علی! خدا کی قسم! ہمیں تمہارے چہرے پر لکھا نظر آتا ہے کہ تم قصرِ خلافت کے پاسبان ہو۔ لوٹ مار کرنے والے وحشی قبائل کو لگام ڈال کر تم نے خلافت پر اور اسلام پر عظیم احسان کیا ہے۔"

"میں آپ کی رعایا ہوں یا امیرالمومنین!" حماد نے کہا۔ "رعایا میں کون ایسا فرد ہے جو آپ کی عبادت نہیں کرتا؟ آپ نے ٹھیک فرمایا ہے کہ میں قصرِ خلافت کا پاسبان ہوں۔ میں اپنی جان اور صحرائی قبیلوں کی وفاداری پیش کرنے آیا ہوں۔"

خلیفہ نے حماد کو یوں اپنے برابر بٹھا لیا جیسے کسی نے سانپ اپنی آستین میں ڈال لیا ہو۔

یہ ۲۰۔۱۰۱۹ء کا دَور تھا جب سپین اُندلس کہلاتا تھا اور وہاں اسلامی پرچم لہرا رہا تھا مگر سرنگوں ہوتا جا رہا تھا۔ قرطبہ سازشوں کا اور اقتدار پرست پہلوانوں کا اکھاڑہ بن چکا تھا۔ طارق بن زیاد کی ہڈیاں خاک ہو چکی تھیں اور اُس کی روح اُس اُندلس کے لیے تڑپ رہی تھی جسے فتح کرنے کے لیے اُس نے سمندر پار کر کے کشتیاں جلا ڈالی تھیں تاکہ واپسی کا تصوّر ہی مٹ جائے۔ وہ اُندلس، وہ طارق بن زیاد کا اُندلس ویسے ہی چاپلوس مشیروں اور درباری خوشامدیوں کی بھینٹ چڑھ رہا تھا جیسے بغداد کے قصرِ خلافت میں بھی موجود تھے۔ اُن دنوں جب بغداد میں ایک لٹیرا اور صحرائی قزاق خلیفہ کے دربار میں ایک معزز تاجر کے بہروپ میں پیش کیا گیا تھا، سپین کے حکمران چچا کا بھتیجا اُس کے خلاف لڑ رہا تھا۔ یہ خانہ جنگی تھی۔ وہاں خلافت وجہِ پیکار بنی ہوئی تھی۔ جو کوئی خلافت کی گدی پر بیٹھ جاتا وہ ہر اُس آدمی کو قتل کرانے کی درپردہ

کوشش کرتا تھا جس سے اُس کے اقتدار کو خطرہ ہوتا تھا۔ اس کے باوجود اُس کے خلاف سازشیں ہوتی تھیں۔

خوشامدیوں اور چاپلوسوں کا ایک ٹولہ تھا جو ہر خلیفہ کی مدح سرائی کرتا اور اُس پر غالب آ جاتا تھا۔ دشمن سلطنتِ اسلامیہ کی جڑوں میں اُتر کر اُسے چوہوں کی طرح کھا رہے تھے۔ غدّاروں کے وارے نیارے تھے۔ نااہل اور بددیانت لوگ عہدے اور رُتبے حاصل کرنے لگے اور جو عہدوں اور رُتبوں کے اہل تھے وہ مشتبہ، تخریب کار اور شرپسند کہلانے لگے۔ اہلِ قلم بھی اپنا ایمان اور صداقت نیلام کر بیٹھے اور اندلس میں اسلام کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔

اِدھر خلافتِ بغداد بھی شخصی حکومت کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ وزیر اور مشیر مفاد پرستی کے شکار ہو گئے، اور صحرائی قزاق معززین میں شمار ہونے لگے تھے۔ حماد بن علی ایسے ہی افراد میں سے تھا۔ ایک سلطان محمود غزنوی تھا جو اسلام کی مشعل اٹھائے ہند کے بت خانے میں جان کی بازی لگائے ہوئے تھا۔ اسی لیے وہ اقتدار کے بھوکے لوگوں کے دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔

حماد بن علی کے ساتھ چار محافظ تھے جن میں ایک وجیہہ تُرک ارتگین تھا۔ وہ کوئی ایک سال پہلے حماد کے گروہ میں شامل ہوا تھا اور حماد کا قابلِ اعتماد محافظ بن گیا تھا۔

جس طرح ہر اسلامی مملکت میں حج پہ جانے والوں کے قافلے تیار ہو رہے تھے، ایسا ایک قافلہ غزنی میں بھی تیار ہو رہا تھا۔ تیاری یہ تھی کہ قافلے میں زیادہ سے زیادہ لوگ شامل ہو جائیں تاکہ قزاقوں اور رہزنوں سے محفوظ رہیں۔ قافلے میں تاجر بھی شامل ہو رہے تھے۔ گردونواح کے لوگ بھی غزنی میں جمع ہو رہے تھے۔ اونٹوں گھوڑوں اور بیلوں کی خرید و فروخت ہو رہی تھی۔ بیل اور گھوڑا گاڑیاں تیار ہو رہی تھیں۔ یہ میلے کا

iqbalmt@oneurdu.com

منظر تھا۔ اس میلے میں حماد بن علی کے آدمی بھی گھوم پھر رہے تھے۔ وہ جائزہ لے رہے تھے کہ قافلے کے ساتھ کتنا مال جا رہا ہے اور جو لوگ ساتھ جا رہے ہیں وہ مزاحمت کے قابل ہیں یا نہیں۔

قافلے کو ڈیڑھ ایک ماہ بعد روانہ ہونا تھا۔ عرب کے صحرا میں کہیں ایک نخلستان تھا ——— وسیع اور سرسبز ——— وہاں خیمے لگے ہوئے تھے۔ مشعلیں جل رہی تھیں۔ خیموں کا ایک شہر آباد ہو گیا تھا۔ خیموں سے ذرا پرے سو سو آدمی گول دائرے میں زمین پر بیٹھے تھے۔ ایک جگہ قالین بچھے تھے۔ ان پر حماد بن علی بیٹھا تھا۔ وہاں بھی مشعلیں اور قندیلیں جل رہی تھیں۔ گول دائرے میں ایک رقاصہ ناچ رہی تھی۔ تین چار خوبصورت اور جوان عورتیں حماد کے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمیوں کو شراب پیش کر رہی تھیں۔ ان کے کندھے، سینے اور نصف پیٹھیں ننگی تھیں۔ انہوں نے جو لمبے فراک پہن رکھے تھے ان پر ستارے سے چمک رہے تھے۔ ان عورتوں کی چال ایسی تھی جیسے ریت پر تیر رہی ہوں۔ مہمانوں کے آگے سالم بکرے روسٹ کر کے رکھے ہوئے تھے۔

رقاصہ کا رقص اور اس کے ساتھ صحرائی ساز وجد آفریں تھے۔ یہ الف لیلیٰ کی ایک بڑی ہی حسین اور پُراسرار رات تھی۔ صحرا کا یہ حصہ عام گزرگاہ سے بہت دُور تھا۔ یہ حماد بن علی کی دنیا تھی اور اس دنیا میں جو ریت کے سمندر میں جزیرے کی مانند تھی، اسی کی بادشاہی تھی۔ اُس کے پاس بیٹھے ہوئے لوگ عرب کے سرکش اور آزاد قبائل کے سردار اور سرکردہ لوگ تھے۔ ان کے انداز بتا رہے تھے کہ یہ کسی قانون کے پابند نہیں اور ان کے دلوں میں خدا کا خوف بھی نہیں۔ اس محفل میں اتنی حسین لڑکیاں کسی اور ہی جہان کی مخلوق لگتی تھیں۔

رات شراب اور عیاشی میں بہتی، ڈوبتی اور ابھر ابھر کر ڈوبتی گزر گئی۔ سورج ابھرا تو یہ لوگ سو گئے، اور جب سورج صحرا کو جھلساتا ہوا ڈوب گیا تو یہ پُراسرار لوگ

iqbalmt@oneurdu.com

جاگ اُٹھے اور اُسی کھلی جگہ جا بیٹھے جہاں رات رقص اور شراب کی محفل جمی تھی مگر آج رات وہاں کوئی رقاصہ نہیں تھی۔ شراب پلانے والی عورتیں موجود تھیں۔

"میرے عزیز دوستو!" حماد بن علی نے سب سے مخاطب ہو کر کہا ——— "حاجیوں کے کئی قافلے چلنے والے ہیں اور دُور کے قافلے چل بھی پڑے ہوں گے مگر ایک بہت بڑا شکار آ رہا ہے۔ یہ غزنی کا قافلہ ہے۔ اس کے ساتھ ہندوستان کا مالِ غنیمت آ رہا ہے۔ تم نے اس سے پہلے غزنی کے قافلے مارے ہیں مگر اتنا مال ہاتھ نہیں آیا تھا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ اب جو قافلہ آ رہا ہے وہ کئی برسوں کے لیے مالا مال کر دے گا مگر اس قافلے پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں ہوگا۔ قافلے میں ڈیڑھ ہزار سے زیادہ لوگ ہوں گے۔ سب مسلح ہوں گے اور ان میں فوجی بھی ہوں گے۔ اس قافلے پر چند ایک آدمیوں کا گروہ ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ ہم سب کو مل کر ایک فوج کی طرح حملہ کرنا ہوگا ... کیا تم لوگ مجھے بتا سکتے ہو کہ ہر ایک کتنے آدمی اپنے ساتھ لا سکتا ہے؟"

"ایک ہزار" ——— ایک نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"چھ سو" ——— ایک اور نے کہا۔

"چار سو"

ہر ایک نے بتایا کہ وہ کتنے آدمی لا سکتا ہے۔ یہ تعداد پانچ ہزار بن گئی۔

"یہ یاد رکھو کہ ہمیں پانچ ہزار قزاق نہیں سپاہی درکار ہیں" ——— حماد بن علی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے ہمیں ایسی ضرورت پیش نہ آئے لیکن ہمیں باقاعدہ لڑائی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ میں بغداد سے آ رہا ہوں۔ مجھے خلیفہ کے ایک سالار نے بتایا ہے کہ غزنی کا سلطان جس کا نام محمود ہے، حاجیوں کی بہت عزت کرتا ہے اور ان کا بہت خیال رکھتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اتنے بڑے قافلے کے ساتھ فوج کا ایک دستہ بھیج دے"

ہر سردار نے پُرجوش آواز میں حماد کو یقین دلایا کہ وہ اپنے ساتھ ایسے جنگجو لا رہا ہے جو غزنی کی فوج کو کاٹ کر رکھ دیں گے۔

"اگر تم واقعی سپاہی بن کر آؤ گے تو تمہیں ایک اور انعام ملے گا" ـــ حماد بن علی نے کہا۔ اُس کے پاس ایک بڑی ہی خوبصورت لڑکی بیٹھی تھی۔ یہ لڑکی ایک سال سے اُس کے پاس تھی۔ اُس نے لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یہ غزنی کے حسن کا نمونہ ہے۔ غزنی کے قافلے کے ساتھ ایسی بہت سی لڑکیاں آ رہی ہیں۔ پورے پورے کنبے آ رہے ہیں۔ یہ ایسا انعام ہے جو تمہیں اور کہیں سے نہیں ملے گا۔"

لڑکی جو مسکرا رہی تھی، سنجیدہ ہو گئی اور اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ حماد بن علی سب کو بتانے لگا کہ قافلے پر کس مقام پر حملہ کرنا ہے۔ حماد کے پیچھے اس کا باڈی گارڈ ارتگین کھڑا تھا۔ وہاں محافظ کو ساتھ رکھنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن وہ ان قبائل کا بادشاہ تھا اور بادشاہ اپنے ساتھ محافظ رکھا کرتے تھے۔ جب حماد قبائل کے سرداروں سے مخاطب تھا، لڑکی نے نظر بچا کر ارتگین کی طرف دیکھا۔ ارتگین کا چہرہ بے تاثر تھا۔ لڑکی نے اُسے گھور کر دیکھا تو ارتگین کے چہرے کا رنگ بدل گیا جیسے اُس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔

قبائلی سرداروں نے غزنی کے قافلے پر حملے کا منصوبہ طے کر لیا اور انہوں نے کید کے ریگستان کو حملے کے لیے موزوں سمجھا۔

اُسی رات کا واقعہ ہے کہ حماد بن علی گہری نیند سو گیا تھا۔ دوسرے خیمے میں غزنی کی یہ لڑکی جس کا نام سبیلہ تھا، جاگ رہی تھی۔ اس کی نیند اُڑ گئی تھی۔ خیمہ گاہ پر موت کا سکوت طاری تھا۔ ان لوگوں کو کوئی غم نہیں تھا۔ کوئی خطرہ نہیں تھا۔ انہیں پہرہ کھڑا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ رہزنی اور قزاقی ان کا پیشہ تھا۔ وہ وحشی تھے، ان تک قانون کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔

سبیلہ نے اُٹھ کر اپنے خیمے کا پردہ ذرا سا ہٹایا اور باہر دیکھا۔ باہر تاریکی تھی۔ وہ کسی کے انتظار میں تھی۔ وہ پھر لیٹ گئی۔ کچھ دیر بعد پھر اٹھی اور خیمے کا پردہ ہٹا کر دیکھا اور اُس کی نظریں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے دو درختوں پر رک گئیں۔ ان کے پس منظر میں ستاروں بھرا آسمان تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دونوں

درختوں کے درمیان ایک انسانی سایہ آن رکا۔ کوئی آدمی وہاں آن کھڑا ہوا تھا۔ سبیلہ نے ایک مردانہ چغہ اپنے اُوپر ڈالا اور خیمے میں سے نکل کر دبے پاؤں کھجور کے اُن دو درختوں کی طرف چل پڑی۔

سایہ درختوں کے درمیان سے غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد دو سائے کھجوروں کے سیاہ ستونوں میں تحلیل ہو گئے۔ وہ ارتگین تھا۔ رات جب محفل برخاست ہوئی تھی تو سبیلہ نے موقع دیکھ کر ارتگین سے کہہ دیا تھا کہ رات وہ کھجور کے ان دو درختوں کے درمیان آ جائے جو پانی کے کنارے الگ تھلگ کھڑے ہیں۔

ارتگین اور سبیلہ کی آپس میں کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ وہ یوں چوری چھپے ملتے۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیا کرتے تھے۔ دونوں کا ان قزاق قبائل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا، نہ وہ ان میں سے تھے۔ دونوں کو ایک قافلے سے اغوا کیا گیا تھا۔

سبیلہ غزنی کی فوج کے ایک شتر سوار کی بیٹی تھی۔ اُس کا باپ صرف شتر سوار ہی نہیں تھا، وہ سلطان محمود کا معتقد اور مرید تھا۔ وہ ہندستان بھی اپنی فوج کے ساتھ گیا تھا۔ اپنے بچوں کو وہ سنایا کرتا تھا کہ اسلام ایک سچا اور عظیم مذہب ہے، جسے ساری دنیا میں پھیلانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ وہ انہیں اسلام کی عسکری کہانیاں بھی سنایا کرتا تھا۔ یہ کہانیاں سبیلہ کے خون میں شامل ہو گئی تھیں مگر وہ بارہ تیرہ سال کی تھی جب اُس کا باپ ایک لڑائی میں مارا گیا۔ سبیلہ کی ماں نے اپنے خاوند کے ایک دوست کے ساتھ شادی کر لی۔ اُس کے پہلے بھی بچے تھے جن کے ساتھ اسے بہت پیار تھا۔ وہ انہی میں مگن رہا۔ سبیلہ اور اس کے چھوٹے دو بھائیوں کو وہ پیار اور شفقت نہ دے سکا۔

سبیلہ کی عمر سولہ سترہ سال ہوئی تو سوتیلے باپ نے اُسے خاصی بڑی عمر کے ایک آدمی کے ساتھ بیاہ دیا۔ اس آدمی کی پہلے بھی دو بیویاں تھیں۔ سبیلہ کے سوتیلے باپ نے دراصل اس آدمی سے نقد رقم وصول کی تھی۔ سبیلہ کا خاوند رتبے والا دولتمند آدمی تھا۔ وہ شراب بھی پیتا تھا۔ ارتگین اسی آدمی کا خاص ملازم تھا۔ وہ چونکہ

شہسوار تھا، تیر انداز اور تیغ زن بھی تھا اس لیے آقا نے اُسے اپنا محافظ بھی بنا رکھا تھا۔ ارتگین ترک غلام تھا۔ اس کا بچپن اور لڑکپن غلامی میں گزرا تھا۔ وہ جب جوانی میں داخل ہوا تو اُس کا قدبت اور چہرے کا حسن نکھر آیا۔ اُس کے سابقہ مالک نے اُس کی وجاہت سے متاثر ہو کر اسے گھوڑسواری، تیر اندازی اور تیغ زنی سکھا کر اپنا محافظ بنا لیا تھا۔ اُس دور میں اپنے ساتھ ایک محافظ رکھنا بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔

اس آقا کی موت کے بعد اسے ایک اور ایسے ہی دولتمند نے خرید لیا۔ اس آقا نے چند برسوں بعد ایک تاجر کی بیٹی کے ساتھ شادی کی اور اس کے عوض ارتگین اسے تحفے کے طور پر دے دیا۔ آخر میں وہ اس آدمی کے ہاتھ فروخت ہوا جس کے ساتھ سبیلہ کی شادی ہوئی تھی۔ سبیلہ کا ارتگین کے ساتھ اتنا ہی تعلق تھا کہ وہ اس کے خاوند کا محافظ اور خاص ملازم تھا۔

ایک سال قبل سبیلہ کا خاوند ایک قافلے کے ساتھ کہیں جا رہا تھا کہ راستے میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ قافلے والوں نے مقابلہ کیا مگر انہوں نے ہتھیار ڈالنے میں دیر نہ کی۔ ارتگین ابھی تک مقابلے میں ڈٹا ہوا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ گھوڑے کو سرپٹ دوڑا کر اور گھوم پھر کر لڑتا تھا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے اعلان کیا کہ اس شخص کو زندہ پکڑو۔

قافلے والے دل چھوڑ بیٹھے تھے۔ ارتگین اکیلا لڑ رہا تھا۔ آخر ڈاکوؤں نے اس کے گھوڑے کو زخمی کر کے ارتگین کو گرا لیا اور اسے پکڑ لیا۔ ڈاکوؤں کے ہاتھ قافلے کا تمام تر مال لگا اور دو بڑے قیمتی انسان۔ ایک ارتگین تھا اور دوسری سبیلہ۔ سبیلہ کی بدنصیبی یہ تھی کہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ وہ عورت تھی۔ روتی ہوئی ڈاکوؤں کے ساتھ چل پڑی، البتہ ارتگین کو ساتھ لے جانا مشکل ہو گیا۔ وہ ڈاکوؤں کو للکارتا تھا کہ دو دو آدمی باری باری اس کے مقابلے میں آئیں مگر اس کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ کر اُسے ایک گھوڑے پر بٹھا دیا گیا۔ سبیلہ کا خاوند مارا گیا تھا۔

چند دنوں کی مسافت کے بعد ارتگین اور سبیلہ کو کسی جگہ حماد بن علی کے سامنے پیش کیا گیا۔ ڈاکوؤں کا یہ گروہ اُسی کا تھا۔ سبیلہ پر تو خاموشی طاری تھی، ارتگین حماد کو بھی للکار رہا تھا۔ حماد چرب زبان تھا۔ اُس نے ارتگین کو موم کر لیا اور جب ارتگین نے اُسے بتایا کہ وہ غلاموں کے خاندان کا فرد ہے اور تین آقاؤں کا محافظ رہا ہے تو حماد نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

"یہاں تم کسی کے غلام نہیں ہو"۔ حماد بن علی نے کہا۔ "یہاں تم بادشاہ ہو، سلطان ہو۔ تمہاری وجاہت دیکھ کر اور یہ سُن کر کہ تم میرے اتنے زیادہ آدمیوں کے ہاتھ نہیں آتے تھے، میں نے تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ تمہاری قدر میرے سوا اور کوئی نہیں جانتا"۔

"کیا تم مجھے اپنے جیسا ڈاکو بنانا چاہتے ہو؟"۔۔۔ ارتگین نے خشمگیں لہجے میں پوچھا۔

"تو کیا تم غلام رہنا چاہتے ہو؟"۔۔۔ حماد نے کہا۔ "کیا تم آزادی کی زندگی پسند نہیں کرو گے؟"

حماد نے اُسے قائل کر لیا کہ وہ اُس کے ساتھ رہے۔ حماد کو جب پتہ چلا کہ وہ اس لڑکی سبیلہ کے خاوند کا محافظ تھا جسے اُس کا گروہ اغوا کر لایا تھا تو اُس نے سبیلہ سے کہا۔ "اگر تم یہاں ملکہ بن کے رہنا چاہتی ہو تو اپنے خاوند کے محافظ سے کہو کہ وہ تمہارے ساتھ رہے، ورنہ تم دونوں کا انجام بہت بُرا ہوگا"۔

سبیلہ نے ارتگین کو الگ لے جا کر کہا کہ وہ اُس کی خاطر اُس کے ساتھ رہے۔ سبیلہ نے اُسے بتایا کہ حماد نے اُسے کیا دھمکی دی ہے۔ ارتگین حماد کا قائل ہو چکا تھا، سبیلہ کے مظلوم آنسوؤں نے اُس سے فیصلہ کروا لیا کہ وہ حماد کے ساتھ رہے گا۔ حماد نے اُسے بہترین گھوڑا دیا اور اُسے اپنا ذاتی محافظ بنا لیا اور سبیلہ حماد کی داشتہ بن گئی۔ دونوں ایک سال کے عرصے میں اس ماحول میں گھل مل گئے تھے۔ ارتگین رہزنی کی وارداتوں میں شریک ہوا تھا۔ وہ چونکہ حماد کا محافظ تھا

iqbalmt@oneurdu.com

اس لیے وہ قزاقی میں کم ہی شامل ہوتا تھا۔ بدّوؤں کے یہ قبائل اتنے سرکش تھے کہ اپنے اپنے سردار کے سوا کسی اور کا حکم نہیں مانتے تھے۔ حماد بن علی کو سب نے صرف اس لیے اپنا بے تاج بادشاہ تسلیم کر لیا تھا کہ اُس نے خلیفۂ بغداد کو اور ہر اُس حاکم کو جو حماد کو گرفتار کر سکتا تھا، اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ خلیفہ کو تو بتایا ہی نہیں گیا تھا کہ حماد رہزن اور قزاق ہے۔

اس ایک سال کے دوران ارتگین اور سبیلہ کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ ارتگین اس کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ دونوں کو ایک دوسرے سے یہی لگاؤ تھا کہ دونوں اغوا ہوئے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دونوں نے اس زندگی کو پسند کر لیا ہے۔ سبیلہ کو حماد نے ملکہ بنا دیا تھا اور ارتگین کے ساتھ حماد کا یہ وعدہ پورا ہو گیا تھا کہ وہ یہاں غلام نہیں آزاد ہوگا۔ بدّو اُس کا احترام کرتے تھے۔

اُس رات جب سبیلہ ارتگین سے ملنے گئی تو یہ پہلی خفیہ ملاقات تھی۔ ارتگین حیران تھا کہ سبیلہ نے اُسے یوں چوری چھپے کیوں بلایا ہے۔ کیا وہ اپنے آقا کے ساتھ بے وفائی کرنا چاہتی ہے؟ کیا اُس نے در پردہ تعلقات کے لیے ارتگین کو منتخب کیا ہے؟

"کیوں سبیلہ!" — ارتگین نے اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا — "ایسی کیا بات ہے کہ تم نے مجھے دن کے وقت اپنے خیمے میں بلانے کی بجائے رات کے اس وقت یہاں بلایا ہے؟"

"میں نے تمہیں اپنے مرے ہوئے خلوند کا غلام سمجھ کر نہیں بلایا" — سبیلہ نے کہا — "اپنے آپ کو نہ میرا غلام سمجھو نہ حماد بن علی کا ... میں تمہارے سینے میں ایک انسان کو بیدار کرنا چاہتی ہوں۔ ایسا انسان جو کسی کا غلام نہیں ہوتا۔ وہ اپنے خدا کا اور اپنے مذہب کا اور اپنے وطن کا غلام ہوتا ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو سبیلہ!" — ارتگین نے پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا — "معلوم ہوتا ہے تم خواب دیکھ رہی ہو۔ نیند میں بول رہی ہو۔"

"یہی بتانے کے لیے تمہیں یہاں بلایا ہے کہ میں جاگ اٹھی ہوں" — سبیلہ نے کہا — "وہ سبیلہ جاگ اٹھی ہے جو غزنی کی فوج کے ایک شتر سوار کی بیٹی تھی۔ یہ بیٹی اُس روز مر گئی تھی جس روز اُس کی ماں نے اپنے مجاہد خاوند کی موت کے بعد ایک ایسے آدمی کے ساتھ شادی کر لی تھی جو مجاہد نہیں تھا۔ پھر یہ بیٹی بِک گئی — تمہارے آقا کے ہاتھ — میں نے اس بیٹی کا گلا گھونٹ دیا تھا۔"

"عورت اور غلام کی لوحِ تقدیر پر یہی لکھا ہوتا ہے" — ارتگین نے کہا — "تم نے بھی اپنی قسمت دیکھ لی ہے۔ میں نے بھی اپنی تقدیر کا لکھا دیکھ لیا ہے لیکن مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں۔ میں غلام پیدا ہوا تھا۔ قبیلے کے ساتھ خانہ بدوشی میں پل کر جوان ہوا اور ہاتھوں ہاتھ بکتا رہا۔ میں نے صرف ایک بار سُنا تھا کہ اسلام کسی انسان کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی انسان کو اپنا غلام بنائے۔ میں ہنس پڑا تھا کیونکہ انسانوں کو غلام رکھنے والے مسلمان ہی تھے۔"

"وہ گناہگار تھے" — سبیلہ نے کہا — "اسلام کی نگاہ میں کسی کو غلام رکھنا گناہ ہے۔ میری شادی تمہارے آقا سے ہوئی تو یہ بھی گناہ تھا۔ یہ شادی نہیں تھی، یہ سودا ہوا تھا۔ مجھے بیچا گیا تھا۔ میں شروع کے چند دن اُداس رہی پھر اپنے آپ کو سنبھال لیا کہ یہ تو عورت کی قسمت ہی ایسی لکھی گئی ہے۔ میں نے اپنے آپ کو مار لیا اور میں خوش رہنے لگی۔ تم نے مجھے ہنستے بھی دیکھا تھا مگر یہ میرا جسم تھا جو زیور اور ریشمی کپڑوں سے سجا ہوا تھا، اور یہ میرا حسن تھا جس نے مجھے فروخت کرایا تھا۔ میری روح روتی تھی۔"

"تمہاری شادی کسی تم جیسے جوان اور خوبرو مرد کے ساتھ ہونی چاہیئے تھی" — ارتگین نے کہا۔

"میں اپنی شادی کا رونا نہیں رو رہی" — سبیلہ نے کہا — "جب میرا باپ زندہ تھا تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میری شادی ہوگی۔ باپ نے میرے ذہن میں یہ ڈال دیا تھا کہ میں مسلمان ہوں اور کفر کو جان اور مال کی قربانی دے کر ختم کرنا میرا فرض ہے۔ کبھی کبھی مجھے یوں لگتا تھا جیسے ہندوستان کے بُت خانے

iqbalmt@oneurdu.com

مجھے للکار رہے ہیں۔ میرا باپ دو مرتبہ ہندوستان گیا تھا۔ وہ کفرستان کے قلعوں کی تسخیر میں شریک تھا۔ اُس نے دیوتاؤں کے بُت ٹوٹتے دیکھے تھے۔ اُس نے بُت خانوں میں اذانیں سنی تھیں۔ میرا باپ اُن مجاہدینِ اسلام میں سے تھا جن کی عمریں اِن جہاد میں گزر جاتی ہے۔۔۔ میری رگوں میں اس باپ کا خون ہے۔"

"سبیلہ!" ــــ ارتگین نے کہا ــــ "کیا تم بھول گئی ہو کہ ہم دونوں کہاں بیٹھے ہیں؟ کسی نے دیکھ لیا تو حماد ہم دونوں کو ہاتھ پاؤں باندھ کر صحرا میں پھینک دے گا۔ صحرا کی موت کو تصوّر میں لا سکتی ہو؟ ..... مجھے جلدی جلدی بتاؤ کہ آج رات تم اپنے ماضی کو کیوں یاد کر رہی ہو۔ اگر تم نے اپنا مَن مار لیا تھا تو اسے زندہ کیوں کر رہی ہو! یہ زنجیریں ٹوٹ نہیں سکتیں جن میں تم اب جکڑی گئی ہو۔ میں تو دیکھ رہا تھا کہ تم یہاں خوش ہو۔"

"ہاں ارتگین!" ــــ سبیلہ نے کہا ــــ "میں یہاں خوش تھی۔ اگر انسان صرف گوشت اور ہڈیوں کا مجسّمہ ہے تو میں یہاں بہت خوش تھی مگر رات میرا مجسمہ مر گیا ہے اور روح زندہ ہو گئی ہے۔ قزاق کی داشتہ مر گئی ہے اور مجاہد کی بیٹی زندہ ہو گئی ہے ..... اب میں تمہیں بیدار کرنے آئی ہوں ــــ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"کیا میں تمہیں یہاں سے بھگا لے جاؤں؟" ــــ ارتگین نے پوچھا ــــ "بڑا مشکل کام ہے۔"

"نہیں" ــــ سبیلہ نے کہا ــــ "میں یہاں سے نہیں بھاگوں گی۔ تم بھاگ جاؤ ..... سنو ارتگین! جب تم میرے خاوند کے محافظ اور غلام تھے تو میرا تمہارے ساتھ کیا سلوک تھا۔ تمہیں یاد ہے ایک بار میرا خاوند تمہیں کہیں بھیج رہا تھا اور تم بیمار تھے مگر میرا خاوند کہہ رہا تھا کہ تم خواہ راستے میں مر جاؤ، تمہیں جانا پڑے گا۔ اُس وقت میں نے تمہیں بچایا تھا۔ میں خاوند سے لڑ پڑی تھی کہ وہ تمہیں اس حالت میں اتنے لمبے سفر پہ بھیج رہا تھا کہ تم اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں تھے۔ میں نے تمہیں رکوا لیا تھا اور میں طبیب کو تمہارے علاج

کے لیے لائی تھی۔ تم نہیں جانتے کہ اپنے خاوند سے مجھے کیسی کیسی بیہودہ باتیں سننا پڑی تھیں۔"

"مجھے یاد ہے سبیلہ!" ــــ ارتگین نے کہا ــــ "آقا نے مجھے بھی بہت کچھ کہا تھا اور اُس نے یہاں تک کہا تھا کہ تمہاری اور سبیلہ کی ایک دوسرے میں یہ دلچسپی فوراً ختم ہو جانی چاہیئے، ورنہ تم جانتے ہو کہ غلاموں کی سزا کیا ہے ..... میں ان قزاقوں کے ساتھ خوش ہوں سبیلہ! یہاں مجھے کوئی غلام نہیں کہتا۔ اگر تم کسی تکلیف میں ہو تو تم نے میرے ساتھ جو نیکیاں کی ہیں، ان کا صلہ دینے کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دوں گا۔"

سبیلہ کچھ دیر چپ چاپ رہی اور ارتگین کو دیکھتی رہی۔ صحرا کی وہ رات بھی چپ چاپ تھی۔ خیمہ گاہ میں جیسے لاشیں پڑی تھیں۔ صحرائی لومڑیاں بھی سو گئی تھیں مگر سبیلہ کے سینے سے بگولے اُٹھ رہے تھے۔

"کہو سبیلہ!" ــــ ارتگین نے کہا ــــ "چپ کیوں ہو گئی ہو۔ اپنے غلام کو آزما لو۔"

"سوچ رہی ہوں کہ تم میری بات سمجھ بھی سکو گے یا نہیں" ــــ سبیلہ نے آہ لے کر کہا ــــ "کہہ دیتی ہوں۔ سن لو ..... مجھے اپنی ذات کے لیے کچھ نہیں چاہیئے۔ کوئی صلہ نہیں چاہیئے۔ تم نے حماد بن علی کی باتیں غور سے سنی تھیں جو وہ بدوؤں کے سرداروں سے کہہ رہا تھا! وہ غزنی کے حاجیوں کے قافلے کو لوٹنا چاہتا ہے۔"

"کیا تم اسے روک سکتی ہو؟" ــــ ارتگین نے کہا ــــ "کیا تم نے ابھی تک غزنی کو دل سے اتارا نہیں؟"

"اتار دیا تھا" ــــ سبیلہ نے کہا ــــ "لیکن غزنی کی آبرو میرے خون میں موجود ہے۔ حماد جب غزنی کا قافلہ لوٹنے کی باتیں کر رہا تھا تو میں نے کچھ بھی محسوس نہ کیا مگر جب اُس نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ غزنی کے حُسن کا نمونہ ہے اور یہ

iqbalmt@oneurdu.com

تمہارا انعام ہوگا اور غزنی کے قافلے کے ساتھ ایسی بہت سی لڑکیاں ہوں گی تو میرا جسم کانپ اٹھا جیسے ہوا کا بڑا ہی سرد جھونکا آیا ہو یا زمین ہل گئی ہو۔ میرا مجاہد باپ میری آنکھوں کے سامنے آگیا۔ اُس کی وہ باتیں مجھے سنائی دینے لگیں جو وہ بارہ تیرہ برس کی عمر تک مجھے سناتا رہا تھا۔ میں عورت تھی۔ حماد کی زبان کا تیر میرے دل میں اُتر گیا۔ میں اس پر جوابی حملہ نہ کر سکی۔"

"تم نے شاید اسی بات سے خفا ہو کر میری طرف دیکھا تھا؟" — ارتگین نے پوچھا۔

"ہاں!" — سبیلہ نے کہا — "میرے سینے میں انتقام کا شعلہ بھڑک اٹھا تھا اور اُس وقت خدا کے بعد صرف تم تھے جس کی طرف میں دیکھ سکتی تھی مگر تمہارا چہرہ بتا رہا تھا کہ تم نے کچھ بھی محسوس نہیں کیا۔ میں نے اُسی وقت سوچ لیا تھا کہ تمہیں تنہائی میں بلاؤں گی اور تمہارے دل میں بھی اُس بیٹی کی آبرو کا احساس بیدار کروں گی جس نے تمہیں جنم دیا تھا .... میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ میں بے بس اور مجبور ہوں اور قزاق قبیلوں کے اس بادشاہ کا میں کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ میں نے یہ چوٹ برداشت کرنے کا بھی ارادہ کیا تھا مگر حماد کے خیمے میں جا کر اس نے مجھے بدمست اور مخمور نگاہوں سے دیکھا اور جب میں نے اس کے جسم کی تپش محسوس کی تو میرے سینے کے شعلے پھر بھڑک اُٹھے۔"

ارتگین خاموش تھا جیسے وہ کچھ سن ہی نہ رہا ہو۔

"سن رہے ہو ارتگین؟"

"سن رہا ہوں" — ارتگین نے کہا — "تمہارے انتقام کے شعلے بے بس اور مجبور ہیں۔"

"حماد نے کہا — 'سبیلہ! سنا ہے غزنی کا سلطان محمود اپنے آپ کو بت شکن کہلاتا ہے' — اُس نے قہقہہ لگا کر کہا — 'محمود مجھ جیسا لٹیرا ہے۔ ڈاکہ زن ہے۔ میں کسی روز اس بت شکن کا بت توڑ دوں گا' — یہ سن کر میرا خون کھول اٹھا۔ وہ جب گہری نیند سو گیا تو میں نے اُس کا خنجر نکال لیا۔

میرے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ میں نے شمع کی روشنی میں اندازہ کر لیا کہ اس شخص کا دل کہاں ہے۔ میں اسے ایک ہی وار میں ٹھنڈا کر دینا چاہتی تھی۔ پھر میرے ہاتھ ساکن ہو گئے۔ مجھے اطمینان ہونے لگا کہ میں غزنی کی توہین کا اور غزنی کے سلطان کی توہین کا انتقام لے رہی ہوں۔ میرا ہاتھ اوپر اٹھا اور ایسے لگا کہ کسی غیبی ہاتھ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا ہو ....

مجھے آواز سی سنائی دی — 'اس آدمی کو قتل کر کے نہ تم زندہ رہ سکتی ہو نہ ان بدوؤں سے غزنی کے قافلے میں آنے والی بیٹیوں کو بچا سکتی ہو۔ صبح یہ وحشی اور درندے اپنے بادشاہ کے خون کا جو انتقام تم سے لیں گے اسے تصور میں لاؤ' — میرا ہاتھ رک گیا۔ میں نے سوچا۔ بہت سوچا۔ میں کوئی جرم نہیں کر رہی تھی اس لیے عقل میرا ساتھ دے رہی تھی۔ مجھے یاد آگیا کہ میں نے تمہیں بلا رکھا ہے۔ تم سے بات کر کے کچھ کروں گی .... ارتگین! غزنی کی بیٹیاں قزاقوں کی داشتائیں نہیں بنیں گی۔ سلطان محمود قزاق اور لٹیرا نہیں۔ میں ان بیٹیوں کی آبرو بچانے کے لیے کفّارہ ادا کروں گی۔"

"کیا حماد بن علی کو میرے ہاتھوں قتل کرانا چاہتی ہو؟"

"نہیں" — سبیلہ نے جواب دیا — "اس ایک آدمی کے قتل سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ مر گیا تو بھی یہ لوگ غزنی کے قافلے کو لوٹ لیں گے۔ میں نے یہ سوچا ہے کہ تم یہاں سے نکل جاؤ۔ میں یہیں رہوں گی۔ اگر میں بھی تمہارے ساتھ نکل بھاگی تو یہ لوگ ہمارا پیچھا کریں گے۔ تم مرد ہو، گھوڑا تیز دوڑا سکتے ہو، سفر کی سختیاں برداشت کر سکتے ہو۔ میں شاید نہ کر سکوں۔ میں تمہارے لیے بوجھ نہ بن جاؤں۔ رفتار سست ہوئی تو ہم پکڑے بھی جا سکتے ہیں۔"

"یہ لوگ میرا ابھی پیچھا کر سکتے ہیں" — ارتگین نے کہا — "انہیں یہ خطرہ ہوگا کہ میں غزنی جا کر اطلاع دے دوں گا کہ راستے میں قافلے پر حملہ ہوگا اور سلطان محمود قافلے کے ساتھ فوج کے ایک دو دستے بھیج دے گا۔"

"اس کے باوجود تم چلے جاؤ" — سبیلہ نے کہا — "ہمیں خطرہ تو مول لینا ہی ہوگا .... تم ڈر رہے ہو۔ تمہارا ڈر بجا ہے۔ تمہاری کوئی بیٹی نہیں۔ تمہاری

iqbalmt@oneurdu.com

کوئی بہن نہیں۔ میں تمہاری بہن ہوتی تو تم میری عزت پر مر مٹتے۔ ارتگین! غزنی کی مٹی تمہاری بیٹی ہے۔ تمہاری بہن اور تمہاری ماں ہے۔ میں جانتی ہوں کہ اس مٹی نے تمہیں کچھ نہیں دیا۔ تمہیں وہاں غلام سمجھا گیا۔ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ جس ملک کے حکمران اپنی رعایا کو بھوکا اور ننگا رکھتے ہیں اور اُسے ان حقوق سے محروم رکھتے ہیں جو انسان کو خدا نے دیئے ہیں تو ان انسانوں کے دلوں سے اپنے وطن اور اپنے مذہب کی محبت نکل جاتی ہے۔ وہاں بھائی بھائی کا دشمن ہو جاتا ہے .....

"میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ تم سلطان محمود کے پاس پہنچ گئے اور اُسے یہ بتایا کہ تم غلام تھے تو وہ تمہیں گلے لگا لے گا"۔۔۔ سبیلہ نے کہا۔۔۔ "پھر تم غلام نہیں رہو گے۔ تم سلطان کی نگاہ میں اور خُدا کی نگاہ میں بھی قابلِ احترام انسان بن جاؤ گے۔ اپنے آپ میں غیرت بیدار کرو ارتگین! اپنے وطن اور اپنے مذہب کی بیٹیاں وطن کی آبرو ہوتی ہیں۔ وہ قومیں ذلیل و خوار ہوتی ہیں جو اپنی بیٹیوں کی ناموس کو فراموش کر دیتی ہیں"۔

"میں تمہاری ایک بات بھی نہیں سمجھ سکا سبیلہ!"۔۔۔ ارتگین نے کہا۔۔۔ "میرے دل میں کسی نے وطن کی محبت پیدا ہی نہیں کی۔ مجھے نوکری کرنی ہے۔ اسی لیے ایک قزاق کے پاس بھی مطمئن ہوں لیکن تم جو کہو گی کروں گا۔ تم مظلوم ہو پھر بھی تمہارا ایمان محفوظ ہے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ تمہاری نیکیوں کا صلہ ضرور دوں گا۔ کہو، مجھے کیا کرنا ہے"۔

"یہاں سے [illegible] طرح نکلو کہ کسی کو پتہ نہ چلے"۔۔۔ سبیلہ نے کہا۔۔۔ "تم راستے سے واقف ہو۔ [illegible] دس دنوں میں غزنی پہنچ جاؤ گے۔ اگر غزنی کے حاجیوں کا قافلہ وہاں سے چل پڑا ہو تو اُسے روک لینا اور میر کارواں کو بتا دینا کہ راستے میں کیا خطرہ ہے۔ اُسے کہنا کہ تم فوج کا انتظام کرنے جا رہے ہو۔ اگر قافلہ ابھی وہیں ہو تو سلطان محمود کے پاس چلے جانا اور اُسے بتانا کہ قافلے پر پانچ ہزار بدو حملہ کریں گے۔ سلطان سے یہ ضرور کہہ دینا کہ قوم کی ایک بیٹی نے پیغام بھیجا ہے کہ حجاز کے قافلے

نہیں رک سکتے، قزاقوں کو روکا جا سکتا ہے۔ فوج کو ساتھ بھیجنا ورنہ غزنی کی بیٹیاں بابل اور بغداد کے بازاروں میں بک جائیں گی۔ سلطان سے کہنا کہ قافلے سے ایک بھی بیٹی اغوا ہو گئی تو خدا سلطان کو کبھی نہیں بخشے گا"۔

"میں کہہ دوں گا"۔۔۔ ارتگین نے کہا۔۔۔ "میں کہہ دوں گا۔ دعا کرو کہ میں زندہ وہاں پہنچ جاؤں، مگر تم یہاں سے نہیں نکلو گی! ..... میں تمہیں اس درندے کے پاس چھوڑ کر کس طرح جا سکوں گا؟"

"تم چلے جاؤ ارتگین! تم چلے جاؤ"۔۔۔ سبیلہ نے جذبات سے لرزتی آواز میں کہا۔۔۔ "اگر زندہ رہی تو باقی عمر تمہاری غلام رہوں گی۔ میرے جسم اور میری روح کے مالک صرف تم ہو گے، پھر تم نہیں میں غلام ہوں گی۔ تم غزنی پہنچ جاؤ گے۔ تم کوئی گناہ نہیں کر رہے۔ خدا تمہارے ساتھ ہے"۔

"کیا تم ان لوگوں کو کسی طرح میرے تعاقب سے روک سکتی ہو؟"

"کوشش کروں گی"۔۔۔ سبیلہ نے کہا۔۔۔ "میں نے ان لوگوں سے بہت کچھ سیکھ لیا ہے۔ تمہیں اپنا آقا یاد ہے نا جو میرا خاوند تھا۔ اس کی بیویوں کو تم بھی جانتے تھے اور تم یہ بھی جانتے تھے کہ میرے خاوند کی محل جیسی حویلی میں کیسی کیسی سازشیں ہوتی تھیں۔ جہاں دولت اور عورت ہو، وہاں سے خلوص اور شرافت رخصت ہو جاتی ہے۔ میں شیطان کی اس دنیا کا ایک حصہ بنی رہی ہوں۔ میں ہر شیطانی کام کر سکتی ہوں ..... تم یہاں کے ایک سردار کوکیل کو جانتے ہو گے جس نے کہا تھا کہ وہ ایک ہزار آ[illegible]ی اپنے ساتھ لائے گا۔ مجھے اس شخص سے نفرت ہے۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ میں حماد سے ہٹ کر اُس کے ساتھ چلی چلوں۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ میں حماد کی بیوی نہیں پھر بھی اُسے دھوکہ نہیں دوں گی۔ اُس نے مجھے لالچ دیئے تھے اور پھر دھمکی دی تھی کہ وہ مجھے اغوا کر لے گا۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ میں نے اگر حماد کو بتا دیا تو وہ مجھے قتل کرا دے گا ..... میں شاید اس سے انتقام لوں۔ تم یہاں کی باتیں چھوڑو ارتگین! اٹھو، تم کب یہاں سے نکلو گے؟"

"ابھی"۔۔۔ ارتگین نے کہا۔۔۔ "اب مجھ سے اور کچھ نہ پوچھو۔ تم چلی جاؤ"۔

iqbalmt@oneurdu.com

رات کا آخری پہر گذر رہا ہے"۔۔۔ سبیلہ نے اُس کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر آنکھوں سے لگایا پھر چُوما اور وہاں سے اپنے خیمے میں آگئی۔

خیمہ گاہ میں وہی سکوت تھا جو پہلے تھا۔ ان لوگوں کو جاگنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ ارتگین ان کے بے تاج بادشاہ کا خاص محافظ تھا۔ اُسے خیمہ گاہ میں گھومنے پھرنے، کوئی گھوڑا یا اونٹ کھولتے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ جس خیمے میں کھانے پینے کا سامان پڑا تھا وہاں سے کچھ اٹھاتے بھی اسے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ سبیلہ اپنے خیمے میں پہنچ گئی ہوگی، وہ اپنے خیمے میں گیا۔ برچھی، تلوار، کمان اور ترکش اٹھائی، کچھ کپڑے لیے۔ سفری تھیلے اٹھائے اور رسد والے خیمے میں چلا گیا۔ وہاں سے پانی کے مشکیزے اور کھانے کا سامان اُٹھایا اور ایک اونٹ جا کھولا۔ سامان اس کے ساتھ باندھا اور اس پر سوار ہو کر اُسے اٹھایا۔

سبیلہ اپنے خیمے میں پردہ ذرا ہٹا کر دیکھ رہی تھی۔ اسے خیمے سیاہ ڈھیروں کی طرح نظر آرہے تھے۔ اُس کا دل دھڑک رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُسے خیموں سے دور ایک اونٹ کا ہیولا اس طرح نظر آیا جیسے اونٹ اُفق کی لکیر پر چلا جا رہا ہو۔ سبیلہ کے ہونٹوں سے دعا سرگوشیاں بن کے نکلنے لگی اور اونٹ کا ہیولا چھوٹا ہوتا گیا، دور ہٹتا گیا پھر وہ اُس کے آنسوؤں کی دھند میں چھپ گیا۔۔۔ سبیلہ بستر پر جا گری اور اُس کی آنکھ لگ گئی۔

اُس کی جب آنکھ کھلی، آدھا دن گزر گیا تھا۔ وہ اُٹھ بیٹھی۔ اُسے رات کی بات یاد آئی تو اُسے خوف سا محسوس ہُوا جیسے ارتگین اُسے دھوکہ دے کر حماد کو بتا دے گا۔ وہ خیمے سے نکلی۔ ارتگین کے خیمے کا پردہ اٹھایا۔ وہ وہاں نہیں تھا۔ اُس کے ہتھیار اور اُس کے کپڑے بھی وہاں نہیں تھے۔ سبیلہ ارتگین کے خیمے سے نکل رہی تھی تو حماد اپنے خیمے سے باہر آیا۔ اُس نے سبیلہ کو اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ وہ ارتگین کے خیمے میں کیا لینے گئی تھی۔

iqbalmt@oneurdu.com

سبیلہ نے اپنے چہرے پر گھبراہٹ کا تاثر پیدا کر کے کہا۔ "میں ارتگین کو دیکھنے گئی تھی کہ وہ وہاں ہے یا نہیں .... مجھے ڈر ہے کہ وہ زندہ نہیں ہے۔ وہ قتل ہو چکا ہے"۔

"قتل؟"۔۔۔ حماد بن علی نے پوچھا۔ "تمہارا دماغ ٹھکانے معلوم نہیں ہوتا۔ یہاں کون کسی کو قتل کر سکتا ہے؟"

"گوگیل"۔۔۔ سبیلہ نے کہا۔ "گوگیل نے ارتگین کو غائب کر دیا ہے۔ اب میری باری ہے۔ میں نے آپ کو پہلے نہیں بتایا تھا۔ آپ جب مجھے یہاں لائے تھے تو گوگیل نے مجھے لالچ اور دھمکیاں دے کر منوانے کی کوشش کی تھی کہ میں آپ سے بھاگ کر اُس کے پاس چلی جاؤں۔ میں نے اسے کہا تھا کہ میں اپنے آقا کو دھوکہ نہیں دوں گی۔ اس کے بعد وہ اب آیا ہے۔ گذشتہ رات میں آپ کے ساتھ آپ کے خیمے میں گئی تھی۔ آپ سو گئے تو میں وہاں سے نکل کر اپنے خیمے میں جانے کی بجائے ٹہلتے ٹہلتے پانی تک چلی گئی۔ گوگیل شاید میرا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ میرے پاس آگیا اور مجھے ورغلانے لگا۔ میں نے اسے ٹالنا چاہا تو اس نے مجھ پر دست درازی کی۔ میں اپنے آپ کو اکیلی سمجھ رہی تھی لیکن اچانک ارتگین آگیا۔ وہ مجھے بتائے بغیر میری حفاظت کے لیے مجھ سے کچھ دور موجود رہا۔

"گوگیل نے اُسے آپ کا غلام سمجھ کر گالیاں دیں اور وہاں سے چلے جانے کو کہا۔ ارتگین نے اُسے بڑی دلیری سے کہا کہ وہ اپنے آقا کی عزت پر جان قربان کر دے گا۔ گوگیل نے اُسے کہا کہ یہ رات تمہاری زندگی کی آخری رات ہے۔ جاؤ۔ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنے آقا کے خیمے میں سونا .... وہ چلا گیا۔ ارتگین مجھے میرے خیمے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ میں جانتی ہوں کہ گوگیل درندہ ہے۔ اُس نے رات کو ارتگین کو غائب کر دیا ہے"۔

حماد بن علی غصے سے پھنکارنے لگے اور اُس نے [...]

"میں جانتا ہوں کہ تم قبیلے کے سردار ہو"۔ حماد بن علی نے گوگیل سے کہا۔ "لیکن تم بھول گئے ہو کہ میں کون ہوں ... میں تمہیں بخش دوں گا۔ میرا آدمی مجھے واپس کر دو"۔

"کون سا آدمی؟" ۔ گوگیل نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ارتگین" ۔ حماد نے کہا۔ "میرا محافظ جو گذشتہ رات تمہارے اور سبیلہ کے درمیان آ گیا تھا"۔

گوگیل حیران و پریشان ہو گیا۔ سبیلہ نے حماد سے کہا کہ یہ شخص اپنا جرم چھپانے کے لیے انجان بن رہا ہے۔

"گوگیل" ۔ حماد بن علی نے اُسے کہا۔ "کیا تم ایک غلام اور ایک داشتہ کی خاطر مجھ سے دشمنی مول لے رہے ہو؟ اس وقت ہمیں اتحاد اور اتفاق کی ضرورت ہے۔ میں تمہیں اس جیسی دس لڑکیاں لا دوں گا مگر تم نے میری داشتہ پر ست درازی کر کے میرے محافظ کو غائب کر دیا ہے۔ کیا تم قبیلے کے سردار رہو گے؟ کیا تم مجھ سے ٹکر لے کر سردار رہ سکو گے؟ زندہ رہ سکو گے؟"

بات بڑھ گئی۔ چونکہ گوگیل نے ارتگین کو غائب نہیں کیا تھا اس لیے وہ آگ بگولہ ہو رہا تھا۔ حماد نے تمام سرداروں کو اکٹھا کر لیا اور سبیلہ سے کہا کہ وہ سب کو سنائے کہ گوگیل نے کیا کیا ہے۔ سبیلہ نے وہی بات سنا دی جو وہ حماد کو سنا چکی تھی۔ گوگیل غصے سے اُٹھا اور یہ کہہ کر چل پڑا۔ "میرا اور میرے قبیلے کا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں"۔

اُس نے پیٹھ پھیری ہی تھی کہ حماد نے اپنے قریب کھڑے ایک آدمی کی کمان لی اور اُس کی ترکش سے تیر نکال کر کمان میں ڈالا۔ دوسرے لمحے تیر گوگیل کی پیٹھ میں اُترا ہوا تھا اور وہ ریت پر تڑپ رہا تھا۔ اسی روز حماد نے ایک خاص تقریب منعقد کر کے گوگیل کے قبیلے کا ایک اور سردار مقرر کر دیا۔ اس لیے سب سے کہا کہ میں جانتا تھا کہ مجھے میرا محافظ واپس نہیں ملے گا۔ گوگیل نے اسے یقیناً قتل کروا کے اس کی لاش کہیں دبا دی ہے۔

اُس وقت تک ارتگین بہت دور نکل گیا تھا۔ صبح طلوع ہونے تک وہ اونٹ کو دوڑاتا رہا تھا۔ سورج اُبھرا تو اُس نے اونٹ کی رفتار کم کر دی۔ اُس نے گھوم گھوم کے دیکھا۔ اُس کے تعاقب میں کوئی نہیں آ رہا تھا۔

حماد بن علی نے قبائلی سرداروں کو آخری ہدایات دیں اور انہیں کید کے صحرا کے قریب ایک جگہ بتا کر کہا کہ وہ اپنے آدمیوں کو وہاں جمع کریں۔ اسی روز سب اپنے اپنے قبیلوں کو روانہ ہو گئے اور حماد بھی وہاں سے چلا گیا۔ وہ جب اپنے ٹھکانے پر پہنچا تو اُس کا ایک اور جاسوس غزنی سے آیا جس نے اُسے بتایا کہ غزنی کے قافلے کی نفری اور زیادہ بڑھ گئی ہے اور اس میں مالدار تاجروں کی خاصی تعداد ہے۔ اُس نے حماد کو یہ بھی بتایا کہ راستے میں لوگ اس قافلے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس طرح یہ قافلہ اور زیادہ بڑا ہو جائے گا۔ اس جاسوس کو کوئی ایسے آثار نہیں ملے تھے کہ قافلے کی حفاظت کے لیے فوج کا کوئی انتظام ہو گا یا نہیں۔

"میں حجاز تک فوج کا دستہ کیسے بھیج سکتا ہوں" ۔ غزنی میں سلطان محمود غزنوی قافلے کے ایک وفد سے کہہ رہا تھا۔ "قوم کے ہر فرد کو سپاہی ہونا چاہیے"۔

قافلے کا ایک وفد (محمد قاسم فرشتہ کی تحریر کے مطابق) سلطان محمود کے پاس یہ درخواست لے کر گیا تھا کہ قافلہ بہت بڑا ہے اور اس کے ساتھ خواتین اور بچے بھی ہیں اور تاجروں کا قیمتی مال بھی ساتھ جا رہا ہے اس لیے قافلے کی حفاظت کے لیے فوج کا ایک دستہ ساتھ ہونا چاہیے۔

"میں بے خبر نہیں کہ حاجیوں کے قافلے رہزنوں اور قزاقوں کے ہاتھوں لٹتے رہتے ہیں" ۔ سلطان محمود نے کہا۔ "میں حج پر جانے والوں کو ہر سہولت اور مدد دیا کرتا ہوں مگر یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ میں مکہ معظمہ تک فوج قافلے کے ساتھ بھیجوں۔ اتنے بڑے قافلے میں بے شمار آدمی ایسے ہوں گے جو لڑ سکتے ہیں اور شہسوار بھی ہیں۔ قافلے میں سپاہی بھی حج کو جا رہے ہیں۔ آپ لوگ پوری طرح مسلح ہو کر جائیں۔ تیر و کمان ساتھ رکھیں۔ مجھے اتنے

iqbalmt@oneurdu.com

بڑے قافلے پر حملے کا کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔ قافلے وہ لٹتے ہیں جن میں مسافر بہت کم ہوتے ہیں۔ آپ لوگ بے خوف ہو کر جائیں۔"

جب وفد چلا گیا تو سلطان محمود نے اپنے مشیروں اور سالاروں کی ایک محفل میں کہا ــ "میں نے ان لوگوں کو مایوس کیا ہے۔ یہ فریضۂ حج ادا کرنے جا رہے ہیں۔ مجھے ان کی درخواست مان لینی چاہیئے تھی لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمیں فوج کی کتنی زیادہ ضرورت ہے۔ یہاں کے حالات ٹھیک نہیں۔ سرحدوں پر ہر وقت خطرہ موجود رہتا ہے۔ ابھی دو تین دن گزرے ہندوستان سے تشویشناک خبریں آئی ہیں۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ قنوج کا مہاراجہ راجیا پال جو وہاں سے بھاگ گیا تھا، ہمارے قلعہ دلہر کے پاس گیا اور اُس نے ہماری شرائط تسلیم کرنے کا معاہدہ کیا اور قنوج سے کچھ دور اپنی نئی راجدھانی بنانے کی اجازت مانگی ہے۔ میں اُس سے تاوان اور باج وصول کروں گا اور اُسے نئی راجدھانی بنانے کی اجازت دے دوں گا مگر وہاں کے تین مہاراجے اکالنجر، گوالیار اور لاہور، مہاراجہ راجیا پال کے دشمن بن گئے ہیں۔ قنوج سے پیغام آیا ہے کہ یہ مہاراجے مہاراجہ قنوج کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کر رہے ہیں اور انہوں نے ہمیں فیصلہ کن شکست دینے کے لیے متحدہ محاذ بنا لیا ہے۔ معلوم نہیں کب ہمیں ہندوستان کو کوچ کرنا پڑے۔"

قافلہ روانہ ہونے والا تھا۔ سلطان محمود کے پاس جو وفد گیا تھا اس کے ارکان نے قافلے کے تمام مسافروں سے کہہ دیا تھا کہ وہ مسلح ہو کر چلیں۔ ہتھیار اکٹھے کرنے کے لیے قافلے کی روانگی ایک دو دنوں کے لیے ملتوی ہو گئی۔

اور اُس وقت سلطان محمود کو اطلاع دی گئی کہ ارتگین نام کا ایک آدمی بڑی بُری حالت میں آیا ہے۔ کہتا ہے بہت دُور سے آیا ہوں اور یہ بھی کہتا ہے کہ حاجیوں کے قافلے کو روک کے رکھو۔ سلطان محمود حاجیوں کے نام پر ضروری کام بھی چھوڑ دیا کرتا تھا۔ اُس نے ارتگین کو فوراً بلا لیا۔ وہ تو زندہ لاش بن چکا تھا۔ منہ کھلا ہُوا اور آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ وہ کھڑا رہنے کے قابل نہیں تھا۔ اُسے سہارا دے کر بٹھایا گیا۔ مشروب پلائے گئے، کچھ کھلایا گیا تو وہ ہوش میں آنے لگا۔ وہ اچانک اُٹھ کھڑا ہُوا اور کمرے میں تیز تیز ٹہلنے لگا۔

"سلطانِ غزنی و خراسان سے گستاخی کی معافی چاہتا ہوں"۔ ارتگین نے کہا۔ "ایک مہینہ ہو گیا ہے، میں پاؤں پر نہیں چلا۔ پہلے اونٹ پر سوار رہا اور جب پہاڑی علاقہ آیا تو ایک سوار سے گھوڑا چھین کر اونٹ اُسے دے دیا۔ راستے میں دو اور سواروں سے گھوڑے چھینے اور تھکن اور بھوک سے ادھ موئے گھوڑے اُن کے پاس چھوڑے۔ گھوڑے کی پیٹھ پر کھاتا پیتا رہا اور کمر گھوڑے کی پیٹھ سے لگی رہنے دی۔ کسی کو دکھ نہ پہنچنے دیا ورنہ ڈیڑھ ماہ کی مسافت ایک ماہ میں طے نہ ہوتی۔"

"وہ بات کیا ہے جو تمہیں اس حال میں میرے پاس لائی ہے؟" ــ سلطان محمود نے پوچھا۔

"اگر آپ حجاز کے قافلے کے ساتھ فوج کے دو دستے نہیں بھیج سکتے تو قافلے کو غزنی سے باہر نہ نکلنے دینا"۔ ارتگین نے کہا۔ "بدو کے صحرا میں قافلے کو لوٹنے کے لیے قزاقوں کا وہ گروہ بلکہ وہ فوج خیمہ زن ہے جسے خلیفۂ بغداد کی پشت پناہی حاصل ہے۔"

"خلیفۂ بغداد کی پشت پناہی؟"

"اگر سلطانِ غزنی کو ایک غلام کی بات پسند نہیں آئی تو غلام جان بخشی چاہتا ہے"۔ ــ ارتگین نے کہا ــ "اگر خلیفہ کی پشت پناہی نہیں تو اُس کے سالاروں اور حاکموں کی مدد حاصل ہوگی۔ اگر یہ بھی نہیں تو اسے جھوٹ نہ سمجھنا کہ تمام بدو قبیلے ایک شخص حماد علی کی قیادت میں غزنی کے قافلے

iqbalmt@oneurdu.com

کو کیدر کے صحرا میں اُس جگہ جہاں ٹیلے زیادہ ہیں، لوٹ لیں گے اور لڑکیوں کو اُٹھا لے جائیں گے۔ حماد بن علی بغداد گیا تھا۔ میں چونکہ اس کے ساتھ تھا اس لیے میں یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں) کہ وہ پہلے خلیفہ کے ایک سالار اور دو بڑے حاکموں سے ملا تھا، پھر وہ اسے خلیفہ کے پاس لے گئے تھے۔"

ارتگین نے سلطان محمود کو تفصیل سے بتایا کہ حماد بن علی نے کس طرح اور کہاں بدو قبائل کے سرداروں کو اکٹھا کیا اور قافلے پر حملے کا منصوبہ طے کیا ہے۔ قزاقوں کی تعداد پانچ ہزار ہوگی۔

"پانچ ہزار"۔ سلطان محمود حیرت زدہ ہوگیا۔

"اتنی زیادہ تعداد کی وجہ یہ ہے کہ حماد بن علی کے جاسوسوں نے جو یہاں آکر قافلے کی تیاری دیکھ گئے ہیں، وہاں جاکر بتایا ہے کہ قافلے میں ہندوستان سے آیا ہوا مال جارہا ہے اور قافلے میں زیادہ تر لوگ فوجی ہیں یا لڑنے والے ہیں" — ارتگین نے کہا۔ "قافلے کی نفری ڈیڑھ ہزار بتائی گئی ہے"۔

"قافلے میں کوئی فوجی نہیں ہے"۔ سلطان محمود نے کہا۔ "اگر لوجیوں کو حج کی فرصت ہوتی تو سب سے پہلے میں جاتا"۔ وہ گہری سوچ میں کھوگیا اور بولا۔ "میں حجاز کے قافلے کو نہیں روک سکتا۔ اگر میں خود حج پر جا نہیں سکتا تو جانے والوں کے جان و مال کی حفاظت میرے فرائض میں ہے۔ میں حاجیوں کی سلامتی کی خاطر سلطنتِ غزنی کی سلامتی خطرے میں ڈال سکتا ہوں" — وہ بولتے بولتے رُک گیا اور اُس نے ارتگین کو بڑی غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "لیکن میں نے تم سے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ تم ہو کون اور تم جو قزاقوں کے سرغنہ کے خاص آدمی ہو، دل میں ہمارے قافلے کی ہمدردی کس طرح لے کر آئے ہو؟ کیا تم اللہ کے اس سپاہی کو دھوکہ دے سکو گے جس کے نام سے ہندوستان کے دیوتاؤں کے بُت کانپ جاتے ہیں؟"

"غزنی کی ایک بیٹی جو بہت بڑے دھوکے کا شکار ہے، غزنی کی بیٹیوں کے لیے کفارہ ادا کرنا چاہتی ہے"۔ ارتگین نے کہا۔ "وہ آبرو باختہ غزنی کی آبرو کو بچانے کے لیے اپنے سلطان کو پکار رہی ہے۔ میں ایک غلام ہوں، ابنِ غلام ہوں، ترک ہوں لیکن جسم غزنی کی مٹی میں لیا ہے۔ اس لڑکی نے جس کا نام سبیلہ ہے اور جس کا باپ آپ کی فوج میں شتر سوار تھا اور شہید ہوگیا ہے، مجھ جیسے غلام کے دل میں غزنی کی مٹی کی عظمت پیدا کر دی ہے۔ اگر سلطانِ عالی مقام کا دل بہت مضبوط ہے تو سنیں"۔

ارتگین نے اپنا ماضی اور پھر سبیلہ کی زندگی کی کہانی سلطان محمود کو سنا دی اور اُسے تفصیل سے سنایا کہ سبیلہ نے اُسے کس طرح غزنی آنے کے لیے تیار کیا تھا۔ سلطان محمود کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"جس قوم کی بیٹیاں اس مجبوری کی حالت میں بھی اپنے ایمان اور کردار کو مرنے نہ دیں اس قوم کو کوئی شکست نہیں دے سکتا"۔ سلطان محمود نے کہا اور اپنے سامنے بیٹھے ہوئے حاکموں وغیرہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم اپنی اُبھرتی ہوئی نسل کو گناہوں میں ڈبو دو لیکن روایات جو خون میں شامل ہوگئی ہیں وہ ایک نہ ایک دن رنگ لائیں گی..... اور تم"۔ سلطان نے ارتگین کی طرف ہاتھ کر کے کہا۔ "تم غلام نہیں ہو۔ آگے آؤ"۔ وہ آگے آیا تو سلطان نے اُسے گلے لگا لیا اور بولا۔ "ہم سب غلام ہیں..... اللہ کے رسولؐ کے غلام اور یہی مسلمان کی عظمت ہے"۔ سلطان نے پُرجوش آواز میں کہا — "قافلہ جائے گا اور اس کے ساتھ فوج بھی جائے گی۔ غزنی کی سرحدوں پر ہمارا خدا نظر رکھے گا"۔

یہ تو جذبات کی بات تھی کہ سلطان محمود نے کہہ دیا کہ فوج جائے گی لیکن اُس نے فوج کو کبھی جذباتی کیفیت میں استعمال نہیں کیا تھا۔ اُس نے دو سالاروں اور مشیروں کو بلایا۔ غزنی کی سرحدوں کی، اندرونی حالات

iqbalmt@oneurdu.com

کی اور ہندوستان سے آنے والے پیغامات کی صورتِ حال پر بات چیت کی اور جائزہ لیا کہ قزاقوں کی تعداد اگر پانچ ہزار ہے تو فوج کی کتنی نفری ساتھ بھیجی جائے۔ سلطان محمود نے کہا کہ بدّو گھوڑے اور اونٹ دوڑاتے ہوئے لڑتے ہیں اور وہ بھاگنے کا راستہ بھی صاف رکھتے ہیں، اس لیے قافلے کے ساتھ چھاپہ مار دستہ اور ایک دستہ تیر اندازوں کا بھیجا جائے۔

اُس وقت کی کسی بھی تحریر سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ فیصلہ کیوں کیا گیا کہ جو دستے قافلے کے ساتھ بھیجے گئے ان کی قیادت کسی سالار کی بجائے قاضی القضاۃ ابو محمد کو دی گئی۔ محمد قاسم فرشتہ نے مختلف مؤرخوں اور اپنی تحقیق کے حوالوں سے یہ تین نام — حماد بن علی، ارگمین اور قاضی القضاۃ ابو محمد — وثوق سے لکھے ہیں۔ قاضی القضاۃ کی حیثیت آج کے چیف جسٹس کی ہوتی تھی۔ مذہبی امور کے فیصلے بھی وہی کرتا تھا۔ اُس دور میں قاضی فنِ حرب وضرب کی مہارت بھی رکھتے تھے۔

فرشتہ لکھتا ہے "سلطان محمود نے قاضی القضاۃ ابو محمد کو خاصی فوج دے کر قافلے کے ساتھ بھیجا۔ سلطان محمود نے ابو محمد کو تیس ہزار درہم اس مقصد کے لیے دیئے کہ لڑائی کی بجائے یہ رقم قزاقوں کو دے کر اُن سے معاہدہ کرلیا جائے کہ قافلے کو خیریت سے جانے دیں... سلطان کا یہ انتظام دیکھ کر قافلے میں کئی ہزار لوگ شامل ہوگئے۔"

اور قافلہ روانہ ہوگیا۔ قافلے کو الوداع کہنے کے لیے سلطان محمود خود گھوڑے پر سوار دُور تک ساتھ گیا۔ وہ قافلہ کئی میل لمبا تھا۔ سلطان اِدھر اُدھر گھوڑا دوڑاتا اور مسکراتے ہوئے سب کو ہاتھ ہلاتا اور خیریت سے واپس آنے کی دعائیں دیتا جا رہا تھا۔ پھر وہ ایک بلند جگہ جا کھڑا ہُوا۔ اور اُس وقت وہاں سے اُترا جب قافلے کا آخری مسافر اُس کے سامنے سے گزر گیا۔ وہ بہت دیر تک جاتے ہوئے قافلے کو دیکھتا رہا۔ آخر اُس کی آہ نکل گئی اور اُس نے کہا "خوش نصیب ہیں جو حجاز کو جا رہے

ہیں.... اللہ ان کا محافظ ہو۔"

ارگمین قاضی القضاۃ کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔

کیدھ کے صحرا میں ایک وسیع خطہ ایسا تھا جہاں صحرائی ٹیلے دیواروں اور عمارتوں کی طرح کھڑے تھے۔ ان میں بعض ٹیلے ستونوں کی شکل کے تھے اور بعض ڈراؤنے ڈراؤنے سے۔ ان میں سے راستہ گذرتا تھا۔ یہ جگہ بہت ہی خطرناک تھی۔ بھول بھلیاں تھیں۔

اس سے ذرا پرے حماد بن علی نے کیمپ لگا رکھا تھا۔ یہ کم وبیش چار ہزار بدّوؤں کی خیمہ گاہ تھی۔ وہ غزنی کے قافلے کو لُوٹنے کے لیے آگئے تھے۔ وہ لڑاکے تھے، شہسوار تھے اور نڈر تھے۔ ان کا کوئی مذہب نہیں تھا۔ وہ اپنے قبیلے کے سردار کو ہی قابلِ عبادت سمجھتے تھے اور ان سے بڑا سرداروں کے سردار کو سمجھتے تھے جو اُس وقت حماد بن علی تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ سرداروں کے سردار پر نہ تیر اثر کرتا ہے نہ کوئی اور ہتھیار۔ قزاقی کو وہ جائز پیشہ سمجھتے تھے۔ ان کی نگاہ میں یہ کوئی مذموم حرکت نہیں تھی۔

حماد بن علی کے ساتھ سبیلہ بھی تھی۔ وہ بظاہر خوش تھی لیکن اندر سے کھوئی کھوئی رہتی تھی۔ وہ قافلے کے انتظار میں بے تاب تھی — اور اُس وقت تو وہ اندر سے کانپنے لگی جب رات کے وقت ایک بدّو نے آکر حماد کو بتایا کہ قافلہ بہت بڑا ہے اور اس کے پیچھے پیچھے فوج بھی آرہی ہے۔ بدّو نے یہ بھی بتایا کہ قافلہ کوئی ایک کوس دُور پڑاؤ کئے ہوئے ہے۔

حماد بن علی اس خطے کو جو دنیا کی نظروں سے اوجھل تھا، اپنی زمین سمجھتا تھا جیسے وہاں ہوائیں بھی اسی کے حکم سے چلتی ہوں۔ اُس نے دیکھ بھال کا کوئی انتظام نہ کیا۔ قاضی القضاۃ نے رات کو ہی کمانداروں سے صلاح مشورہ کرکے ٹیلوں کے علاقے میں موزوں بلندیوں پر تیر انداز

iqbalmt@oneurdu.com

بٹھا دیئے اور حماد کی خیمہ گاہ کا جائزہ بھی لے لیا لیکن اُس نے سلطان محمود کی ہدایات کے مطابق حملے میں پہل کرنے کی بجائے دوستانہ معاہدہ بہتر سمجھا۔ رات بھر فوج بیدار رہی۔

اُدھر بدو قبائل حملے کے لیے تیار ہو گئے۔ صبح طلوع ہوئی تو غزنی کی فوج کے دو آدمی حماد بن علی کے پاس گئے اور اُسے قاضی القضاۃ کا پیغام دیا کہ تم لوگ قافلے کو گزرنے دو۔ اس کے عوض تمہیں پانچ ہزار درہم ادا کیے جائیں گے۔

حماد بھڑک اُٹھا اور غصے سے تھوک اُڑاتے ہوئے بولا۔ "پانچ ہزار درہم .... پانچ ہزار درہم سے تم میرے پاؤں کی خاک بھی نہیں خرید سکتے۔ تم میری توہین کرنے آئے ہو۔ میں بھکاری نہیں" اُس نے بدوؤں کے خیموں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اپنے قاضی سے جا کر کہو کہ میری طاقت دیکھے۔ کیا میں انہیں ایک ایک درہم دے کر واپس لے جاؤں؟ تمہارے قافلے کی ساری دولت میری ہے۔ تمام مال و دولت اور میری پسند کی تمام جوان عورتیں میرے حوالے کر دو اور قافلہ خیریت سے گزر جائے"

"حماد بن علی!" ایک پیغامبر نے کہا۔ "طاقت پر اتنا غرور نہ کر۔ فرعون نہ بن۔ ہم درخواست لے کر نہیں آئے۔ دوستی کا ہاتھ بڑھانے آئے ہیں۔ قافلہ مال و دولت اور خواتین سمیت یہاں سے خیریت سے گزرے گا لیکن یہ ریت تیرے قزاقوں کے خون سے لال ہو جائے گی"

"چلے جاؤ یہاں سے" حماد نے گرج کر کہا۔ "میں اپنے خیمے میں آئے ہوئے مہمان کو قتل نہیں کیا کرتا۔ جاؤ۔"

پیغامبر واپس آ رہے تھے تو انہیں ارتگین مل گیا۔ اُس نے پوچھا کہ حماد نے کیا جواب دیا ہے۔ اُسے جب بتایا گیا تو وہ ہنس پڑا اور تیر و کمان کندھے سے لٹکائے ایک بلندی پر کھڑا رہا۔

قاضی القضاۃ کو سلطان محمود نے تیس ہزار درہم دیئے تھے لیکن اُس نے یہ رقم ضائع کرنی مناسب نہ سمجھی۔ اُس نے یہ جانتے ہوئے کہ اتنا بڑا قزاق پانچ ہزار درہم کی پیش کش کو اپنی توہین سمجھے گا، یہی پیشکش کی جو دراصل چیلنج تھا کہ حماد آؤ اور قافلے پر حملہ کرو۔ قاضی القضاۃ ابو محمد نے اپنی پیشکش کا جواب سنا تو اس نے فوج کو موزوں مقامات پر کر دیا۔ فوج کی نفری تھوڑی تھی۔

حماد بن علی نے غصے کی حالت میں بدوؤں کو اکٹھا کیا اور ٹیلوں کے باہر باہر سے انہیں پیشقدمی کر کے قافلے پر حملے کا حکم دیا۔ قافلہ ٹیلوں کے باہر تھا۔ حماد گھوڑے پر سوار ساتھ ساتھ تھا۔ اس کے ساتھ ایک علمبردار تھا۔ علم سیاہ رنگ کا تھا۔ ساتھ دو محافظ تھے۔ اُدھر قافلے میں تھوڑے والے کچھ لوگ تھے۔ وہ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو گئے۔ عورتیں ہاتھ بلند کر کے دعائیں مانگنے لگیں۔ بدوؤں کے کالے اور کرخت چہرے بڑے ڈراؤنے تھے ـــ اور فوج ایک ٹیلے پر سمٹ کر کھڑی تھی۔

ارتگین بلندی سے اُتر کر ٹیلوں کے اندر چلا گیا اور ٹیلوں کی اوٹ میں اُس طرف نکل گیا جدھر سے بدوؤں کی فوج جا رہی تھی ـــ ان کے گھوڑوں اور اونٹوں کی چال دھیمی تھی۔ ارتگین چھپ کر دیکھتا رہا۔ پھر اسے حماد بن علی نظر آیا۔ وہ بہت دور نہیں تھا۔ ارتگین نے اپنی کمان میں تیر ڈالا اور حماد کے چہرے کا نشانہ لے کر تیر چھوڑ دیا۔ تیر حماد کی کنپٹی میں اُتر گیا۔ وہ تیورا کر گھوڑے سے گرا۔ اُس کے محافظ ابھی دیکھ ہی رہے تھے کہ یہ کیا ہوا ہے کہ ایک تیر علمبردار کی گردن میں دائیں سے لگا اور بائیں کو نکل گیا۔ یہ تیر بھی ارتگین کا تھا۔ پرچم گر پڑا۔

ارتگین دوڑ کر ٹیلے پر چڑھا اور بڑی ہی بلند آواز سے چلانے لگا ـــ "خدا کی قسم! میں نے حماد بن علی کو مار ڈالا ہے .... غزنی کی آبرو کی قسم! بدوؤں کا پرچم گر پڑا ہے"

iqbalmt@oneurdu.com

اپنے سرداروں کے سردار کو اور اپنے عَلَم کو گرتا دیکھ کر قبائلیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ تب قاضی القضاۃ ابو محمد نے فوج کو حملے کا حکم دے دیا۔ ارتگین نے اُسے پہلے بتا دیا تھا کہ وہ حماد کو پہچانتا ہے اور وہ سب سے پہلے اسے مارنے کی کوشش کرے گا۔ ابو محمد نے اسے کہا تھا کہ اگر وہ اسے حملے سے پہلے مارے تو للکار کر آواز دے۔ خدا نے ان کا یہ منصوبہ کامیاب کر دیا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا تھا بدّوؤں کا قتلِ عام تھا۔ وہ اب اپنے آپ کو بچانے کے لیے لڑ رہے تھے اور اس کوشش میں وہ ٹیلوں کے اندر آگئے جہاں وہ سمجھتے تھے کہ چھپ سکیں گے مگر ابو محمد نے وہاں پہلے ہی ٹیلوں پر تیر انداز بٹھا رکھے تھے۔ ان میں سے جو بدّو باہر کو بھاگے انہیں تعاقب کر کے ختم کیا گیا۔

اس خاک و خون میں ٹیلوں کے اندر گھوڑوں کے شور اور زخمیوں کی چیخ و پکار میں ایک نسوانی آواز سنائی دے رہی تھی — "ارتگین.... ارتگین" یہ سبیلہ کی پکار تھی۔ اسے غزنی کا ایک سوار اٹھا کر گھوڑے پر نہ ڈال لیتا تو وہ گھوڑوں تلے روندی جاتی۔

دوپہر تک کیمہ کا معرکہ ختم ہو چکا تھا۔ اس سے آگے قافلے کے ساتھ فوج کا چھوٹا سا ایک محافظ دستہ بھیجا گیا۔ قاضی القضاۃ باقی فوج کو واپس غزنی لے گیا۔ اس کے ساتھ بدّوؤں کے بے شمار گھوڑے اور اونٹ تھے جن پر اُن کے خیمے اور دیگر سامان لدا ہوا تھا۔

"ارتگین!" — ابو محمد نے راستے میں اسے کہا — "تم غلام نہیں ہو اور تم سبید اعزنی کی نہیں اسلام کی آبرو ہو۔ اسلام زندہ رہے گا۔"